جانثارانِ خیر الانام ﷺ،
جنت کی خوشخبری پانے والے دس عظیم صحابہ کرامؓ
کے حیرت انگیز واقعات

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

پروفیسر خالد پرویز

حق پبلی کیشنز
2-A سید پلازہ، فسٹ فلور چیٹر جی روڈ اُردو بازار لاہور
فون: 042-7220631، موبائل: 0300-9422434

Marfat.com

۲۹۷۶۹۹۲۲
خ ۱۹ عش
۱۱۱ط
۲ر

یا اللہ! تیرا شکر ہے

"رحمتیں، برکتیں، وسعتیں"

ناشر: عدیل حق، محمد اجمل

سن اشاعت : 2008ء

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

پروڈکشن منیجر : محمد سلیم
مارکیٹنگ : بشارت صدیقی
لیگل ایڈوائزر : عامر وہاب اعوان (ایڈووکیٹ لاہور ہائیکورٹ)
کمپوزنگ : اشفاق احمد فون: 0300-6355738
مطبع : اے این پرنٹرز
قیمت : -/120 روپے

Marfat.com

انتساب

محبّ رحمۃ للعالمین جل جلالہ

اور

محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم

کے

نام

پروفیسر خالد پرویز

11/6 فیصل اسٹریٹ، گلگشت ملتان

061-522252 / 0300-6302548

Marfat.com

حُسنِ ترتیب

صفحہ نمبر

1. حضرت ابوبکر صدیقؓ 11
2. حضرت عمر فاروقؓ 56
3. حضرت عثمان غنیؓ 97
4. حضرت علی المرتضیٰؓ 145
5. حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ 189
6. حضرت سعد بن ابی وقاصؓ 200
7. حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ 212
8. حضرت زبیر بن العوامؓ 220
9. حضرت سعید بن زیدؓ 233
10. حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ 243

Marfat.com

جان

پہلی بات

اگر ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا والہانہ عشق دیکھنا ہو تو اسوہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں میں جو واقعات اور حوادث پیش آتے ہیں وہ نہ تو غیر مربوط ہوتے ہیں اور نہ اتفاقی بلکہ علیم وخبیر خداوند کریم کے حکم کے تحت پیش آنے والے ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں جاری وساری نظر آتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں ہر ساتھی اپنی جگہ آسمان ہدایت کا روشن ستارہ اور انسانی معاشرے کا گوہر شب چراغ تھا۔ انبیاء کے بعد ایسے بلند سیرت و کردار کے حامل انسان دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ سیاست و معاشرت کے چہرے کو انہوں نے منور کیا۔ تہذیب وتمدن کی زلفوں کو انہوں نے سنوارا۔ خدا ترسی اور انسان دوستی کی زندہ جاوید مثالیں قائم کیں۔ نیکی وفلاح کی بنیاد اور کتاب وسنت کی اساس پر اپنے دور کی سب سے بڑی حکومت کو انہوں نے بحسن وخوبی چلایا۔ دنیا اگر فوز وفلاح اور سکون و اطمینان چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ قرآن مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت اور خاص طور پر عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسوہ کے مطابق اپنی زندگیوں میں تبدیلی لائے۔ زندگی اور ترقی نام ہی اس اسوہ کے اتباع کا ہے جہاں یہ اتباع نہیں وہاں زوال ہے، موت ہے۔

میں ذاتی طور پر سیرت نگاروں جناب طالب الہاشمی، مصباح الرحمٰن، تیمور علی تیموری اور عبدالرحمٰن رافت پاشا اور کتاب کے پبلشر عدیل حق کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس کار خیر میں دست تعاون دراز فرمایا اور خاص طور پر ہفت روزہ فیملی میگزین کا شکر گزار ہوں کہ جس نے عرصہ 4 سال تک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پرنور اور ایمان

Marfat.com

افروز زندگیوں کے بارے میں کہانیاں شائع کی ہیں۔ فیملی میگزین اسلامی شعور اور طرزِ زندگی کو اجاگر کرنے کے لیے جناب علی سفیان آفاقی کی ادارت اور جناب شاہد نذیر چوہدری کی معاونت میں ایک جہاد کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے۔ زیرِ نظر کتاب میں موجود بیشتر کہانیاں فیملی میگزین میں شائع ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کہانیوں میں سے منتخب کی گئی ہیں۔ رب رحمٰن و رحیم ہم سب کو شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے اور خاص طور پر مجھ جیسے گناہ گار کو تو صرف رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی بچا سکتی ہے کہ جس کے دامن میں سوائے اشک ندامت کے کچھ نہیں۔

خالد پرویز

Marfat.com

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت صدیق اکبرؓ کا نام عبداللہؓ جبکہ کنیت ابوبکرؓ تھی۔ آپؓ کے والد کا نام عثمان بن عامر جبکہ کنیت ابو قحافہ تھی اور والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی۔ قبول اسلام سے قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام عبدالکعبہ تھا لیکن جب آپؓ شرف بہ اسلام ہوئے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھا۔ آپؓ کے والدین نے آپؓ کا نام عبدالکعبہ اس وجہ سے رکھا تھا کیونکہ آپؓ کی والدہ کے لڑکے زندہ نہ رہتے تھے۔ اس لئے آپؓ کی والدہ نے نذر مانی کہ اگر ان کا کوئی بیٹا زندہ رہا تو وہ اس کا نام عبدالکعبہ رکھ کر اسے کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گی۔

جوان ہونے پر آپؓ عتیق یعنی آزاد کردہ غلام کے نام سے بھی موسوم کئے جانے لگے کیونکہ آپؓ نے موت سے رہائی پائی تھی۔ البتہ بعض راویوں کا خیال ہے کہ عتیق کا لقب آپؓ کو نہایت سرخ و سفید ہونے کی بناء پر دیا گیا۔ تاہم آپؓ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک بار جب پوچھا گیا کہ آپؓ کے والد محترم کو عتیق کیوں کہا جاتا ہے تو انہوں نے فرمایا "ایک دفعہ ہادیٔ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا "ھذا عتیق اللہ من النار" یعنی اللہ کا یہ بندہ آگ سے آزاد شدہ ہے۔

آپؓ عمر بھر اپنی کنیت ابوبکرؓ ہی سے مشہور رہے بلکہ آج تک اکثر لوگ آپؓ کے اصل نام عبداللہ کو کم اور کنیت ابوبکرؓ کو زیادہ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے آپؓ کی کنیت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عربی زبان میں بکر جوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ چونکہ

Marfat.com

آپؓ کو اونٹوں کی پرورش اور دیکھ بھال سے از حد دلچسپی تھی اس لئے لوگوں نے آپؓ کو ابوبکر یعنی اونٹوں کا باپ کہنا شروع کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ نے بچپن کا زمانہ مکہ کی گلیوں میں کھیلتے گزارا۔ جوان ہونے پر آپؓ کی شادی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے۔ بعد ازاں آپؓ نے ام رومان بنت عامر سے شادی کی۔ ان سے عبدالرحمٰن اور عائشہؓ پیدا ہوئے۔ جب آپؓ مدینہ تشریف لائے تو آپؓ نے پہلے حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی۔ پھر آپؓ کی شادی اسماء بنت عمیس سے ہوئی۔ اسماء کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا تو آپؓ نے اس کا نام محمد رکھا۔

حضرت ابوبکر صدیق قبیلہ تیم بن مرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؓ کا نسب آٹھویں پشت میں مرہ پر جا کر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ مکہ میں بسنے والے تمام قبائل کو کعبہ کے مناصب میں سے کوئی نہ کوئی منصب ضرور ملتا تھا۔ قبیلہ تیم بن مرہ کا کام خون بہا اور دیتیں اکٹھا کرنا تھا۔ جب حضرت ابوبکرؓ جوان ہوئے تو یہ خدمت آپؓ کے حصے میں آئی۔ خون بہا اور دیت کے حوالے سے جملہ مقدمات کے آپؓ نہ صرف فیصلے فرماتے تھے بلکہ خون بہا کے تمام اموال بھی آپؓ ہی کے پاس جمع ہوتے تھے۔

آپ کا رنگ سرخی مائل سفید، بدن دبلا پتلا، داڑھی مبارک خشخاشی، آنکھیں چمکدار، چہرہ آبدار اور پیشانی کشادہ تھی۔ آپؓ انتہائی خلیق، ملنسار، رحمدل اور نرم طبیعت کے تھے۔ ذہانت، دُور اندیشی، معاملہ فہمی اور حسن فکر و عمل میں بہت کم لوگ آپؓ کے ہم پلہ تھے۔ چونکہ قریش کی ساری قوم تجارت میں مہارت رکھتی تھی اس لئے آپؓ نے بھی بڑے ہو کر کپڑے کی تجارت کا آغاز کیا اور اپنی خوش اخلاقی اور دیانتداری کے بل بوتے پر بہت جلد غیر معمولی ترقی کر لی اور یوں آپؓ کا شمار مکہ کے متمول اور کامیاب تاجروں میں ہونے لگا۔

یہ خدائے بزرگ و برتر کی عنایت اور کرم تھا کہ حضرت ابوبکرؓ شروع ہی سے قلب سلیم اور ذہن رسا کے مالک تھے۔ وہ اس دور کے گمراہ کن اعتقادات، جاہلانہ رسم و رواج اور قول و فعل کے تضادات سے نفرت کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے بقول آپؓ

نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں نہ تو شراب کو ہاتھ تک لگایا اور نہ ہی دوسری برائیوں کے قریب گئے حالانکہ یہ تمام برائیاں زمانہ جاہلیت میں معمول کی باتیں تھیں۔

ابن ہشام کے بقول آپؓ علم الانساب کے ماہر تھے۔ آپؓ کو قریش مکہ کے جملہ خاندانوں کے نسب، عیوب و نقائص اور محاسن و محامد ازبر یاد تھے۔ آپؓ کا یہ ایسا وصف تھا جس میں آپؓ کا کوئی ثانی نہیں تھا اور اکثر لوگ آپؓ کو اس خوبی کی بنا پر رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ مکے کے اس محلے میں رہتے تھے جہاں حضرت خدیجہؓ بنت خویلد رہتی تھیں۔ جب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی اور آپؐ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ کے گھر منتقل ہو گئے تو ایک ہی محلے میں رہنے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کا رابطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ نیز ہم عمر، ہم پیشہ اور ہم خیال ہونے کے باعث دونوں کی دوستی دن بدن گہری ہوتی چلی گئی۔

جب خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت جیسے منصب جلیلہ سے سرفراز فرمایا گیا تو آپؐ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اللہ کے دین پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کسی تردد کا اظہار کئے بغیر اسی لمحے دین اسلام کی دعوت کو نہ صرف قبول فرمایا بلکہ ہر قسم کے وقت میں ساتھ دینے کا عہد کیا۔

حضرت ابوبکرؓ چونکہ اپنے حسن اخلاق کے باعث عوام و خواص میں مقبول اور ہر دلعزیز تھے اس لئے بہت جلد بہت اہم شخصیات آپؓ ہی کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زبیرؓ بن عوام کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت عبیدہؓ بن جراح خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بے مثال جرأت ایمانی اور باکمال قوت ارادی کا مظاہرہ فرمایا۔ آپؓ نے نہ تو اپنی تجارت کی پرواہ کی اور نہ ہی کفار

مکہ کی مخالفت اور ایذا رسانی کو خاطر میں لائے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپؓ بیت اللہ کی دیوار کے نور بھرے ٹھنڈے میٹھے سائے میں کھڑے تھے۔ آپؓ کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے اور آپؓ کا جوش خطابت عروج پر تھا۔ آپؓ ببانگ دہل فرما رہے تھے۔

"لوگو! بے کار، بے بس اور بے شعور بتوں کو چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جو کہ ہر چیز کا خالق و رازق اور قادر مطلق ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری نبی ہیں اور وہ بلاشبہ صادق اکبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"

جس جس نے آپؓ کی ان سچی اور کھری باتوں کو سنا وہ مشتعل ہو گیا۔ یوں بے شمار لوگ آگ بگولا ہو کر آپؓ پر پل پڑے اور مار مار کر لہولہان کر دیا۔

انہی لمحات میں آپؓ کے قبیلے کے چند باہمت افراد نے یہ اذیت ناک منظر دیکھا تو آپؓ کو دشمنان اسلام کے نرغے سے چھڑایا۔ آپؓ بے ہوش ہو چکے تھے۔ لوگ آپؓ کو اٹھا کر آپؓ کے گھر چھوڑ آئے۔ آپؓ کے والد محترم نے اپنے پیارے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو آنسو امڈ آئے۔ ماں نے اپنا نور نظر نیم جاں دیکھا تو رو رو کر نڈھال ہو گئیں۔ کافی دیر بعد آپؓ کو ہوش آیا تو والدین کی جان میں جان آئی۔ ماں نے کہا "بیٹا کچھ کھا لو۔"

"آپؓ نے جواب دیا! میں اس وقت تک کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا جب تک مجھے یہ علم نہ ہو جائے کہ میری جان سے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟"

ماں نے کہا "بیٹا ابوبکرؓ! مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟"

آپؓ نے جواب دیا "حضرت ام جمیل بنت خطاب کو علم ہے۔"

ماں دوڑی گئیں اور ام جمیل کو سارا واقعہ بیان کیا تو وہ آپؓ کی ماں کے ہمراہ آپؓ کے گھر آ گئیں اور یوں سب اکٹھے ہو کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپؓ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا تو یوں محسوس ہوا جیسے آپؓ کے تمام زخم مندمل ہو گئے ہوں البتہ اس لمحے آپؓ نے اپنی ایک پریشانی کا اظہار ضرور کیا اور ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر عرض کی "اے اللہ کے

Marfat.com

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ہر لمحہ یہ فکر رہتی ہے کہ میری والدہ کب مشرف بہ اسلام ہو کر جنت کی حقدار بنیں گی!''

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اک نظر کرم کی دیر تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کی والدہ محترمہ نے کلمہ طیبہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ آپؓ نے یہ دیکھا تو خوشی سے جھوم اُٹھے کیونکہ آپؓ کی دیرینہ اوّلین آرزو پوری ہو چکی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں میں دین کی تبلیغ کی بلکہ انہوں نے اپنا مال ان غریب اور مظلوم لوگوں اور خاص طور پر غلاموں پر خرچ کیا جنہیں ان کے مالک اور دشمنان حق محض اس لئے تکالیف پہنچاتے تھے کہ ان کی زبان سے کلمہ توحید اور کلمہ شہادت نکلتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ جس روز اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے اس روز آپؓ کے پاس چالیس ہزار درہم موجود تھے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد بھی آپؓ نے تجارت کا سلسلہ جاری و ساری رکھا اور وافر مقدار میں منافع کمایا لیکن اس کے باوجود جب ہجرت کا موقع آیا تو آپؓ کے پاس صرف پانچ ہزار درہم باقی تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ آپؓ نے جو کچھ کمایا راہ خدا میں خرچ کر دیا اور خاص طور پر مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے میں آپؓ نے بڑی سخاوت کا مظاہرہ کیا۔

اس ضمن میں ایک واقعہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آپؓ اپنے محلے کی گلیوں میں آتے جاتے ایک بڑا دلدوز منظر دیکھتے تو آپؓ کو بہت دُکھ ہوتا۔ منظر کیا تھا ایک بھیانک ظلم کی دردناک داستان تھی۔ ایک مالک اپنے ہی غلام کو ناقابل بیان مظالم کی چکی میں لمحہ لمحہ پیس رہا تھا۔ آخر اس غلام کا قصور کیا تھا۔ اس کا جرم تو محض اتنا تھا کہ وہ اپنی زبان سے احد اور احمد کا نام لیتا تھا۔

روز روز کے اس اندوہناک منظر نے آپؓ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ آخر ایک دن آپؓ کا پیمانہ صبر لبریز ہوا تو آپؓ اس غلام کے مالک کے پاس پہنچے اور اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی کہ ایک بے کس و بے قصور غلام پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا اس کے شایان شان نہیں مگر اس ظالم مالک کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ تاہم آپؓ اسے مسلسل سمجھاتے رہے۔ بالآخر مالک نے تنگ آ کر اتنا کہا۔

Marfat.com

''آپ اس غلام کے اتنے ہمدرد ہیں تو اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟''

آپؓ نے فوراً جواب دیا ''بولو کیا لو گے؟''

مالک بولا ''آپ اپنا غلام فطاس رومی مجھے دے دو اور اسے لے جاؤ''

ظالم مالک کو یقین تھا کہ اس کے معمولی قیمت کے غلام کا خریدار اپنے غلام فطاس رومی کو بدلے میں نہیں دے گا کیونکہ وہ بڑا کارگزار غلام تھا اور اہل مکہ کے نزدیک اس کی بہت زیادہ قیمت تھی مگر حضرت ابوبکرؓ نے غیر متوقع طور پر فوراً فرمایا ''مجھے منظور ہے۔''

ظالم نے پھر پینترا بدلا اور ڈھٹائی سے کہنے لگا ''فطاس رومی کے ساتھ چالیس اوقیہ چاندی بھی لوں گا۔''

آپؓ نے حسب سابق وہی جواب دیا ''مجھے یہ بھی منظور ہے۔''

سودا طے ہو گیا تو لین دین کے بعد آپؓ نے واپسی پر مظلوم غلام کے ظالم مالک سے مخاطب ہو کر صرف اتنا کہا ''تو اس غلام کی قدر و قیمت کیا جانے، میرے نزدیک تو یمن کی بادشاہت بھی اس کے بدلے میں کم ہے۔''

آپؓ اس غلام کو کہ جسے دنیا حضرت بلالؓ کے نام سے جانتی ہے، لے کر سیدھے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کی آزادی اور حضرت ابوبکرؓ کی رحمدلی اور دین اسلام کی خاطر قربانی پر بہت خوش ہوئے۔

اسراء کے موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ نے جس قوت ایمانی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت دیا وہ قابل ذکر بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔ اگر اس موقع پر آپ حق اور سچ کا یوں کھل کر اور ڈٹ کر ساتھ نہ دیتے تو بہت سے مسلمان صحیح راستے سے بھٹک جاتے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک روز عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کی بیٹی حضرت ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور رات وہیں قیام فرمایا۔ اگلی صبح نماز کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانیؓ کو گزری رات کا ایک ایسا واقعہ بیان فرمایا کہ انہوں نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا

دامن تھام کر دست بستہ عرض کیا۔

''اے میرے چچازاد بھائی! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے وحدہٗ لاشریک کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات اہل مکہ کو نہ بتائیں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ وہ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کریں گے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔''

ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ پوری آدمیت کے لئے پیغام ہدایت لے کر آئے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاخوف وخطر اہل قریش کو یہ انوکھی بات بتانے چل پڑے۔ حضرت ام ہانیؓ نے اضطراب کے عالم میں فوراً اپنی ایک بااعتماد خادمہ نبعہ کو حکم دیا کہ وہ چپکے سے محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلتی رہے اور واپسی پر اسے تمام صورتحال سے آگاہ کرے۔

رازدار خادمہ نبعہ جب گھر لوٹی تو اس نے بتایا ''ابوجہل نے شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پوچھا ''کیا آج پھر کچھ کہنے کا ارادہ ہے؟''

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آج رات مجھے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔''

ابوجہل نے کہا ''اتنی لمبی مسافت کے بعد آپ راتوں رات مکہ بھی لوٹ آئے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا میں اہل مکہ کو بلاؤں تاکہ آپ ان کو بھی یہ بات بتا سکیں؟''

فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیوں نہیں! ابھی بلا لو۔ میں خود انہیں یہ بات بتانے آیا ہوں۔''

اس پر ابوجہل دوڑ پڑا اور زور زور سے پکار کر سب کو اکٹھا کر لایا۔ تمام لوگ جمع ہو گئے تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے گزشتہ رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی ہے۔ میری انبیاء کرام سے ملاقات ہوئی جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔ میں نے ان کی نماز کی امامت کی اور ان سے بات چیت بھی ہوئی۔''

ابوجہل نے مذاق کے لہجے میں پوچھا ''اگر آپ نے ان انبیاء کو دیکھا ہے تو ان

Marfat.com

کے حلیے بتاؤ!"

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک نبی کا حلیہ بڑی خوبصورتی اور حسن بیان کے ساتھ بتا دیا تو پھر کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعویٰ کی صداقت کیلئے اور دلیل طلب کی۔

ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا کارواں دیکھا جس کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ آ رہا ہے جس پر دو بورے لدے ہیں۔ ایک بورا کالے رنگ کا ہے اور دوسرا دھاری دار ہے اور یہ کارواں بیضاء سے ثنیہ کی طرف آ رہا ہے۔"

لوگ ثنیہ کی طرف دوڑ پڑے۔ دیکھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی گئی نشانیوں کے مطابق واقعی ایک کارواں آ رہا تھا تاہم اس کے باوجود بھی کفار نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ بیت المقدس تک جانے اور واپس آنے میں دو ماہ کا عرصہ درکار ہے لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ایک رات ہی میں یہ سفر طے کر لے۔

کفار میں سے مطعم بن عدی نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس آ کر آپؓ سے پوچھا "کیا آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات اور اس دعوے کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں؟"

حضرت ابو بکرؓ نے کوئی لمحہ گزارے بغیر فوراً فرمایا "میں تو صادق اکبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے بڑی بات اور اس سے بڑے دعوے کی تصدیق کے لئے بھی تیار ہوں۔ میں شہادت دیتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا حرف بہ حرف اور لفظ بہ لفظ سچ کہا۔"

اگرچہ رہبر کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یار خاص حضرت ابو بکرؓ اور دوسرے ساتھیوں کے ہمرکاب نیم خفیہ نیم ظاہر طریقے سے دعوت اسلام جاری رکھے ہوئے تھے اور مسلمانوں کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا مگر دشمنان اسلام کے مظالم روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ لوگ خاص طور پر ان کمزور مسلمانوں کو اپنے

Marfat.com

مظالم کا نشانہ بنا رہے تھے جو ان کے زر خرید غلام یا لونڈی کے طور پر زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس صورت حال میں جہاں تک ممکن ہو سکا ان غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنے کی حتی الوسع کوشش کی۔ آپؓ نے جن غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کیا ان میں حضرت بلالؓ کے علاوہ حضرت بلالؓ کی والدہ ماجدہ حضرت حمامہؓ، طفیل بن عبداللہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہؓ، صفوان بن امیہ کے غلام حضرت ابوفکیہہؓ، حضرت عمرؓ کے گھرانہ کی دو کنیزیں حضرت زنیرہؓ اور حضرت لبینہؓ، خاندان بنو زہرہ کی کنیز حضرت ام عنیس، حضرت عامر بن فہیرہؓ کی بہن حضرت لطیفہ کے علاوہ بن مغیرہ کی لونڈیاں حضرت النہدیہؓ اور ان کی بیٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے جب دیکھا کہ نحیف و نزار غلاموں اور لونڈیوں کو ان کا بیٹا ابوبکر خریدتا ہے اور آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے از راہ ہمدردی اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

"اے میرے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے غلاموں کو آزاد کرتے ہو جو ضعیف اور کمزور ہیں۔ اگر تمہیں غلاموں کو آزاد کرنے کا شوق ہے تو جوان اور طاقتور غلاموں کو آزاد کیا کرو جو مشکل وقت میں تمہارے دست بازو بنیں اور دشمن کے مقابلہ میں تمہارے لئے سینہ سپر ہوں۔"

حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا "میں یہ جو کچھ کر رہا ہوں محض اپنے بزرگ و برتر رب تعالیٰ کی رضا کیلئے کر رہا ہوں۔"

اسی طرح رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "بلاشبہ لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا جان و مال کے اعتبار سے ابوبکرؓ سے زیادہ مجھ پر کوئی احسان ہو۔" (صحیح بخاری)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ پر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! جان و مال کیا سبھی اور کیلئے بھی ہیں۔" (کنز العمال)

حضرت ابوبکرؓ کی اس کمال درجہ قربانی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ ظالم آقاؤں کے ستائے ہوئے خرید کردہ غلاموں کا اس درجہ

خیال ہوتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ دونوں ایک جگہ بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے کہ انہیں حضرت ابوسفیانؓ نظر آئے جو مکہ کے کافروں کی طرف سے مذاکرات کرنے مدینہ آئے تھے تاکہ حدیبیہ میں مسلمانوں اور کافروں کے مابین جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی تجدید کرا سکیں۔

ان دونوں جانثاران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوسفیانؓ کو دیکھا تو انہیں وہ زمانہ یاد آ گیا جب مکہ میں کافر مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑا کرتے تھے۔ وہ غصے میں آئے مگر انہوں نے صرف اتنا کہا ''اللہ کے دشمن ابھی تک تلوار کی زد میں نہیں آئے۔''

اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے جب یہ جملہ سنا تو انہیں برا محسوس ہوا کیونکہ ابوسفیان قریش مکہ کے سفیر بن کر آئے تھے اور ابھی انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان دونوں سے صرف اتنا کہا ''تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' یہ کہہ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بیان فرمایا۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ واقعہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فکرمند ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا ''شاید تم نے ان دونوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان کو ناراض کیا تو اپنے رب کو ناراض کیا۔''

فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ پریشان ہو گئے۔ آپؓ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ دوڑے ہوئے ان دونوں کے پاس پہنچے اور ان سے بڑے مشفقانہ لہجے میں فرمایا:

''میرے عزیز بھائیو! کیا میں نے تمہیں ناراض کیا؟ تم مجھ سے خفا تو نہیں؟''

حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ دونوں نے مل کر کہا ''نہیں بھائی! ہم آپؓ سے قطعی طور پر خفا نہیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپؓ کو معاف کرے۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرانے اور ان سے شفقت و

Marfat.com

محبت سے پیش آنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا برابر دھیان رکھتے تھے کہ ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ جب کبھی ایسا واقعہ پیش آیا تو فوراً موقع پر پہنچ جاتے اور سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرماتے چنانچہ ایک مرتبہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں تقریر کر رہے تھے کہ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پل پڑے اور اس قدر گستاخی کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آگے بڑھ کر کہا ''کم بختو! کیا تم صرف اس لئے ان کو قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں۔'' (فتح الباری)

اسی طرح ایک دفعہ شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط وہاں آ نکلا۔ اس نے اپنی چادر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں ڈال کر اس کو اس طرح بل دیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دم گھٹنے لگا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ بھی وہاں پہنچ گئے۔ آپؓ نے عقبہ کو کاندھوں کے بل دھکا دے کر وہاں سے ہٹایا اور بولے ''ارے ظالمو! کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔'' (صحیح بخاری)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قریش نے آپ کو گھیر رکھا تھا۔ کوئی آپ کو پکڑ کر کھینچتا تھا اور کوئی دھکا دیتا تھا اور سب یہ کہتے جاتے تھے کہ تو ہی وہ ہے جس نے سب خداؤں کو ملا کر ایک خدا کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ ہم میں سے کسی کو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ البتہ صرف اور صرف حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جو آگے بڑھے اور انہوں نے مجمع میں سے کسی کو دھکا دیا، کسی کو پیچھے ہٹایا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ نے ان لوگوں سے کہا ''بدبختو! کیا تم اس شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو اللہ کو اپنا رب کہتا ہے۔'' (البدایہ والنہایہ)

علامہ سیوطی نے ایک روایت نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابولہب کی طرح اس کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اندھی ہو

Marfat.com

چکی تھی۔ جب سورۃ اللھب نازل ہوئی تو اس کا جذبہ بغض و عناد سہ آتشہ ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبوترہ سا پتھر تھا وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں حرم شریف آئی اس وقت سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تھے۔ انہوں نے جب اس ظالم عورت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آتے دیکھا تو عرض کیا "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، یہ بڑی بدزبان اور فحش کلام عورت ہے۔ آپؐ یہاں سے تشریف لے جائیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بدکلامی سے اذیت پہنچائے۔"

ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! فکر نہ کریں وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔" جب وہ قریب پہنچی تو کہنے لگی "اے ابوبکر! تیرے دوست نے میری ہجو کی ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ میرے بارے میں شعر کہنے شروع کر دیئے ہیں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "بخدا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم قطعی طور پر شاعر نہیں ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ اس لمحے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آپ کو دیکھا ہی نہیں۔ صرف میرے ساتھ ہی باتیں کر رہی ہے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک وہ کھڑی رہی ایک فرشتہ اپنے دونوں پروں سے مجھ پر پردہ کئے رہا۔ تاہم آپ اس سے پوچھیں کہ اسے تمہارے پاس کوئی اور شخص بھی نظر آ رہا ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے جب اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی "تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو۔ مجھے تو تمہارے ہمراہ کوئی اور شخص دکھائی نہیں دے رہا۔"

مختصر یہ کہ دشمنان اسلام لمحہ لمحہ دین خدا کے پیروکاروں اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستاروں کو تکلیف دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ وہ موقع بے موقع طرح طرح کے منصوبے بناتے رہتے کہ کس طرح سرفروشان صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچا دکھائیں۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری "ضیاء النبیؐ" میں رقمطراز ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شمع توحید کے پروانوں پر کفر و شرک کے سرغنوں کے بے حد و حساب

Marfat.com

مظالم دیکھے اور یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ ان مظالم میں آئے روز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے نہ ان سنگ دل ظالموں کو ذرا ترس آتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں میں رحمت و شفقت کا جذبہ بیدار ہو کر ان کی نجات کا باعث بنتا ہے اور نہ ہی خود مسلمانوں میں اتنی سکت ہے کہ وہ مظلوم بھائیوں کی داد رسی کر سکیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار غلاموں کو اجازت دی کہ ظلم و جبر کی اس بستی سے نکل کر حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں کیونکہ وہاں کے بادشاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بڑا رحمدل اور انصاف پسند ہے۔ نہ خود کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو بے کسوں اور کمزور پر ظلم کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں مہاجرین کا پہلا قافلہ جو کہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا حضرت عثمان بن عفانؓ کی سرکردگی میں حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی اپنے ذاتی اثر و رسوخ اور عزت و وقعت کے باوجود ظلم و ستم سے بچے ہوئے نہیں تھے۔ اسلام کے لئے آپؓ کی کوششیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔ اس وجہ سے دشمنان اسلام آپؓ کو اپنے راستہ کا دوسرا بڑا پتھر سمجھتے تھے چنانچہ ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو بھی ہجرت کی اجازت دے دی آپؓ سامان سفر باندھ کر شعیبہ کی بندرگاہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر سمندر (بحیرۂ احمر) کو پار کرنا تھا۔ ابھی آپؓ مقام برک الغماد میں پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ قبیلہ قارہ کا سردار تھا۔ اس شخص کو عرب میں ہر قبیلہ پسند کرتا تھا۔ اس وجہ سے لوگ اس کو سید القارہ یعنی ہر قبیلے اور ہر خطے کا سردار کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ خود آگے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ سے ملا اور دریافت کیا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا "تمہارے ملک اور تمہاری ظالم قوم سے دُور ایک ایسی جگہ جا رہا ہوں جہاں شرافت اور عزت سے رہنا ممکن ہو۔ میں وہاں جا کر سیر و سیاحت بھی کروں گا اور اپنے رب کی عبادت بھی کروں گا۔"

ابن الدغنہ نے پھر پوچھا "آخر پتہ تو چلے کس شہر جا رہے ہو؟"

آپؓ نے فرمایا "میں حبشہ جا رہا ہوں اس امید پر کہ شاید وہاں کوئی ظالم رکاوٹ

Marfat.com

نہ ڈالے اور میں آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکوں۔''

سیدالقارہ ابن الدغنہ نے کہا ''ابوبکر آپ تو مفلس اور نادار کے لئے مال کماتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو لوگ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں ان کی آپ مدد کرتے ہیں۔ تم جیسا آدمی عرب چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ آؤ میرے ساتھ لوٹ چلو اور آزادی سے رب کریم کی عبادت کرو۔''

چنانچہ ابن الدغنہ آپؓ کو ہمراہ لے کر آیا اور مکہ کے جملہ سرداروں کے پاس گیا اور انہیں کہا کہ ابوبکرؓ جیسی ہستی کو جو اخلاق حمیدہ اور صفات عالیہ سے متصف ہے اپنے شہر سے نکالنا بڑی زیادتی ہے۔ میں نے انہیں پناہ دے دی ہے۔ اب کوئی شخص انہیں اذیت پہنچانے کی جرأت نہ کرے۔ سب نے ابن الدغنہ کی پناہ کو تسلیم کیا کہ آئندہ وہ حضرت ابوبکرؓ کو تکلیف نہ دیں گے۔ لیکن اس کے لئے ایک شرط عائد کی کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے گھر کے اندر عبادت کریں گے۔ جتنا قرآن پڑھیں جیسا چاہیں نماز عبادت کریں مگر گھر سے نکل کر اگر وہ یہ کام کریں گے یا بلند آواز سے تلاوت کریں گے تو ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بتا دیا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے اس شرط کی پابندی نہ کی تو تمہاری امان ان کی حفاظت نہ کر سکے گی۔ چند دن تو حضرت ابوبکرؓ نے پابندی کا خیال رکھا لیکن پھر انہوں نے اپنے صحن میں مسجد بنا لی جس میں نماز ادا کرتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے۔ آپؓ بڑے خوش الحان تھے۔ آپؓ کی تلاوت سننے کے لئے گھر کے باہر عورتوں اور مردوں کا میلہ سا لگ جاتا۔ مشرکین کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ وہ ابن الدغنہ کے پاس شکایت لے کر گئے اور کہا کہ ابوبکرؓ نے شرط توڑ دی ہے۔ وہ گھر کے صحن میں نماز پڑھتے اور بلند آواز سے تلاوت کر کے لوگوں کو جمع کر لیتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ خراب ہو گئے اور اپنا مذہب چھوڑ بیٹھے تو ہم صاف بتائے دیتے ہیں کہ معاہدہ ٹوٹ جائے گا اور تمہاری پناہ کو ہم نہیں مانیں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ لوگ کہیں کہ ہم نے ابن الدغنہ کی پناہ کو مسترد کر دیا ہے۔ ابن الدغنہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''آپ کو معلوم ہے کہ کس شرط پر آپ کی قوم

سے میرا معاہدہ ہوا تھا۔ یا تو آپ اس معاہدہ کی پابندی کریں یا میری پناہ سے دست بردار ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ عربوں میں یہ مشہور ہو جائے کہ میں بد عہدی کرنے لگا ہوں۔ اس لئے اس چبوترے کو توڑ دو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو۔"

حضرت ابوبکرؓ نے ابن الدغنہ کو انتہائی دلیری کے ساتھ جواب دیا "میں تیری پناہ تجھے لوٹا دیتا ہوں میرے لئے میرے اللہ کی پناہ کافی ہے۔" (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان)

اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کا نماز میں خشوع و خضوع کا ذکر از حد اہمیت کا حامل ہے۔ آپؓ نماز میں زار و قطار رویا کرتے تھے۔ آپؓ جب نماز کیلئے قبلہ رو کھڑے ہوتے تو حالت بالکل ایسی ہوتی جیسے واقعی اللہ کے دربار میں کھڑے ہیں جسم کمزور پڑ جاتا اعضاء ڈھیلے ہو جاتے۔ چہرے کا رنگ بدل جاتا اور سارے بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی اللہ کے دھیان اور نماز میں جو قرآن پاک کی آیات تلاوت فرماتے ان کے مطالب میں ایسے غرق ہو جاتے تھے کہ اپنی بھی خبر نہیں رہتی تھی۔ قرآن پاک کی ان دو آیات کو آپؓ خاص طور پر نماز تہجد میں بار بار پڑھتے اور آہ و بکا کرتے رہتے ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

"اور ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی نہ ہوگا کہ ان کو بچائے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کیلئے کوئی بھی راستہ نہیں اس سے پہلے اپنے رب کا حکم مان لو کہ وہ دن آ جائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں اس دن تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی اور نہ تم انکار کر سکو گے۔" (سورۃ الشوریٰ ۴۶/۴۷)

ہجرت حبشہ کے بعد شعب ابی طالب میں محصوری کے تین سال گزرے ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفق و مہربان چچا حضرت ابو طالب داغ مفارقت دے کر عالم دو جہاں کو سدھارے قلب و جگر کو پارہ پارہ کر دینے والے اس صدمہ پر ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا وصال پہلے ہوا اور حضرت ابو طالب نے بعد میں انتقال کیا لیکن امام یوسف الصالحی الشامی اپنی کتاب سیرت "سبل الہدیٰ والرشاد" میں رقمطراز ہیں کہ "مشہور قول یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کی وفات

Marfat.com

حضرت خدیجہؓ کے وصال سے پہلے ہوئی ہے۔ یہ دونوں وفاتیں ایک سال میں ہوئیں اور ہجرت سے تین سال پہلے" یہ دونوں صدمے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بڑے غم انگیز اور دردناک تھے۔ خاص طور پر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو تنہا تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ اس صورت حال میں خولہ بنت حکیم نے حضرت ابوبکرؓ کی چھوٹی صاحب زادی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تحریک کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواب کے ذریعے اس قران السعدین کی اطلاع پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو گئے۔ اب خولہ نے حضرت عائشہؓ کی والدہ ام رومانؓ سے اس کا ذکر چھیڑا۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے تذکرہ کیا۔ وہ بولے کہ میں اپنے آپ کو اس سے زیادہ خوش قسمت اور کیا سمجھوں گا لیکن میں جبیر کیلئے مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے زندگی میں کبھی وعدہ خلافی نہیں کی ہے۔

مطعم بہت سی خوبیوں والے آدمی تھے۔ مگر عربوں میں باپ دادا کے مذہب کی حمایت اور طرف داری کی عادت بہت راسخ تھی۔ مطعم نے یہ خیال کر کے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی بہو بن کر میرے گھر میں آ گئیں تو یہاں اسلام قدم جما لے گا۔ کچھ دنوں بعد خود ہی انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خوشی خوشی حضرت عائشہؓ کا نکاح ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ اس وقت حضرت عائشہ کا صرف نکاح ہوا بلکہ رخصتی ہجرت کے تقریباً ایک سال بعد عمل میں آئی۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ مصاہرت (خسرالی رشتہ) بھی قائم ہو گیا اور دونوں دوست ایک دوسرے کے اور قریب آ گئے۔

دشمنان اسلام کا ظلم و ستم سرفروشان اسلام پر بڑھتا رہا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دوسری بار ہجرت کا ارادہ فرمایا مگر آپؓ اب حبشہ نہیں جا رہے تھے بلکہ یثرب یعنی مدینہ جانے کا قصد فرما رہے تھے۔ اس لئے کہ اب وہاں مسلمانوں کو پناہ مل چکی تھی اللہ نے بھی وہاں کے لوگوں کے دل اسلام کیلئے کھول دیئے تھے۔ گھر گھر اسلام کا چرچا ہو گیا تھا اور بہت سے خاندان مسلمان ہو چکے تھے۔

اوّلین سیرت نگار ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے ابوبکرؓ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو شاید اللہ پاک تمہارے لئے کوئی رفیق سفر بنا دے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دل میں یہ امید پیدا ہو گئی کہ شاید اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہو جائے۔ آپؓ نے دو اونٹنیاں فوراً خرید لیں اور انہیں دوسری اونٹنیوں کے ساتھ جنگل میں چرنے کیلئے بھیجنے کی بجائے گھر پر ہی چارے وغیرہ کا بندوبست فرمایا کیا معلوم کس وقت ہجرت کا حکم ملے تو اونٹنیاں گھر میں موجود ہوں۔

امام بخاریؒ نے باب ہجرۃ النبیؐ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ دن میں ایک بار ضرور ہمارے گھر تشریف لاتے تھے۔ کبھی صبح سویرے اور کبھی شام کے وقت۔ ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دوپہر کے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا تو فرمایا "آج کوئی خاص اور اہم بات ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو فرمایا "سب کو باہر نکال دو ایک راز کی بات کرنا ہے۔" آپؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان یہاں صرف آپ کی دونوں غلام زادیاں عائشہ اور اسماء ہیں اور کوئی نہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدائے بزرگ و برتر نے مجھے ہجرت کا اذن دے دیا ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے بصد ادب گزارش کی "اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی رفاقت کا شرف عطا فرمایئے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکرؓ تم اس سفر ہجرت میں یقیناً میرے رفیق اور ساتھی ہو گے۔" حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ خوشخبری سنی تو آپؓ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک پڑے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "بخدا! مجھے آج کے دن سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ خوشی کے موقع پر بھی کوئی آنسو بہاتا ہے یہاں تک کہ میں نے اس دن حضرت ابوبکرؓ کو روتے ہوئے دیکھا جب سرور کائنات

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ہمراہ لے جانے کی خوشخبری سنائی۔"

اب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اس سفر کیلئے میں نے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کوئی ایک اونٹنی لے لیجیے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اچھا ٹھیک ہے مگر میں ایک اونٹنی قیمت دے کر لوں گا۔" واقدی کے بیان کے مطابق اس وقت اس اونٹنی کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔

مولانا سعید اکبر آبادی پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی لکھتے ہیں کہ حسن معاملہ کی انتہا ہے کہ اس نازک وقت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ جیسے جانثار سے اونٹنی کو مفت قبول کرنے کیلئے تیار نہیں اور ادھر حسن ادب و اطاعت کی حد یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو قیمت لینے میں انکار نہیں۔ ان لمحات میں جلدی جلدی سفر کی تیاری ہونے لگی۔ کافی لمبا سفر تھا۔ اس کیلئے کھانا پکا کر ناشتہ دان (سفرہ) میں رکھا گیا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ناشتہ دان کے منہ پر باندھنے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ کی بڑی صاحب زادی حضرت اسماءؓ نے اپنے نطاق کے دو ٹکڑے کئے اور اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا اسی بناء پر ان کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔ ادھر دارالندوہ کی قرارداد کے مطابق قریش کے مختلف قبائل سے ایک ایک نوجوان نے اکٹھے ہو کر جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے آئے تھے سرشام پہنچ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا قریش زنان خانہ میں گھسنا بہت معیوب سمجھتے تھے اس لئے اس تاک میں تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائیں تو وہ اپنے ناپاک منصوبے پر عمل کریں گے۔ امین اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے لوگوں کی امانتیں تھیں۔ ان کی واپسی کا انتظام بھی ضروری تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں اور رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ یٰسین شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آ۔ کی تلاوت کی (ترجمہ)

"ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے دیوار اور

ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔'' (سورۃ یٰسین:۹)

تو اس لمحے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر پھونک ماری جس سے ان کی بینائی جاتی رہی اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ وہاں سے سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے گھر کا رُخ کیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ تک رہے تھے۔ واقدی اور علامہ ابن خلدون دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے گھر کے عقبی دروازہ سے رات کے وقت نکلے اور دونوں غار ثور کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے روانگی سے قبل اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ دن بھر دشمنان اسلام کی دوڑ دھوپ اور منصوبوں کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور شام کے وقت غار ثور میں آ کر سب حالات سے آگاہ کرے۔ اسی طرح آپؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ کو ہدایت کی کہ دن بھر غار ثور کے گرد و نواح میں بکریاں چرائے اور شام کو انہیں غار کے دھانے پر لے آئے۔ تازہ دودھ دوہ کر اسے گرم کر کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی صاحب زادی اسماءؓ کو حکم دیا کہ روز کھانا پکا کر شام کے وقت غار میں پہنچایا کریں لیکن ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ گھر سے کھانا لاتے تھے۔

صراط مستقیم کے دونوں دوست اور مسافر مکہ کی خم دار گلیوں سے ہوتے ہوئے غار ثور کی جانب عازم سفر ہوئے تو شہر سے باہر نکل کر ہادیٔ انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر مکہ شہر پر اک نگاہ التفات ڈالی اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے ان یادگار کلمات سے مکہ کو الوداع کیا۔ ''بخدا! اے مکہ کی سرزمین تو مجھے اللہ کی ساری زمینوں سے زیادہ محبوب ہے اور بے شک اللہ کی تمام زمینوں سے اللہ کو زیادہ پیار ہے اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھ سے نہ نکلتا۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ چلتے چلتے کبھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل جاتے کبھی پیچھے چلے جاتے کبھی دائیں جانب ہو جاتے کبھی بائیں جانب۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''اے ابوبکرؓ یہ کیا ماجرا ہے؟'' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا:

Marfat.com

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ کہیں دشمن پیچھے سے تعاقب میں آ رہے ہوں تو پیچھے چلا جاتا ہوں پھر خیال آتا ہے کہ وہ لوگ کسی جگہ گھات نہ لگائے بیٹھے ہوں تو بھاگ کر آگے ہو جاتا ہوں۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں چلا جاتا ہوں تا کہ دشمن کسی بھی سمت سے حملہ آور ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غلام ان کے اچانک حملے کا آسانی سے دفاع کر چکے تا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ جہاں راستہ دشوار اور کٹھن ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے جگری دوست ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے (دلائل النبوۃ) چلتے چلتے جب دونوں دوست غار ثور کے دھانے تک پہنچے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے گزارش کی: ''میں اس خدا کا واسطہ دے کر کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا عرض کرتا ہوں کہ آپؐ غار کے اندر ابھی تشریف نہ لے جائیے۔ پہلے میں داخل ہوں گا۔ اگر وہاں کوئی موذی چیز ہو تو وہ پہلے مجھے اذیت پہنچائے۔'' (سیرۃ الرسول، الشیخ محمد بن عبدالوہاب) بعد ازاں حضرت ابوبکر صدیقؓ غار ثور کے اندر تشریف لے گئے۔ تاریک غار کے اندر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا تاہم آپؓ نے پہلے جھاڑو دیا پھر غار کے چپہ چپہ کو ہاتھوں سے ٹٹولا۔ جہاں کوئی سوراخ محسوس ہوا اسے اپنی چادر کے ٹکڑے کر کے بند کیا۔ بالآخر چادر ختم ہو گئی لیکن ایک سوراخ ابھی باقی رہ گیا تھا۔ آپؓ نے دل میں خیال کیا کہ ایک سوراخ پر تو ایڑھی رکھ کر بھی بند کیا جا سکتا ہے۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اندر تشریف لے آیئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکرؓ کے زانو مبارک پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اتنے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آ گئی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ جس سوراخ کو حضرت ابوبکرؓ نے ایڑھی رکھ کر بند کیا ہوا تھا وہاں آپؓ کو ایک سانپ نے ڈس لیا۔ آپؓ کو از حد تکلیف ہوئی۔ زہر سارے جسم میں پھیلنا شروع ہو گیا مگر آپؓ نے اف تک نہ کی مبادا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل جائے اور وہ ہادیٔ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی آغوش میں لیٹنے کی سعادت سے محروم ہو جائیں تاہم آپؓ کی آنکھوں سے درد اور تکلیف سے آنسو ٹپک پڑے اور رخسار رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر گرے تو

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت فرمائی تو حضرت ابوبکرؓ نے بتا دی۔ اس پر حکیم دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپ کے ڈسنے والی جگہ پر اپنا لعاب دہن لگایا تو تمام درد اور تکلیف جاتی رہی۔ (السیرۃ النبویہ، علامہ زینی دحلان)۔

اہل مکہ دونوں ساتھیوں کو ڈھونڈتے ہوئے ایک ماہر کھوجی کے ہمرکاب پاؤں کے نشانات دیکھتے ہوئے غار ثور کے دہانے تک آ پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ پریشان ہو گئے مبادا سرور کائنات کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکرؓ! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہو۔'' اور یہی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی تھی جو ان دونوں کے ہمرکاب تھی۔ رب قدیر نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسے حالات بھی پیدا کر دیئے تھے کہ جو کافر بھی غار کے دہانہ تک پہنچتا الٹے پاؤں واپس چلا جاتا۔ وہ اس لئے کہ غار کے دہانے کے قریب ایک خاردار درخت اُگ آیا۔ پیر کرم شاہ الازہری کی تحقیق کے مطابق اہل عرب اس درخت کو ''ام غیلان'' کہتے ہیں۔ اس کی بلندی انسانی قد کے برابر ہوتی ہے اور اس کی شاخیں بڑی گنجان اور خاردار ہوتی ہیں۔ اس درخت کی موجودگی میں کسی شخص کا غار کے اندر داخل ہونا خارج از امکان تھا۔ مزید یہ کہ غار کے دہانے کے قریب جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے گھونسلہ بنا لیا بلکہ وہاں کبوتری نے انڈے بھی دے دیئے اور ان انڈوں پر بیٹھ بھی گئی۔ شرح مواہب اللدنیہ، میں علامہ زرقانی کا بیان ہے کہ ''حرم کعبہ میں کبوتر ہیں وہ ان کبوتروں کے جوڑے کی نسل سے ہیں جنہوں نے غار ثور کے دہانے پر گھونسلہ بنا کر دشمنانِ اسلام کو دھوکہ دیا تھا اور سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی امان کا سبب بنے تھے۔ اس خدمت کا صلہ انہیں یہ دیا گیا کہ انہیں حرم شریف میں پناہ ملی ہوئی ہے۔ اسی لئے لغت عرب میں یہ مثل زبان زد عام و خاص ہے کہ فلاں شخص کو حرم کے کبوتروں سے بھی زیادہ امن و امان میسر ہے۔''

اسی اثنا میں غار ثور کے منہ پر عنکبوت یعنی مکڑی نے اپنی کمال مہارت اور بے پایاں نفاست سے ایسا گھنا جالا تن دیا کہ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ برسوں

Marfat.com

پہلے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیہ بن خلف جیسا دشمن جب غار کے دہانے پر پہنچا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا ''غار کے اندر جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے دروازے پر ایک مکڑی کا جالا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بھی پہلے کا تنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔''

تاہم جب دشمنان اسلام کی مختلف ٹولیاں غار ثور کے قریب پہنچتیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے دوست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اقدس کو خطرے میں دیکھ کر بے چین سے ہو جاتے اور عرض کرتے ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اگر ان بدبختوں نے جھک کر اندر جھانکا تو یہ ہمیں دیکھ لیں گے۔''

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ''اے ابوبکرؓ! حزن و ملال مت کر۔ رب رحمٰن و رحیم کی ذات ہمارے ساتھ ہے۔'' ان لمحات میں رب کریم نے اپنے دونوں بندوں پر اطمینان قلب اور تسکین روح کی ایسی کیفیت نازل فرمائی کہ انہوں نے مسلسل تین روز تک وہاں قیام فرمایا۔ تاہم جب یہ دونوں دوست مکہ سے غار ثور کی جانب رات گئے روانہ ہوئے تھے اور صبح دم دشمنانِ اسلام کو یہ علم ہوا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر حضرت علیؓ سوئے ہوئے تھے تو روسا قریش کا ایک گروہ ابوجہل کی قیادت میں غصہ کے عالم میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچا اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ باہر تشریف لائیں تو دشمنانِ اسلام نے دریافت کیا ''اے ابوبکر کی بیٹی! تیرا باپ کہاں ہے؟'' حضرت اسماءؓ کے اس جواب پر کہ انہیں یہ خبر نہیں کہ ان کے والد کہاں ہیں ابوجہل غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے ایک زوردار طمانچہ حضرت اسماءؓ کے چہرے پر رسید کیا جس سے انہیں نہ صرف سخت تکلیف پہنچی بلکہ ان کے کان کا آویزہ ٹوٹ کر نیچے آ گرا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ایثار و قربانی کی بے شمار مثالوں میں سے یہ بھی ایک ایسی مثال ہے کہ جس کی نظیر دنیائے عالم میں نہیں ملتی۔ الغرض غار ثور میں تین روز قیام کے بعد منصوبے کے مطابق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار سے باہر تشریف لے آئے اور عازم شہر مدینہ ہوئے۔ آپ دونوں کے ہمراہ عامر بن فہیرہ (چرواہا) اور عبداللہ بن اریقط تھا جسے بطور راہبر مقرر کیا گیا تھا۔ راستے میں اگر کوئی آدمی

ملتا اور حضرت صدیق اکبرؓ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے پوچھتا کہ یہ کون صاحب ہیں تو آپؓ جواب میں فرماتے "یہ میرے رہنما ہیں اور مجھے راستہ بتانے والے ہیں۔"

یہ بابرکت اور بے مثال قافلہ کٹھن پہاڑی راستوں سے گزرتا ہوا اپنی منزل کی جانب پورا دن، آنے والی مکمل رات اور دوسرے دن دوپہر تک مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے یہ طے کیا کہ اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے آرام کا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے۔ آپؓ نے چاروں طرف دیکھا تو کوئی سایہ دار درخت نظر نہ آیا البتہ ایک ایسی چٹان دکھائی دی جو سایہ دار تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے وہاں جھاڑو دے کر زمین پر ایک چادر بچھا دی اور درخواست پذیر ہوئے۔ "یارسول اللہ! آپؐ پر میرے ماں باپ قربان تشریف لے آیئے اور تھوڑی دیر آرام فرما لیجیے۔" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے۔

اب حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھنے کیلئے کہ کہیں کوئی دشمن ان کے تعاقب میں تو نہیں آ رہا چٹان پر چڑھ گئے اور دُور تک نگاہ دوڑائی۔ یکا یک آپؓ نے دیکھا کہ ایک چرواہا چلچلاتی دھوپ سے بچنے کیلئے سایہ کی تلاش میں اپنی بکریوں کو اسی چٹان کی طرف ہانکے چلا آ رہا ہے۔ جب وہ قدرے قریب آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس سے پوچھا "تم کون ہو اور یثرب کس کا ہے؟" اس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا جسے حضرت ابوبکرؓ پہچانتے تھے اور بتایا کہ "میں اس کا نوکر ہوں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اس چرواہے سے پوچھا "کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟" اس نے جواب دیا "جی ہاں"۔ آپؓ نے پھر دریافت فرمایا "کیا تو ہمارے لئے دودھ دوہ دے گا؟" اس نے کہا "جی ہاں"۔ چرواہے نے حضرت ابوبکرؓ کی فرمائش پر دودھ دوہنے کے لئے ایک بکری کو اپنے قابو میں کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے از راہ نفاست پسندی و حب نبویؐ اس سے کہا "پہلے ان تھنوں کو غبار اور گرد سے صاف کر لو۔ پھر اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے پر مار کر ان کو بھی جھاڑ لو۔" اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ابوبکرؓ خاص طور پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چمڑے کا ایک برتن ساتھ لائے تھے۔ آپؓ نے

Marfat.com

وہ برتن چرواہے کو دیا لیکن اس سے پہلے آپؐ نے اس برتن کے منہ پر ایک کپڑا رکھ دیا تاکہ دودھ چھن کر برتن میں جائے۔

جب چرواہا دودھ دوہ چکا تو آپؐ اس دودھ کو لے کر محبوب رب العالمین صلی اللہُ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر سو کر بیدار ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انتہائی ادب سے عرض کی ''یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں تازہ خوش ذائقہ دودھ آپؐ کیلئے لایا ہوں نوش فرما لیجیے۔'' رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی درخواست قبول فرمائی اور دودھ نوش فرمایا تو آپؐ بہت خوش ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''یا رسول اللہ! چلنے کا وقت ہو گیا ہے'' رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہت بہتر''۔ چنانچہ دونوں یار غار رب رحمٰن و رحیم کی حفاظت میں اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ (ابن کثیر)

راستے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا گزر ایک خیمہ کے پاس سے ہوا۔ خیمہ کے باہر ایک باوقار خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ اِس کا تعلق بنی خزاء کے قبیلہ سے تھا۔ اس کا نام عاتکہ بنت خلف بن معبد بن ربیعہ تھا اور ام معبد کی کنیت سے مشہور تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خاتون سے پوچھا ''کیا تمہارے پاس گوشت اور کھجوریں برائے فروخت ہیں؟'' اس نے کہا ''اگر ہمارے پاس کھانے کو کچھ ہوتا تو ہم آپ کی مہمانداری میں کوئی کوتاہی نہ کرتے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ طویل خشک سالی نے ہمارے علاقہ کو قحط زدہ کر دیا ہے۔ اس لئے یہاں کھانے کو بہت کم میسر آتا ہے۔'' اس موقع پر ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ام معبد کے خیمے کے ایک کونے میں کھڑی ایک بکری پر پڑی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟'' اس نے عرض کیا ''یہ وہ لاغر بکری ہے جو اپنی کمزوری کے باعث ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی۔ اس لئے یہاں کھڑی ہے۔'' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد سے پوچھا ''کیا اس کی کھیری میں کچھ دودھ ہے؟'' اس نے عرض کیا ''یہ کمزور اور لاغر ہے۔ اس میں دودھ کہاں سے آئے گا!'' آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ''اے ام معبد! کیا تم مجھے اس بات کی اجازت دیتی ہو کہ میں اس بکری کا دودھ دوہ لوں؟'' اس نے کہا ''اگر اس میں دودھ ہے تو بڑی خوشی سے دوہ لیجیے مجھے اس میں کیا اعتراض ہوسکتا ہے!''

ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کائنات کا نام لے کر اس کی کھیری پر ہاتھ پھیرا تو فوراً دودھ اُتر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن منگوا کر دودھ دوہنا شروع کر دیا حتیٰ کہ برتن بھر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو دودھ پلانے کے بعد خود دودھ پیا اور پھر اپنے ساتھی حضرت ابوبکرؓ کے ہمرکاب اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

ادھر کفار مکہ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تلاش میں ناکامی کے بعد عام اعلان کر دیا کہ جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ میں سے کسی ایک کو زندہ یا مردہ حالت میں ان کے سامنے پیش کرے گا اسے فی کس ایک سو اونٹ (بعض روایتوں کے مطابق ایک سو اونٹنیاں) بطور انعام دیئے جائیں گے۔ عرب کے غریب اور نادار لوگوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا انعام تھا لہٰذا بہت سے لوگ انعام کے لالچ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی تلاش میں چاروں طرف بکھر گئے۔

قبیلہ بنو مدلج کا سراقہ بن مالک جعشمی نامی ماہر شمشیر زن اور تیر افگن نوجوان بھی اس مہم میں نکلا اس وقت وہ حالت کفر میں تھا۔ وہ بیان کرتا ہے ''میں اپنی قوم کی ایک محفل میں موجود تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لانے کے لئے انعام کا اعلان کیا گیا۔ اسی دوران ایک میرا دوست میرے پاس آیا اور اس نے مجھے رازدارانہ لہجے میں کہا ''اے سراقہ بن مالک! میں نے ابھی ابھی شتر سواروں کی پرچھائیں دیکھی ہیں جو ساحل سمندر کی جانب جا رہے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کیلئے فی کس سو اونٹ انعام رکھا گیا ہے۔''

اگرچہ میں جان گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی تلاش جاری ہے تاہم میں نے اپنے دوست کو چپکے سے اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے بلکہ میں نے اسے یہاں تک کہہ دیا کہ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔ وہ میرے سامنے تھوڑی دیر ہوئے روانہ ہوئے ہیں۔

Marfat.com

شاید ان کا کوئی اونٹ گم ہو گیا ہے جس کی تلاش میں وہ نکلے ہیں۔ میں کچھ دیر اس محفل میں بے تعلق بیٹھا رہا تا کہ کسی کو شک نہ گزرے کہ میں بھی مطلوبہ اشخاص کو پکڑنے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد میں چپکے سے وہاں سے اٹھ کر گھر پہنچا اور گھر کے عقبی دروازے سے گھوڑے پر سوار ہو کر اسی سمت چل پڑا جس طرف کا میرے دوست نے مجھے بتایا تھا۔ جلد ہی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! سراقہ بن مالک سو اونٹوں کے لالچ میں ہمیں پکڑنے آ پہنچا ہے۔" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے ابوبکرؓ! تم اس سے کچھ نہ کہنا۔ خدا سب سے بڑا محافظ ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا تھا کہ میرے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور میں چکرا کر زمین پر گرا۔ میں فوراً سنبھل کر اٹھا اور عرب کے دستور کے مطابق اپنے ترکش سے فال کے تیر نکالے۔ میرے ترکش میں تین قسم کے تیر تھے۔ ایک تیر پر لکھا تھا امرنی ربی یعنی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ دوسرے تیر پر لکھا تھا نھانی ربی یعنی میرے رب نے مجھے منع کیا ہے۔ ان کے علاوہ خالی تیر تھے۔ اگر پہلا تیر نکلتا تو ہم وہ کام ضرور کرتے۔ اگر دوسرا تیر نکلتا تو اس کام سے رُک جاتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو پھر دوبارہ سے فال نکالتے۔ اتفاق سے میرا دوسرا تیر نکلا لیکن انعام کے لالچ نے مجھے اندھا کر رکھا تھا۔ میں آگے بڑھا اور اس پتھریلی زمین میں بھی میرے گھوڑے کی ٹانگیں گھٹنوں تک دھنس گئیں۔ میں نے پھر فال کا تیر نکالا تو اب کی بار بھی دوسرا تیر ہی نکلا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کلام الٰہی کی تلاوت فرما رہے تھے اور انتہائی سکون اور طمانیت کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے لیکن میری طرف متوجہ نہیں تھے البتہ حضرت ابوبکرؓ بار بار میری طرف دیکھتے تھے۔ آخر کار مجھے یقین ہو گیا کہ میں انہیں گرفتار نہیں کر سکوں گا۔ اب میں نے انتہائی لجاجت اور ندامت کے ساتھ عرض کی "مہربانی فرما کر مجھ پر نظر کرم کریں، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا اور نہ آپ میری طرف سے کوئی ایسی بات سنیں گے جسے آپ لوگ پسند نہیں کرتے۔"

Marfat.com

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فرمایا اس سے پوچھو یہ کیا چاہتا ہے۔" میں نے عرض کی "میں زاد راہ اور سواری پیش کرتا ہوں۔ از راہ صد لطف و کرم انہیں قبول فرمایئے" لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دونوں نے بیک زبان میری اس پیش کش کو قبول نہیں فرمایا۔ تاہم اتنا کہا "ہمارا راز فاش نہ کرنا۔"

میں نے پھر عرض کی "مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجیے جس میں یہ تحریر ہو کہ آپؐ نے میرا جرم معاف فرما دیا ہے۔" خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امان نامہ لکھ کر دینے کی ہدایت فرمائی تو حضرت ابوبکرؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر میری خواہش کے عین مطابق مجھے امان نامہ لکھ کر دے دیا۔ اب میں واپس آ گیا اور اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کیا"۔ (سبل الہدیٰ)

حضرت سراقہ بن مالکؓ کی طرح حضرت بریدہ بن حصیب الاسلمی بھی اپنا قصہ سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ "جب میں نے سنا کہ قریش نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو گرفتار کرنے کے عوض فی کس ایک سو اونٹوں کا اعلان کیا ہے تو میں اتنے بڑے انعام کے لالچ میں دونوں حضرات کو گرفتار کرنے کا ارادہ لے کر روانہ ہوا۔ میرے ہمرکاب میری قوم کے ستر (70) شہسوار بھی تھے۔ اتفاق سے میری ملاقات دوران تلاش آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ سے ہو گئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "تم کون ہو؟" میں نے عرض کیا "میرا نام بریدہ ہے"۔ یہ سن کر ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے ابوبکر! تیش ٹھنڈی ہو گئی ہے اور حالات درست ہو گئے ہیں۔" سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا "تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟" میں نے عرض کیا "میں قبیلہ بنی اسلم سے تعلق رکھتا ہوں"۔ یہ سن کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم محفوظ ہو گئے۔" ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا "تمہارا تعلق قبیلہ بنی اسلم کی کون سی شاخ سے ہے؟" میں نے عرض کیا "میں خاندان بنی سہم سے ہوں"۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "اے ابوبکر! تیرا تیر نکل آیا ہے۔" جب

Marfat.com

میں نے رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "آپ کون ہیں؟" تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں محمد بن عبداللہ ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔" یہ سنتے ہی بجائے اس کے کہ میں ان دونوں حضرات کو گرفتار کرتا میری کایا ہی پلٹ گئی اور میں نے بڑی بے تابی سے کلمہ شہادت پڑھا اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ میرے ساتھ میرے تمام ساتھی بھی اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر خدا کی وحدانیت اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ ("محمد رسول اللہ" - ابراہیم العرجون)

غار ثور سے نکل کر راستے کی مختلف تکالیف اور مشکلات برداشت کرتے ہوئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مدینہ طیبہ کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی قباء میں پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عمروں میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس لئے دونوں ہم عمر لگتے تھے۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے اکثر نے ہادیٔ کون و مکاں کو پہلے دیکھا ہوا نہیں تھا۔ اس لئے پہچاننے میں دقت ہو رہی تھی حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کی اس پریشانی کو بھانپ لیا۔ آپؓ نے اُٹھ کر سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی چادر تان کر سایہ کر دیا۔ اس سے سب لوگوں کو علم ہو گیا کہ محبوب رب العالمین کون ہیں اور محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کون! (سبل الہدیٰ)۔

قباء میں تقریباً دو ہفتہ قیام کے بعد سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ابوایوب انصاری کو شرف میزبانی بخشا جبکہ حضرت ابوبکرؓ نے شہر کے نواح میں السخ نامی ایک بستی میں خارجہ بن زید بن ابی زہیر کے ہاں قیام فرمایا۔ خارجہ بن زید قبیلہ خزرج کی شاخ بنو حارث سے تعلق رکھتے تھے۔ جب رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین سلسلہ مواخات قائم فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ اور خارجہ کو بھائی بھائی بنایا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال مکہ سے مدینہ پہنچ گئے تو انہوں نے ان سے مل کر روزی کے وسائل تلاش کرنا شروع کر دیئے۔ (مقدمہ فتح الباری)

حضرت ابوبکرؓ کے خارجہ بن زید سے تعلقات اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے

اپنی بیٹی حبیبہ کو حضرت ابوبکرؓ کے عقد میں دے دیا اور یوں حضرت ابوبکرؓ اپنی نئی بیوی کے ساتھ وہاں ایک مستقل مکان میں رہنے لگے۔ حبیبہؓ کے بطن سے ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے اہل وعیال آپؐ کے ساتھ مقام السنح میں خارجہ بن زید کے ہاں نہیں ٹھہرے تھے بلکہ آپؓ کی بیوی ام رومان، آپؓ کی بیٹی حضرت عائشہ، آپؓ کے بیٹے عبداللہ، آپؓ کی دوسری صاحبزادی حضرت اسماء اور باقی اہل خانہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان کے قریب رہائش پذیر تھے۔ حضرت ابوبکرؓ السنح سے روزانہ وہاں آیا کرتے تھے البتہ آپؓ کا مستقل قیام اپنی نئی بیوی کے ساتھ السنح میں ہی تھا۔ (طبقات ابن سعد)۔

مدینہ پہنچنے کے چند دن بعد ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ شدید بخار میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے والد حضرت ابوبکرؓ کی مزاج پرسی کرنے آئیں تو آپؓ نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ ہے ''ہر شخص اپنے بال بچوں میں داد عیش وطرب دیتا ہے حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' حضرت عائشہؓ نے جب اپنے والد محترم کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے تو گھبرا گئیں اور فوراً وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماجرا بیان کیا۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائی۔ ''اے اللہ! تو مدینہ کو بھی ہمارے لئے ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا کہ مکہ تھا اس سے بھی زیادہ یہاں کی آب وہوا کو صحت بخش کر دے اور بخار کو یہاں سے منتقل فرما۔'' (بخاری)

انہی دنوں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو بھی بخار ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ از حد پریشان ہو گئے۔ گھر میں آتے بیمار بیٹی کو پیار کرتے اور پوچھتے ''بیٹا تم اب کیسی ہو؟'' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عائشہؓ کے علاوہ اور مہاجرین کو بھی مدینہ کی آب وہوا راس نہ آئی تھی تاہم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ آج بھی مدینہ طیبہ پورے حجاز میں آب وہوا کے لحاظ سے اعلیٰ ترین جگہ ہے۔

مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ضروری تھا کہ ایک مسجد تعمیر کی جاتی۔ اس مقصد کیلئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعہ زمین منتخب فرمایا وہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت

Marfat.com

تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمین کے ٹکڑے کے بارے میں معلوم کیا تو دونوں یتیم بچوں نے کہا "یا رسول اللہ! یہ آپ کی نظر ہے۔ ہم اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیں گے۔" لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بطور نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آخر قیمتاً اس کو خرید کر لیا۔ اس زمین کے ٹکڑے کی قیمت ادا کرنے کی سعادت بھی حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں آئی۔ جب تعمیر شروع ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب اس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (فتح الباری)۔

مدینہ پہنچنے پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنی لخت جگر حضرت عائشہؓ (جن کا نکاح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی ہو چکا تھا) کی رخصتی کی درخواست خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائی تو آپؐ نے جواباً کہا "میرے پاس مہر ادا کرنے کیلئے رقم تو ہے نہیں!" حضرت ابوبکرؓ نے فوری طور پر مہر کی رقم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دی اور یوں حضرت عائشہ حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں۔ (مستدرک حاکم)

مدینہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے مابین ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت مسلمانوں اور یہودیوں کو اپنے اپنے دین کی تبلیغ و اشاعت اور اپنے اپنے رسوم و رواج پر عمل کرنے کی آزادی تھی یہود کا شروع میں یہ خیال تھا کہ وہ مسلمان مہاجرین کو اپنے ڈھب پر لا کر انہیں مدینہ کے قبائل اوس اور خزرج کے خلاف استعمال کر سکیں گے لیکن چند ہی دنوں میں انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ انکی خام خیالی تھی بلکہ اہل مدینہ اور مہاجرین میں ایسا مضبوط تعلق قائم ہو چکا ہے کہ جس کا توڑنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ جب یہود نے یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے اپنی پہلی روش بدل کر مسلمانوں کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ نہایت نرم مزاج اور حلیم طبیعت کے مالک تھے مگر جب وہ یہود اور منافقین کی زبانوں سے دین اسلام کے متعلق تمسخر آمیز باتیں سنتے تو ان کے غصے کی انتہا نہ رہتی تھی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ چند یہودی اپنے ایک عالم فخاص کے گھر پر جمع ہوئے۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ بھی اس طرف آ نکلے۔ آپؓ نے یہودیوں کے اجتماع کو غنیمت جانتے ہوئے انہیں دین اسلام کی

تبلیغ شروع کر دی۔ آپؓ نے یہودی عالم فخاص سے فرمایا۔

"اے فخاص! ایک اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو۔ تم یہ بخوبی جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اس کی جانب سے تمہارے پاس وہ دین حق لے کر آئے ہیں جسے تم توریت میں لکھا ہوا بھی پاتے ہو۔" جیسے ہی یہودی عالم فخاص نے حضرت ابوبکرؓ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے تو اس کے لبوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ پیدا ہوئی اور وہ کہنے لگا "اے ابوبکرؓ! ہمیں خدا سے کسی چیز کی حاجت نہیں، خود اسے ہماری حاجت ہے۔ ہم اس کی طرف نہیں جھکے بلکہ وہ ہماری طرف جھکا ہے۔ ہم اس کی مدد سے بے پروا ہیں لیکن وہ ہماری امداد سے مستغنی نہیں۔ اگر وہ ہماری امداد سے مستغنی ہوتا تو کبھی ہمارے مال سے ہم سے بطور قرض نہ مانگتا۔ اللہ تمہیں سود لینے سے منع کرتا ہے لیکن خود ہمیں سود دیتا ہے۔"

اس ناپاک گفتگو سے فخاص کا مقصد دراصل اس آیت پر چوٹ کرنا تھا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کون ہے جو اللہ کو قرض دے۔ اس کے بدلے میں اللہ اس کے مال کو کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فخاص کو اللہ تعالیٰ کے قول اور اس وحی کا مذاق اڑاتے دیکھا تو آپؓ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور فخاص کو اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"اے اللہ کے دشمن! اگر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو رب کائنات کی قسم میں تیری گردن اڑا دیتا۔" (محمد حسین ہیکل)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے حلیم الطبع اور بردبار انسان کا غصہ اس وقت بھڑکتا تھا جب عقیدے اور ایمان کا سوال پیدا ہوتا تھا۔ جب سے حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر کے دین اسلام میں داخل ہوئے تھے اسی وقت سے ایمان صادق ان کی رگ رگ میں رچ بس گیا تھا۔ خاندان، خواہشات غرض دنیا کی ہر چیز آپؓ کی نظر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف تھی اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں اپنے اس جذبے سے ایک ملی میٹر بھی پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

Marfat.com

مدینہ پہنچ کر وہ وقت آ گیا تھا جب اسلام کی پہلی ریاست قائم ہو رہی تھی۔ اس ریاست کے قیام اور بقاء کے لئے مسلمانوں کو دشمنوں سے جنگ کرنا تھی۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ تمام معاملات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست تھے اس بناء پر اب موقع تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے دوسرے اوصاف و کمالات یعنی اصابت رائے، حسن تدبیر، دُوراندیشی اور حسب حال حکمت عملی بھی بروئے کار آئیں۔ چنانچہ ہجرت مدینہ کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک جتنے غزوات ہوئے، مہمیں پیش آئیں یا اہم معاملات سامنے آئے ان سب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے ہادی اور آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لمحہ برابر شریک رہے۔ اگرچہ مختلف مقامات پر حیثیتیں مختلف تھیں مثلاً میدان جنگ میں حضرت ابوبکرؓ نہایت دلیر سپاہی نظر آتے ہیں اور مشورہ کے وقت ایک اعلیٰ پائے کے مشیر اور وزیر با تدبیر جبکہ ناموافق حالات میں پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط اور سازگار حالات میں انتہائی حلیم اور بردبار۔ یہی اعلیٰ وارفع اوصاف و کمالات ہیں جن کے باعث مسٹر ڈبلیو منٹگمری واٹ کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکرؓ جہاں ایک قابل فخر مطیع و فرمانبردار تھے وہاں ایک اعلیٰ پائے کے قائد اور منتظم بھی تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)۔

تاریخ اسلام کے پہلے بڑے غزوہ یعنی غزوہ بدر میں سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجاہدین کی صف بندی کرنے کے بعد اپنے لئے مخصوص چھپر میں تشریف لے آئے تو آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں تھا۔ صحیح مسلم میں ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں مشرکوں کی کثرت کو دیکھا تو قبلہ رُخ ہو کر اپنے ہاتھ اٹھائے اور رب تعالیٰ سے دعا کرنے لگے "الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما اے رب العالمین! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک دعاؤں میں مصروف رہے حتیٰ کہ آپؐ کے کندھوں سے چادر گر گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کے کندھوں پر چادر ڈالی اور فرمایا "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! آپؐ کی رب کریم و رحیم سے بہت دعا

Marfat.com

ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ جلدی پورا کر دے گا۔'' اتنے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی۔ پھر آپ تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا ''اے ابوبکر! خوش ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی مدد آ گئی ہے۔ جبرائیل اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے آ رہے ہیں۔'' پھر آپؐ یہ آیت پڑھتے ہوئے چھپر سے باہر آئے۔ (ترجمہ) ''یہ بھیڑ جلد ہی شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی۔'' (صحیح بخاری)

امام یوسف الصالحی الشامی اپنی کتاب سیرت ''سبل الہدیٰ والرشاد'' میں رقمطراز ہیں کہ ''آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوست ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ پہلے عریش (چھپر) میں اسلام کی فتح و نصرت کیلئے عاجزانہ دعائیں کر کے اس جہاد میں شریک تھے پھر وہاں سے میدان جنگ میں تشریف لائے پہلے مسلمانوں کو جہاد کیلئے ترغیب دلائی پھر دونوں صاحبان اپنی تلواروں سے کفار سے نبرد آزما ہو گئے۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکرؓ نے دونوں سعادتیں جمع کر لیں۔''

حجۃ الوداع سے واپسی پر مدینہ طیبہ میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا..... ''اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دنیا میں اور اس چیز میں جو اللہ کے پاس ہے اختیار دیا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لے۔ اس بندہ نے قرب خداوندی کو پسند کر لیا۔'' حضرت ابوبکرؓ نے جیسے ہی شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے تو زار و قطار رونے لگے۔ صحابہ کرامؓ کو سخت حیرت ہوئی کہ اس میں رونے کی کیا بات تھی؟ لیکن حضرت ابوبکرؓ جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کلمے، ہر لفظ، ہر حرف اور ہر اشارے کو بخوبی سمجھتے تھے فوراً سمجھ گئے کہ یہ بندہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کی دنیا سے رحلت کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ (صحیح بخاری)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ میں مذکورہ ارشاد کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپؐ علیل ہو گئے۔ جب شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت نے بشدت اختیار کر لی تو آپؐ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس ضمن میں

Marfat.com

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بیمار ہوئے تو حضرت بلالؓ نماز کی امامت کیلئے عرض کرنے آئے۔ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ میں نے کہا: ابوبکرؓ بہت رقیق القلب انسان ہیں۔ جب وہ آپؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ضبط نہ کر سکیں گے اور اس طرح لوگوں کی نماز میں حرج پڑے گا۔ اگر آپؐ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں تو بہتر ہو گا۔ آپؐ نے یہ سن کر پھر فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس پر میں نے حضرت حفصہؓ سے کہا ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ وہ ابوبکرؓ کی جگہ حضرت عمرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں چنانچہ حضرت حفصہؓ نے جا کر یہی بات آپؐ سے کہہ دی۔ اس پر بھی آپؐ نے فرمایا ''ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ (صحیح بخاری، محمد حسین ہیکل)

ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے مطابق حضرت ابوبکرؓ تین دن تک نماز پڑھاتے رہے آخر ایک دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ محسوس فرمایا تو حجرہ سے باہر نکل کر تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کر چکے تھے۔ آپؐ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر کے پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور خود حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اب حضرت ابوبکرؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دوسرے نمازی حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء کر رہے تھے۔ (ابن سعد)

ایک روز حسب معمول حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھے ہی تھے کہ دفعتاً حجرۂ نبوی کا پردہ اٹھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور نمودار ہوا۔ جانثارانِ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے اچھل پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ کی نظر پڑی تو آپؓ پیچھے ہٹنے لگے۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا جس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھانا شروع کر دی دراصل سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لانا چاہتے تھے مگر علالت کے باعث ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اس لئے پھر واپس اندر چلے گئے اور پردہ گرا لیا۔

حضرت ابوبکرؓ نماز سے فراغت کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں

Marfat.com

تشریف لے گئے چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قدرے افاقہ محسوس فرما رہے تھے اور درد کی شدت بھی کم تھی اس لئے حضرت ابوبکرؓ اپنے اہلخانہ سے ملنے مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک چھوٹی سی بستی السخ تشریف لے گئے جہاں آپؓ کے اہلخانہ رہائش پذیر تھے۔ یہ بارہ ربیع الاوّل 11 ہجری کا دن تھا۔ چاشت کے وقت سانحہ ارتحال پیش آیا۔ ایک صحابیؓ سالم بن عبیدؓ دوڑتے ہوئے گئے اور جا کر اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع دی۔ حضرت ابوبکرؓ فوراً واپس تشریف لے آئے۔

جب حضرت ابوبکرؓ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کی حالت غیر ہے۔ حضرت عمرؓ خاص طور پر بہت زیادہ پریشان ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ حجرہ مبارک میں حاضر ہوئے جہاں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر رکھا ہوا تھا۔ آپؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی اور جبین پُرنور پر بوسہ دیا۔ پھر سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرمایا..... ”میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! آپؐ زندی میں بھی پاک و صاف رہے اور اب وصال کے وقت بھی پاک و صاف ہیں۔ اس مالک حیات وممات کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز وہ اموات نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ نے آپؐ کیلئے مقدر کی تھی وہ تو آپؐ کو آ ہی گئی۔“

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ مسجد میں تشریف لائے تو یہاں ایک کہرام برپا تھا۔ ہر شخص غم سے نڈھال تھا کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ تلوار لیکر مسجد میں کھڑے ہو گئے اور کہنا شروع کیا ”جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ علیہ اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دونگا۔ آپؐ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب کے حضور تشریف لے گئے ہیں۔ اسی طرح جیسے موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے اور چالیس رات غیر حاضر رہنے کے بعد واپس اپنی قوم میں آ گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً واپس آئیں گے اور منافقین کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔“

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سنے تو آپؓ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا: اے لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا تھا اسے معلوم

Marfat.com

ہونا چاہیے کہ محمدؐ فوت ہو گئے لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ یقیناً زندہ ہے اور اس پر کبھی موت وارد نہیں ہو گی۔'' اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے قرآن الحکیم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی ''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ اگر محمدؐ وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کو لوٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو ذرا سا بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور عنقریب اللہ شکر گزار بندوں کو نیک بدلہ دے گا۔'' (سورۃ آل عمران: 144)

لوگوں نے یہ آیت سنی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہ آیت بھولے ہوئے تھے۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت تلاوت کی تو ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور یہ اس قدر موثر اور دلنشین ثابت ہوئی کہ پھر ہر شخص اس کا ورد کرنے گا۔ (امام بخاری)

حضرت عمرؓ نے بھی جب یہ آیت مبارکہ سنی تو انہیں بھی بالآخر یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے جو تقریر اس موقع پر کی اور جو حسب حال قرآن پاک کی آیت کی تلاوت فرمائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ میں مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی کس قدر ہمت اور قوت تھی۔ آپؓ نے اپنے جان سے زیادہ عزیز دوست حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال جیسے جانگداز صدمے کے موقع پر بھی اپنے ہوش و حواش قابو میں رکھے۔

جب حضرت عمرؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کا کامل یقین ہو گیا تو آپؓ نے دل ہی دل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے بارے سوچنا شروع کر دیا۔ تاہم آپؓ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی کہ انصار پہلے ہی اس معاملے پر غور و فکر میں مصروف ہیں اور ایک اجتماع منعقد کئے ہوئے ہیں جہاں وہ اپنے میں سے کسی شخص کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔

ابن سعد طبقات میں رقمطراز ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کے پاس آئے اور کہا ''اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں آپؓ کی بیعت کروں کیونکہ رسولؐ اللہ کی

Marfat.com

زبان مبارک سے آپؓ کو ''امین الامت'' کا لقب مل چکا ہے۔'' حضرت ابو عبیدہؓ نے جیسے ہی حضرت عمرؓ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے تو فوراً کہا ''کیا تم میری بیعت کرو گے جبکہ ہم میں وہ شخص موجود ہے جسے بارگاہ رب العزت سے ''ثانی اثنین'' اور ''صاحب رسولؐ'' کا خطاب اور رسولؐ اللہ سے ''صدیق'' کا لقب مل چکا ہے۔'' حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ ابھی انہیں باتوں میں مصروف تھے کہ انہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر ملی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو بلا بھیجا۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک میں تھے۔ آپؓ نے حضرت عمرؓ کو جواباً کہلا بھیجا ''میں مشغول ہوں اس وقت باہر نہیں آ سکتا۔''

حضرت عمرؓ نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ فوری طور پر تشریف لائیے کیونکہ ایک ہنگامی صورتحال کا سامنا ہے جس میں آپؓ کی موجودگی از حد ضروری ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ حجرہ عائشہؓ سے باہر تشریف لائے اور حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا ''رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے زیادہ ضروری کام اس وقت اور کونسا ہو سکتا ہے جس کیلئے آپؓ نے مجھے یاد فرمایا ہے!'' حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''اس وقت انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور ارادہ کر رہے ہیں کہ سعد بن عبادہؓ کو خلیفہ بنا دیں جبکہ ایک شخص نے یہ تجویز بھی دی ہے کہ ایک خلیفہ انصار میں سے ہو اور ایک قریش میں سے۔'' حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ صورتحال سنی تو فوراً حضرت عمرؓ کے ہمرکاب سقیفہ بنی ساعدہ کی جانب روانہ ہوئے اس وقت حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح بھی آپ دونوں کے ساتھ تھے۔ چنانچہ یہ تینوں سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے۔ انصار کی گفتگو ابھی جاری تھی اور ابھی تک وہ کسی متفقہ فیصلے پر نہیں پہنچے تھے۔ انصار نے جب ان تینوں حضرات مکرم کو دیکھا تو خاموش ہو گئے جبکہ یہ تینوں انصار کے درمیان بیٹھ گئے۔

جب یہ تینوں بیٹھ گئے تو انصار نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا ''خلافت صرف ہمارا حق ہے اور ہمیں ہی ملنا چاہیے۔'' حضرت عمرؓ کہتے ہیں ''میں نے بعض باتیں سوچ رکھی تھیں جنہیں میں اس اجتماع میں بیان کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب میں تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہونے لگا تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ پہلے انہیں بات کر لینے دو۔ پھر آپ بھی

Marfat.com

گفتگو کر لینا۔'' حضرت عمرؓ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی بزرگی اور آپؓ کی سبقت فی الاسلام کا لحاظ کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ اب حضرت ابوبکرؓ تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ آپؓ نے حمد وثناء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے لائے ہوئے پیغام کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا: ''اے گروہ انصار! آپ وہ لوگ ہیں جن کی دینی فضیلت اور اسلام میں سبقت سے کسی کو انکار نہیں۔ اللہ نے آپ لوگوں کو اپنے دین اور اپنے رسول کا مددگار بنایا۔ رسولؐ خدا نے آپ ہی کی طرف ہجرت کی۔ آپؐ کی اکثر ازواج مطہرات اور بیشتر صحابہ کرامؓ آپ ہی میں سے ہیں۔ مہاجرین اولین کے بعد آپ ہی کا مرتبہ ہے تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''الائمة من القریش ..... امام قریش میں سے ہوں گے''۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر عمل کیا جائے گا۔ قریش میں سے امیر ہوگا اور انصار میں سے وزیر۔ تمہارے مشورے قریش کے لئے ضروری اور قیمتی ہوں گے۔ نہ تمہارے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ کیا جائے گا اور نہ تمہیں شریک کئے بغیر کوئی کام سرانجام دیا جائے گا۔''

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ''اللہ کی قسم! جو باتیں میں نے اپنے دل میں سوچ رکھی تھیں حضرت ابوبکرؓ نے فی البدیہہ کہہ دیں بلکہ ان سے بھی بہتر کہیں۔'' (سیرۃ الرسول۔ محمد بن عبدالوہاب)۔

حضرت ابوبکرؓ کی تقریر ختم ہوئی تو حباب بن منذرؓ انصاری نے اپنے خیالات کا اظہار کیا جن کا حضرت عمرؓ نے مدلل جواب دیا۔ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے کھڑے ہو کر کہا ''انصاری بھائیو! سب سے پہلے اسلام قبول کرنے اور اس کی حمایت کرنے کیلئے آپ لوگ ہی آگے بڑھے۔ اب اسلام کی عمارت کو ڈھانے میں آپ کو پہل نہیں کرنی چاہیے۔''

یہ سن کر حضرت بشیر بن سعدؓ انصاری کھڑے ہوئے اور انصار مدینہ سے مخاطب ہو کر کہا: ''بھائیو! ہم نے اسلام کی خاطر جو بھی قربانیاں دی ہیں وہ اللہ کی خوشنودی اور رسول اللہ کی اطاعت کیلئے تھیں۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم ان خدمات کا معاوضہ طلب کریں۔ سچی بات یہ ہے کہ قریش طاقتور ہیں۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قریشی تھے۔

Marfat.com

مزید یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ امام قریش میں سے ہوں گے۔ پس قریشی ہی خلیفہ ہو سکتے ہیں اور تمام قبیلے بھی ان ہی کی خلافت میں راضی رہ سکتے ہیں۔'' حضرت بشیر بن سعدؓ انصاری کی تقریر سن کر انصار نے کہا ''آپ نے حرف بہ حرف ٹھیک کہا۔'' حضرت ابوبکرؓ انتہائی معاملہ شناس، دانشور اور دُور اندیش تھے۔ آپؓ نے اس خیال سے کہ کہیں یہ معاملہ کل پر چھوڑنے سے کوئی اور شکل اختیار نہ کر لے یہ سوچا کہ کیوں نہ اسی وقت خلافت کیلئے بیعت لے لی جائے۔ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بہترین آدمی بھی اس وقت موجود تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اجتماع کو مخاطب کر کے فرمایا: ''حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ یہاں موجود ہیں۔ مسلمانوں میں سے ہر شخص ان کے رتبے اور مرتبے کو اچھی طرح جانتا ہے۔ دونوں میں سے جس کو آپ لوگ پسند فرمائیں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔'' مگر دونوں حضرات نے یک زبان ہو کر کہا: ''اے ابوبکرؓ! آپؓ تمام مسلمانوں میں افضل ہیں۔ غار میں رسولؐ اللہ کے رفیق اور حج میں رسولؐ اللہ کے بنائے ہوئے امیر ہیں۔ نماز میں رسولؐ اللہ نے اصرار فرما کر آپؓ ہی کو اپنا قائم مقام اور امیر بنایا۔ بھلا آپؓ سے بہتر شخص کون ہو سکتا ہے جو خلیفہ جیسے منصب کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔'' یہ کہہ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت بشیر بن سعدؓ انصاری نے حضرت عمرؓ کی پیروی کی۔ اس کے بعد تمام سردار اور عام مسلمان بیعت کیلئے ٹوٹ پڑے۔ یہ قابل تحسین ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ ہی کی کوشش اور سمجھداری سے مسلمان ایک بحران اور کشمکش سے بچ گئے اور امت محمدؐ میں یکجہتی اور اخوت و محبت کے ساتھ ساتھ ایثار، قربانی کی ایک مثالی فضاء قائم ہو گئی۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کے اختتام پر مسلمان واپس آئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے انتظام و انصرام میں مشغول ہو گئے۔ یہاں صحابہ کرامؓ میں اختلاف پیدا ہوا کہ اللہ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''میں نے رسولؐ اللہ سے ایک حدیث سنی ہے جو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے

Marfat.com

جہاں اس کو دفن ہونا محبوب ہوتا ہے۔'' اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ رسول اللہ کو اسی خواب گاہ ہی میں دفن کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (شمائل ترمذی)

سقیفہ بنی ساعدہ میں تو چند خاص خاص لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دوسرے دن یعنی 13 ربیع الاوّل 11 ہجری کو مسجد نبویؐ میں عام بیعت کا اہتمام کیا گیا۔ سب مسلمان جمع ہوئے۔ پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور فرمایا: ''میں امید کرتا تھا کہ رسولؐ اللہ ہم لوگوں کے بعد تک زندہ رہیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ تاہم اللہ نے تمہارے سامنے ایک ایسا نور رکھ دیا ہے جس سے تم لوگ وہی ہدایت حاصل کر سکتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرتے تھے۔ بلاشبہ حضرت ابوبکرؓ رسولؐ اللہ کے ساتھی اور رفیق غار ہیں۔ مسلمانوں میں تم لوگوں کے معاملات کی سربراہی کیلئے سب سے بہتر وہی ہیں۔ پس کھڑے ہو جاؤ اور حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کرو۔''

جب حضرت عمرؓ تقریر سے فارغ ہوئے تو آپؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: آپؓ منبر پر تشریف لائیے۔'' مگر حضرت ابوبکرؓ خاموش بیٹھے رہے اور آپؓ کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ آخر جب حضرت عمرؓ نے کئی مرتبہ کہا تو حضرت ابوبکرؓ منبر پر چڑھے اور مسلمانوں نے آپؓ سے بیعت کی یہ بیعت عامہ تھی۔ (صحیح بخاری)

بیعت عامہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا جو خلافت کا پہلا خطبہ تھا۔ ابن سعد کے مطابق ایسا خطبہ پھر کبھی کسی کی زبان سے سننے میں نہیں آیا۔ آپؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں نیک کام کروں تو اس میں میری مدد کرو اور اگر بُرا کام کروں تو مجھے ٹوکو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تمہارا قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس کے ذمے جو حق ہے وہ اس سے نہ لے لوں جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے اس پر اللہ ذلت و خواری مسلط کر دیتا ہے اور اگر کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو اللہ اس پر بلائیں اور عذاب عام کر دیتا ہے تم میری

Marfat.com

اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں لیکن اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اب نماز کیلئے کھڑے ہو۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔" (البدایہ والنہایہ)

حضرت ابوبکرؓ کے خلافت سنبھالتے ہی ہر طرف سے پریشانیوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔ ایک طرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا غم تھا تو دوسری طرف جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے علاوہ منکرین زکوٰۃ نے تقویت پکڑنا شروع کر دی۔ اگرچہ جھوٹے مدعیان نبوت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا مگر اب وہ زیادہ توانائی اور آزادی کے ساتھ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے تھے۔ مزید یہ کہ جن قبیلوں کو مدینہ کی سیادت گوارا نہیں تھی وہ بھی کھلم کھلا مخالفت کرنے لگے تھے۔ غرض دشواریوں اور پریشانیوں کا ایک جم غفیر تھا جو حضرت ابوبکرؓ کے لئے کڑا امتحان تھا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں جنہوں نے باکمال فراست بے مثل عسکری مہارت اور لازوال سیاسی و انتظامی حکمت عملی کے باعث منکرین زکوٰۃ مرتدین اور مدعیان نبوت کے خاتمہ کے ساتھ جمع قرآن کے علاوہ ایرانیوں اور رومیوں کو اسلامی سلطنت کے زیر نگین کر لیا۔

یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہی شرف حاصل ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے آپؓ نے اسلام قبول کیا۔ قرآن پاک کا نام سب سے پہلے آپؓ ہی نے مصحف رکھا۔ قرآن مجید کو سب سے پہلے آپؓ نے جمع کرایا۔ سب سے پہلا شخص جس نے کفار قریش کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ضربات شدید برداشت کیں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں تاریخ اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جس کو پہلے حج کی امامت کا شرف حاصل ہوا وہ حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔ سب سے پہلے اجتہاد و استنباط احکام کے اصول اربعہ مقرر فرمائے۔ آپؓ سب سے پہلے خلیفہ راشد ہیں۔ جو اس لقب سے پکارے گئے سب سے پہلے دوزخ سے نجات کی خوشخبری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو ہی دی۔ آپؓ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کو باپ کی زندگی میں خلافت ملی۔ اسی

Marfat.com

طرح آپؓ سب سے پہلے شخص ہیں جن کو بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی لقب ملا اور وہ لقب صدیق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جن کا نان نفقہ رعایا نے مقرر کیا۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیعت خلافت کے دوسرے روز کچھ چادریں لے کر بازار میں بغرض تجارت جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ راستے میں ملے تو فرمایا: ''اب آپؓ یہ کام چھوڑ دیجیے۔ اب آپؓ لوگوں کے خلیفہ ہو گئے ہیں'' یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''اگر میں یہ کام چھوڑ دوں تو میرے اہل و عیال کہاں سے کھائیں گے؟'' اس پر صحابہ کرام کے مشورہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اہل وعیال کیلئے ایک اوسط درجہ کے مہاجر کے گھر کے خرچ کا اندازہ کر کے وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت کا عرصہ صرف ستائیس ماہ ہے۔ اس کے بعد آپؓ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ آپؓ کی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہؓ اور آپؓ کے بیٹے عبدالرحمان سے مروی ہے کہ آپؓ کے مرض الموت کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ سخت سردی کے دنوں میں آپؓ نے ٹھنڈے پانی سے غسل فرما لیا جس سے آپؓ کو بخار ہو گیا جو وفات کے روز تک مسلسل پندرہ دن چڑھا رہا۔ ضعف اس قدر شدید ہو گیا کہ باہر نماز کیلئے نہیں جا سکتے تھے اس دوران آپؓ کے حکم سے حضرت عمر بن خطابؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔

مرض الموت میں بھی حضرت ابوبکرؓ کو سب سے زیادہ فکر مسلمانوں کے مستقبل کے بارے تھی۔ آپؓ اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتے تھے۔ تاہم آپؓ کی خواہش یہ تھی کہ اہل الرائے صحابہ کرامؓ سے مشورہ ضرور لے لیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ذاتی خیال میں حضرت عمرؓ بن خطاب کی ذات ہی ایسی تھی جو صحیح معنوں میں آپؓ کی جانشینی کا حق ادا کر سکتی تھی۔ تاہم انہوں نے مشورہ کیلئے پہلے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بلایا اور ان سے پوچھا ''عمرؓ بن خطاب کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟'' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا ''آپؓ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔''

تاہم آپؓ کے اصرار پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا ''واللہ! عمرؓ بہترین شخص ہیں لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔'' حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''عمرؓ میں سختی صرف

Marfat.com

میری نرمی کی وجہ سے ہے۔ جب خلافت کا بوجھ ان پر ڈالا جائے گا تو ان کی سختی بڑی حد تک دُور ہو جائے گی۔'' اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو بلا کر حضرت عمرؓ کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا ''عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور وہ علم و فضل میں ہم میں یکتا ہیں۔''

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سعید بن زید اور حضرت اسید کے علاوہ دیگر مہاجرین و انصار سے بھی گفتگو فرمائی اور حضرت عمرؓ کے بارے رائے لی۔ بعض صحابہ کرامؓ نے جب حضرت ابوبکرؓ کی حضرت عمرؓ کے بارے مشاورت کا سلسلہ سنا تو انہوں نے حضرت طلحہ بن عبداللہؓ کی زیر قیادت ایک وفد حضرت ابوبکرؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت طلحہ بن عبداللہؓ نے عرض کیا ''اے خلیفۃ المسلمینؓ جب اللہ تعالیٰ آپؓ سے حضرت عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنانے کے متعلق دریافت کرے گا تو آپؓ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟''

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''میں عرض کروں گا کہ اے اللہ! میں نے تیرے بندوں پر تیرے سب سے بہتر بندے کو خلیفہ بنایا۔''

اگلے روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس حاضری دی اور بتایا کہ لوگوں نے آپؓ کے سامنے بطور مشورہ اپنی رائے کا اظہار کیا ہے تاہم جو فیصلہ آپؓ فرمائیں گے وہ ان سب کو منظور ہوگا۔ اس پر آپؓ نے اپنے کاتب کو بلوا کر حضرت عمرؓ بن خطاب کی خلافت کے بارے وصیت لکھوائی۔ لیکن اس پر بھی حضرت ابوبکرؓ کو اطمینان نہ ہوا اور آپؓ نے اس وصیت کا ظاہر عام لوگوں میں بھی کرنا چاہا۔ اس مقصد کیلئے آپؓ نے مسجد کے طرف کا دروازہ کھلوایا اور مسجد میں موجود لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ''میں نے اپنے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ نامزد کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو؟'' سب لوگوں نے یہ سن کر کہا ''ہم آپؓ کے انتخاب پر راضی ہیں اور آپؓ سے عہد کرتے ہیں کہ ہر حال میں حضرت عمرؓ کی اطاعت اور فرماں برداری کریں گے۔''

قومی امور سے فراغت کے بعد آپؓ نے ذاتی معاملات کی طرف توجہ دی۔ آپؓ نے پوچھا ''مجھے خلیفہ ہونے کے بعد اب تک بیت المال سے کتنا وظیفہ ملا ہے۔'' حساب کر کے بتایا گیا ''چھ ہزار درہم''۔ آپؓ نے حکم دیا کہ میری فلاں زمین فروخت کر

Marfat.com

کے یہ روپیہ بیت المال کو واپس کر دیا جائے پھر دریافت فرمایا ''میرے مال میں بیعت کے بعد سے اب تک کتنا اضافہ ہوا ہے۔'' بتایا گیا کہ ایک حبشی غلام، ایک اونٹنی اور ایک چادر۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حکم دیا کہ تینوں چیزیں میری وفات کے بعد خلیفہ وقت کی خدمت میں بھیج دی جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ چیزیں حضرت عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں پہنچیں تو وہ رونے لگے اور فرمایا ''اے ابوبکر تم اپنے جانشینوں کے لئے بہت دشوار کام چھوڑ گئے۔'' (طبقات ابن سعد)

حضرت ابوبکرؓ نے وفات سے قبل حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بتایا ''تین کپڑوں میں''۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس وقت جو دو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''میرے ان دو کپڑوں کے علاوہ ایک اور کپڑا بازار سے خرید لینا''۔ حضرت عائشہؓ بولیں ''میرے پیارے ابا جان! ہم تینوں کپڑے بازار سے نئے خرید سکتے ہیں''۔ آپؓ نے فرمایا ''نئے کپڑوں کے مُردوں کی نسبت زندہ زیادہ مستحق ہیں۔'' آپؓ نے اپنی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس کو غسل کی وصیت فرمائی۔ اس کے بعد دریافت فرمایا ''آج کونسا دن ہے؟'' بتایا گیا ''سوموار''۔ پھر پوچھا ''سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال کس روز ہوا تھا؟'' بتایا گیا ''سوموار''۔ اس پر آپؓ نے ارشاد فرمایا ''میں امید کرتا ہوں کہ میری بھی آج ہی کے دن موت ہو گی اور یہ کہ میری قبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بنائی جائے''۔ محمد حسین ہیکل کی تحقیق کے مطابق آخری بات جو حضرت ابوبکرؓ کے منہ سے نکلی وہ یہ دعا تھی ''اے پروردگار! مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مرنے کے بعد مجھے صلاحین کے پاس جگہ دینا۔''

حضرت ابوبکرؓ کی وفات 21 جمادی الثانی جبکہ بعض روایات کے مطابق 22 جمادی الثانی 13 ہجری کو ہوئی۔ وفات کے وقت آپؓ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ مسجد نبویؐ میں آپؓ کا جنازہ رسولؐ اللہ کے مزار اور منبر کے درمیان رکھا گیا۔ نماز جنازہ حضرت عمرؓ

نے پڑھائی۔ اس کے بعد آپؓ کو ہادیٔ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں اس طرح دفن کیا گیا کہ آپ کا سر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے متوازی تھا۔ زندگی بھر دونوں ساتھی ساتھ رہنے والے وصال کے بعد بھی ساتھ رہے۔ یہ رفاقت وصال کے بعد بھی ختم نہ ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار تھے وہاں یارِ مزار بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے آپؓ کے وصال پر فرمایا ''اے ابوبکرؓ! تمہاری وفات نے قوم کو سخت مصائب اور مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہم تو تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تمہارے مرتبے کو کس طرح پا سکتے ہیں۔''

حضرت علیؓ نے آپؓ کے وصال کی خبر سنی تو فرمایا: ''اے ابوبکرؓ! واللہ تم پہلے آدمی تھے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا۔ ایمان و اخلاص میں تمہارا ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ خلوص و محبت میں تم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اخلاق و قربانی، ایثار اور بزرگی میں تمہارا ثانی کوئی نہیں تھا۔ تم واقعی اسلام کا مضبوط قلعہ تھے۔''

Marfat.com

سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ

ابن سعد کی تحقیق کی رو سے حضرت عمرؓ کا شجرہ نسب یہ ہے: عمر ابن الخطاب ابن نفیل ابن عبدالعزیٰ ابن ریاح ابن عبداللہ ابن قرط ابن رزاح ابن عدی ابن کعب۔

حضرت عمرؓ قریش کے دس نامور قبیلوں میں سے قبیلہ عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی مرۃ تھے جو خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر ملتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے والد خطاب نے اونچے گھرانوں میں متعدد شادیاں اولاد کی زیادتی کی غرض سے کیں کیونکہ اس دور میں اولاد کی زیادتی کو وجہ افتخار سمجھا جاتا تھا۔ خطاب کی ایک بیوی کا نام حنتمہ بنت حاشم ابن المغیرہ تھا وہ قبیلہ بنی مخزوم سے تھیں مغیرہ مخزومی کا شمار قریش کے سرداروں اور بہادروں میں ہوتا تھا۔ ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جان حضرت عبدالمطلب کو سب سے پہلے جس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح نہ کریں وہ مغیرہ مخزومی ہی تھے۔ انہوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا تھا "واللہ! آپ عبداللہ کو ہرگز ہرگز ذبح نہ کرنا اگر اس سلسلے میں آپ کو فدیہ ادا کرنا پڑے تو ہم اپنا تمام مال نثار کر دیں گے۔"

مغیرہ مخزومی کا یہی منصب و مقام تھا کہ جس کی وجہ سے حنتمہ سب سے ممتاز سمجھی جاتی تھیں۔ جب ان کے شکم سے حضرت عمرؓ تولد ہوئے تو خطاب کی خوشی کو چار چاند لگ گئے۔ اور انہوں نے بنی عدی کے محتاجوں کو اس قدر دل کھول کر کھانا کھلایا کہ اس سے

قبل شاید ہی کسی اور نے کھلایا ہو۔ (محمد حسین ہیکل) اسی طرح حافظ ابن عسا کرنے۔ تاریخ دمشق میں عمرو بن عاص کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ''میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک ایک شور اٹھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے'' اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے سن رشد کے حالات بہت کم معلوم ہیں اور معلوم بھی کیونکر ہوتے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان مستقبل کا فاروق اعظمؓ ہے۔ تاہم اتنا ضرور معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ نے شباب کے آغاز میں ہی ان شریفانہ مشاغل میں حصہ لیا جو شرفاء عرب میں معمول و مروج تھے۔ آپؓ نے نسب دانی، سپہ گری اور پہلوانی کا فن سیکھا اور خاص طور پر کشتی کے فن میں کمال حاصل کیا۔ آپؓ عکاظ کے میلے میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے (علامہ بلاذری) اس زمانے میں حضرت عمرؓ نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانہ میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلہ میں سترہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں ایک عمر بن خطابؓ تھے (فتوح البلدان) ان فنون سے فارغ ہو کر حضرت عمرؓ تجارت معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا۔ اس لیے آپؓ نے بھی یہی اختیار کیا۔ آپؓ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے۔ علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب ''مروج الذہب'' میں لکھا ہے کہ ''عمر بن خطابؓ نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے سفر کیے اور عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے'' یہی وجہ ہے کہ وہ آپؓ میں خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی جیسے اوصاف اسلام لانے سے قبل ہی پیدا ہو گئے تھے۔ مزید یہ کہ آپؓ کا جسم قوت سے لبریز تھا اور قدم بہت فراخ تھا جس کے باعث چلنے میں تیز رفتار تھے آپؓ اپنی درازی قد کی وجہ سے لوگوں میں ممتاز اور نمایاں تھے آپؓ کی آواز گرجدار تھی اور کام کاج میں پھرتی تھی آپؓ گھوڑے کے ایک کان کو ایک ہاتھ سے اور دوسرے کو دوسرے ہاتھ سے پکڑتے اور پھر گھوڑے کی پشت پر جھپٹ کر سوار ہو جاتے۔ (ابن جوزی)

Marfat.com

زمانہ جاہلیت میں بھی آپؓ عرب قبائل کے نزدیک دور اندیش، معاملہ فہم اور انصاف پسند سمجھے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب کبھی قریش اور دوسرے قبائل میں جنگ چھڑ جاتی تھی مابعداز جنگ مذاکرات صلح کے لیے قریش حضرت عمرؓ کا انتخاب کرتے تھے اسی طرح جب کبھی مناظرہ کی نوبت آجاتی تو اس وقت بھی قریش حضرت عمرؓ کو بہ اتفاق آرا اپنا نمائندہ مقرر کرتے تھے (امام جمال الدین) ایک دفعہ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے بزرگ و برتر کے حضور یہ دعا مانگی۔ یا اللہ! عمر بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطابؓ دونوں میں سے جسے تو زیادہ عزیز رکھتا ہو اس کے ذریعہ سے اسلام کی دستگیری فرما۔"

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے حوالے سے مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں سب سے مشہور روایت یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اسلام کو پھلتے پھولتے دیکھا تو ایک روز آگ بگولا ہو کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) قتل کا پختہ ارادہ کر لیا اور گھر سے تلوار لے کر نکلے۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ سمیت حضرت ارقمؓ کے گھر میں تشریف فرما ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی ابھی آپؓ راستے ہی میں تھے کہ حضرت نعیم بن عبداللہؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے دریافت کیا "عمر! کہاں جا رہے ہو" حضرت عمر نے کہا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ) صفایا کرنے جا رہا ہوں کیونکہ انہوں نے ایک ایسا دین متعارف کرایا ہے جس نے قریش میں تفریق پیدا کر دی ہے۔"

حضرت نعیم بن عبداللہؓ نے کہا "اے عمر! پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو، تمہارے چچیرے بھائی سعیدؓ بن زید بن عمرو اور تمہاری ہمشیرہ فاطمہؓ بنت خطاب دونوں مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں" حضرت عمرؓ یہ سن کر سب سے پہلے اپنی بہن فاطمہؓ کے گھر گئے تو اس وقت حضرت خباب بن الارتؓ ہاتھ میں کلام الٰہی تھامے حضرت سعیدؓ اور حضرت فاطمہؓ کو سورۃ طٰہٰ پڑھا رہے تھے آپؓ نے گھر آتے ہی کلام اللہ کی تلاوت کی آواز سنی تھی۔ گھر میں آتے ہی گویا ہوئے "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

حضرت فاطمہ بنت خطاب نے جواب دیا "کچھ نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا ''واللہ میں جان چکا ہوں کہ تم دونوں نے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قبول کرلیا ہے''۔ آپؓ یہ کہہ کر حضرت سعیدؓ پر جھپٹ پڑے حضرت فاطمہ بنت خطابؓ اپنے خاوند کو بچانے کے لیے آئیں تو آپؓ نے اسے بھی مار پیٹ کر لہولہان کر دیا۔ جب معاملہ کافی بگڑ گیا تو حضرت سعیدؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت خطاب دونوں نے کہا۔ ''اے عمر! بے شک ہم خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں اب ہم کسی صورت بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے تمہارے دل میں جو آئے کرگزرو'' آپؓ نے جب اپنی بہن اور بہنوئی کا یہ عزم صمیم دیکھا اور ان کے جسموں سے بہتے ہوئے خون پر بھی نظر پڑی تو قدرے نرم پڑ گئے اور کہا لائیے مجھے بھی دکھائیے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیا لائے ہیں۔ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ نے قرآن پاک کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو سورت حدید کی آیت کے ایک ایک لفظ سے ان کا دل مرعوب ہوتا گیا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے ''آمنوباللہ ورسول'' تو بے اختیار پکار اٹھے کہ ''اشھدان لااله الا لله واشهد ان محمد رسول الله''۔

اب حضرت عمرؓ ہاتھ میں شمشیر لیے دارارقم کی طرف چل پڑے جہاں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ وہاں پہنچ کر دستک دی ایک صحابیؓ نے دستک کی آواز سنی اور مکان کے دروازے سے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمرؓ ہاتھ میں شمشیر لیے کھڑے تھے۔ اس صحابی رسول نے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن خطاب باہر ہاتھ میں ننگی تلوار لیے کھڑے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب نے فرمایا ''عمرؓ کو آنے دیجیے اگر نیک ارادہ سے آیا ہے تو بہتر، ورنہ اس کی تلوار سے اس کا خاتمہ کر دیا جائے گا'' رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ''عمر کو آنے دیجیے'' صحابہ کرامؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت عمرؓ کو اندر بلالیا۔ جیسے ہی حضرت عمرؓ اندر آئے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ ''اے عمر! تم کس ارادے سے یہاں آئے ہو''۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ اشھد ان لاالہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ۔"

اس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے با آواز بلند اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ساتھ ہی تمام صحابہ کرامؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (ابن سعد، ابن عساکر، ابن اثیر)

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم بالکل حق پر ہیں۔"

اثبات میں جواب سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا "تو پھر اسلام کو راز میں کیوں رکھا جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر اس دنیا میں بھیجنے والے کی قسم! اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منظر عام پر آنا ہوگا" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم سے باہر نکل آئے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "عالم یہ تھا ہم دو قطاروں میں نکلے تھے۔ اسی عالم میں ہم کعبہ میں داخل ہو گئے میں نے دیکھا کہ قریشیوں کی نظریں میری اور حضرت حمزہؓ کی جانب ہیں کیونکہ یہ قطاریں کیا تھیں چکی کے دو پاٹ تھے ایک میں حضرت حمزہؓ تھے جبکہ میں دوسری قطار میں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قریش کو اتنا تکدر اس وقت اس دن سے پہلے نہ ہوا تھا۔ اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فاروق یعنی حق اور باطل میں حد فاصل قائم کرنے والا کہہ کر پکارا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے کی روایات میں سے ایک معروف روایت یہ بھی ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کی جانب منسوب ہے آپؓ کا فرمان عالی شان ہے۔

"میں اسلام سے کوسوں دور تھا۔ ایک دن میں کعبہ کا طواف کرنے گیا، دیکھا کہ ایک شخص تنہا محو عبادت ہے اور اونچی آواز سے کچھ کہہ رہا ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے دل میں سوچا کہ موقع اچھا ہے دیکھوں کہ یہ شخص

Marfat.com

تنہائی میں کیا کرتا ہے، اور کیا کہتا ہے۔ دبے پاؤں آگے بڑھا محتاط تھا کہ وہ مجھے دیکھ نہ لیں اس لیے میں غلاف کعبہ میں چھپ گیا اور سرکتا ہوا ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں میرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں غلاف کعبہ کے سوا کچھ اور حائل نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت جذب و کیف کے عالم میں کھڑے قرآن پاک کی یہ آیات پڑھ رہے تھے۔

''فلا اقسم بما تبصرون و مالا تبصرون'' ان الفاظ میں کچھ ایسا بلا کا اثر تھا کہ میں نے کہا قریش جو کہتے ہیں کہ یہ شخص نہایت بلند پایہ شاعر ہے تو وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی آیت پڑھی۔

''انہ لقول رسول کریم وماھوبقول شاعر قلیلا ماتومنون'' میں نے کہا یہ تو اپنے شاعر ہونے سے بھی انکار کرتا ہے تو پھر جیسا کہ قریش کہتے ہیں یہ کاہن ہو گا کہ اتنے میں میرے کان میں یہ الفاظ پڑے۔ ولا بقول کاھن قلیلا ماتذکرون۔ قرآن پاک کے اس اسلوب نے مجھے حیرت میں ڈال دیا میں نے کہا کہ اگر یہ نہ کسی شاعر کا کلام ہے نہ کاہن کا تو پھر یہ کیا؟ اس کا جواب مجھے ان الفاظ میں ملا۔

''تنزیل من رب العالمین'' سرور کائنات یہ پڑھتے جا رہے تھے اور مجھ پر ایک عجیب و غریب کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی حتی کہ میں نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کر لی۔ اور گھر جانے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ میں بھی دبے پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیا، گھر کے نزدیک پہنچے تو میں قریب ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہٹ پا کر مڑ کر دیکھا تو مجھے پہچان لیا اور ڈانٹ کر کہا ''ابن خطاب! تم ایسے وقت میں یہاں کیسے؟''

میں نے جواب دیا ''یہ گواہی دینے کے لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

اس پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کائنات کا شکر ادا کیا اور میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر میرے لیے ثبات و استقامت کی دعا کی۔ (ابن اسحاق، مسند احمد بن حنبل)۔

''عمر کا اسلام لانا ہماری کامیابی تھی جب تک عمر اسلام نہیں لائے تھے ہم کعبہ

میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب وہ اسلام لائے تو قریش سے لڑ بھڑ کر ان سے ہمارے اس حق کو تسلیم کرالیا کہ ہم بھی کعبہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔"

حضرت صہیبؓ بن سنان کا بیان ہے کہ "جب عمرؓ مسلمان ہوئے تو اسلام کھل کر سامنے آ گیا اور اس کی دعوت اعلانیہ دی جانے لگی ہم کعبہ کے گرد حلقے بنا کر بیٹھتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے زیادتی کرنے والے سے بدلہ لیتے اور بدزبانی کرنے والے کو دندان شکن جواب دیتے" (محمد حسین ہیکل)

وہ دور جو حضرت عمر فاروقؓ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے شروع ہو کر ہجرت پر اختتام پذیر ہوتا ہے بلاشک وشبہ انتہائی نازک اور کٹھن تھا۔ اور یہ حقیقت بھی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مسلمانوں پر جو ظلم وستم اس دور میں ڈھائے جا رہے تھے انہیں صبر شکر کے ساتھ برداشت کرنے میں حضرت عمر فاروقؓ بہت سے صحابہ کرامؓ پر فوقیت رکھتے تھے۔ اور جب کبھی ان کے لیے ممکن ہوتا تھا وہ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے اسلامی بھائیوں کی مدد میں سب سے زیادہ جرأت اور طاقت کا ثبوت دیتے تھے۔ ہجرت کا حکم ملنے پر حضرت عمر فاروقؓ نے بھی دیگر اہل اسلام کی طرح مدینہ کی جانب حجرت کی حضرت عمر فاروقؓ نے قبا پہنچ کر بنو عمرو بن عوف بن رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں قیام فرمایا۔ پھر آپؓ کے اہل خاندان بھی یہیں آ کر ٹھہرے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمرکاب تشریف لائے تو حضرت عمر فاروقؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کے دن استقبال کیا تھا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ شریف تک آئے تھے پھر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور کاشانہ حبیب کی تعمیر میں دیگر مسلمانوں کے ساتھ کام کیا۔ ہجرت مدینہ اہل اسلام کے لیے ایک نئے دور اور نئی سیاست کا آغاز تھا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم کر کے اہل اسلام میں وحدت وقوت کی مضبوطی کا سامان کیا اس اسلامی بھائی چارے نے حضرت عمرؓ کے لیے حسن عمل کے راستے کشادہ کر دیئے جو مکہ معظمہ میں مسدود کر دیئے گئے تھے آپؓ کی طبع مبارک نہ صرف جوشیلی اور قوی تھی بلکہ آپؓ دشمن پر آگے بڑھ کر حملہ کرنے کے عادی تھے یہی

Marfat.com

سبب ہے کہ مکہ معظّمہ میں آپؓ کے حوصلوں اور جرات و ہمت کی نمود کے لیے کوئی میدان نہ تھا۔ لیکن مدینہ کی زندگی نے حضرت عمرؓ کو اپنی شخصیت اور کردار کے بھرپور اظہار کے لیے خوبصورت میدان عمل مہیا کر دیا تھا۔ چنانچہ مکہ معظّمہ میں آپؓ کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں۔ مدینہ طیبہ میں اہل اسلام نماز کے لیے خود بخود جمع ہو جاتے تھے اعلان کا کوئی ذریعہ نہیں تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی فکر دامن گیر تھی پہلے سوچا کہ کھل کر اعلان کیا جائے لیکن اہل یہود کا یہی طریقہ تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا چنانچہ ناقوس تیار کیا گیا اور حضرت عمرؓ کو دیا گیا کہ کل جب وہ آئیں تو اس کو بجانے کے لیے دو لکڑیاں ساتھ لیتے آئیں۔ رات کو حضرت عمرؓ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ ناقوس کی بجائے اذان دینی چاہیے۔ صبح بیداری کے بعد حضرت عمرؓ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خواب کی روداد بیان کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے پہلے اذان کے متعلق وحی کا نزول ہو چکا تھا۔ رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو اذان پڑھنے کا حکم فرمایا اور یوں اس روز سے نماز کے لیے اذان دی جانے لگی۔ اذان کا علی الاعلان دیا جانا مسلمانوں کے بلند و بالا ہونے کی مسلمہ دلیل تھی۔ مدینہ طیبہ کے یہودی اور مشرکین جو ابھی تک اپنے آباؤ اجداد کے عقائد پر گامزن تھے۔ اہل اسلام کے اقتدار اور لمحہ اضافہ ہوتی طاقت سے خائف ہو کر شرارتوں پر اتر آئے۔ مسلمانوں نے ان کو منہ توڑ جواب دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ اس موقع پر بھی کسی مسلمان سے پیچھے نہ رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی ترویج و اشاعت اور دشمنان اسلام کو مخالفتوں سے باز رکھنے کے لیے مختلف اوقات میں مختلف جنگی دستے روانہ کیے جن کی قیادت حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہ بن الحارثؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے کی تاہم ابتدائی فوجی دستوں کی قیادت کے لیے حضرت عمرؓ کو یہ ذمہ داری نہ سونپی گئی شاید اس لیے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی سیاسی بصیرت کے باعث سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ طیبہ میں رکھنا ہی بہتر جانا۔ جب قریش کی دشمنی حد سے تجاوز کر گئی تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ کے ہمرکاب

میدان بدر تشریف لے گئے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عمر فاروقؓ انہی صحابہ کرامؓ میں سے تھے جنہوں نے جنگ کے لیے رائے پیش کی تھی۔ اور جب جنگ شروع ہوئی اور میدان کارزار گرم ہوا تو مسلمانوں کا پہلا شہید حضرت عمر فاروقؓ کا غلام ہی تھا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو موت کے گھاٹ اتارا۔ (محمد حسین ہیکل)

واقعہ بدر سے چند ماہ پیشتر حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کو ان کے خاوند نے چھوڑ دیا تھا۔ معرکہ بدر کے بعد رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمالیا ایک سال گزر جانے کے بعد قریش جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے مکہ سے نکلے۔ احد کے مقام پر زبردست مقابلہ ہوا دن کے پہلے حصہ میں مسلمان میدان میں کامیاب و کامران رہے۔ ازاں بعد جب تیراندازوں نے رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مال غنیمت کے اٹھانے کے لیے پہاڑ کا مورچہ چھوڑ دیا تو حضرت خالد بن ولید جو اس وقت کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھڑسواروں کے ہمرکاب پہاڑ پر چڑھ آئے اور یوں مسلمانوں میں افراتفری کا عالم بپا ہو گیا۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے چند مسلمانوں کی ہمراہی میں خالد بن ولید اور ان کے سپاہیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں اس قدر جان توڑ کر لڑے کہ انہیں ہر طرح سے پسپا کر دیا اور یوں خالد بن ولید اپنے مقصد میں ناکام لوٹے۔ (سیرت حلبیہ)

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے برس لوگوں کو حج کرنے کا حکم صادر فرمایا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ پہنچے تو قریش کے سوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے نکلے لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور قریش سے بات چیت کرنا چاہی تاکہ وہ مسلمانوں کو حج کرنے سے نہ روکیں۔ قریش کو یہ یقین ہو جانے کے بعد کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کی نیت سے نہیں حج کے ارادے سے آئے ہیں صلح کی گفتگو کے لیے تیار ہو گئے۔ فریقین میں صلح کے معاہدہ پر بات چیت

Marfat.com

جاری تھی ۔ حضرت عمر فاروقؓ ان شرائط سے بہت پریشان اور دل برداشتہ تھے جو اس بات چیت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرما رہے تھے ۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور ان سے سوال جواب کیے مزید تسلی کے لیے سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں'' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں واقعی اللہ کا رسول ہوں'' پھر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا ''کیا ہم مسلمان نہیں ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا ''بلا شک وشبہ آپ سچے اور سچے مسلمان ہیں'' پھر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا ''کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں'' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کے مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں ہے'' حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا ''تو پھر ہم اپنے دین حق کو کمزور کیوں سمجھتے ہیں ۔''

رہبر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں رب کے حکم کی کبھی بھی خلاف ورزی نہیں کروں گا ۔ میرا اللہ میرا مددگار ہے وہ مجھے کبھی ناکام نہیں ہونے دے گا ۔''

یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ خاموش ہوگئے بعدازاں حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ اس روز میں نے جو باتیں کہیں ان کے خوف سے آج تک صدقہ دیتا ہوں ، روزے رکھتا ہوں ، نفل پڑھتا ہوں اور غلام آزاد کرتا ہوں (طبری) ۔

حضرت عمرؓ نے قبول اسلام کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں لڑی گئی بقیہ تمام جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ۔ مشاورت ، نظامت ، مالی معاونت ، جنگ وقتال غرض یہ کہ ہر میدان میں آپؓ پیش پیش رہے ۔ جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوتے تھے وہاں حضرت عمر فاروقؓ نے بھی کسی لمحے کسی قسم کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت کے بعد جب بستر علالت پر حضرت عمر فاروقؓ کو اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت فاروقؓ کو منصب خلافت کی ذمہ داری سونپ دی گئی ۔ حضرت عمر فاروقؓ جب حضرت ابوبکر

صدیقؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد نصف شب اپنے گھر واپس آئے تو اپنے بستر پر لیٹ کر ان واقعات پر غور فرمانے لگے جو کل پیش آنے والے تھے۔ صبح سویرے ہی لوگ بیعت کو آئیں گے۔ پھر عراق و شام میں بھی جنگ کا نازک اور پیچیدہ مرحلہ درپیش تھا۔ ان دنوں عراق اور شام میں مسلمانوں کی حالت بہت نازک تھی۔ شام میں روم کی طاقتوں کے روبرو اسلامی فوجیں پوری طرح مقابلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔ انہیں متحرک کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو معمولی سی فوج کے ساتھ عراق سے شام کی طرف بھجوایا تھا لیکن اس کے باوجود نتائج حوصلہ افزا نہیں تھے تاہم حضرت خالد بن ولیدؓ کے عراق سے شام چلے جانے سے عراقی لشکر کمزور پڑ گیا تھا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ کو اپنی جنگی فراست عسکری مہارت کے باوجود خاص کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ حیرہ جا کر قلعہ بند ہو گئے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ مدافعت تو کر سکتے ہیں، پیش قدمی نہیں کر سکتے لیکن یہ مدافعت بھی مشکل نظر آنے لگی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ تمام رات انہی خیالات میں مستغرق رہے اور رب رحمٰن و رحیم کے دربار میں گڑگڑا کر دعا مانگتے رہے کہ وہ ان کے دل کو اپنی ہدایت سے نوازے، تمام شب اسی فکر و اضطراب میں گزارنے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ صبح مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے تو لوگ بیعت کے لیے آگے بڑھے۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت عمر فاروقؓ منبر پر کھڑے ہوئے۔ اس سیڑھی سے ایک سیڑھی نیچے جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپؓ نے حمد باری تعالیٰ فرمائی۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"لوگو! میں تم ہی میں سے ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حکم عدولی گوارا ہوتی تو میں کسی قیمت پر بھی یہ ذمہ داری قبول نہ کرتا۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے یہ جملے اس قدر انکسار اور لطافت زبان کے ساتھ ادا کیے کہ سننے والوں کے دلوں میں اتر گئے۔ اب لوگوں کو محسوس ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

Marfat.com

نے اپنے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ نامزد کر کے بڑی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی تعریف کرنے لگے اور اس تعریف میں اور اضافہ ہو گیا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر کہا:

''اے رب العالمین! میں سخت ہوں، مجھے نرم کر دے میں کمزور ہوں مجھے توانا کر دے۔''

حضرت عمر فاروقؓ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور جب مجمع پر بھی خاموشی چھا گئی تو پھر فرمایا:

''رب کریم و رحیم نے میرے دو ساتھیوں کے بعد تم میں باقی چھوڑ کر میرے ساتھ تمہیں اور تمہارے ساتھ مجھے آزمایا ہے۔ واللہ! تمہارا جو معاملہ روبرو آئے گا میرے سوا کوئی اسے طے نہیں کرے گا اور جو میری نظروں سے دور رہے گا اس میں بھی تا حد امکان کفایت و امانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ اگر لوگوں نے میرے ساتھ بھلائی کی تو میں بھی یقیناً ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ برائی کے ساتھ پیش آئے تو میں ضرور انہیں عبرت ناک سزا دوں گا۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنا خطبہ ختم کیا اور نماز پڑھانے کے لیے منبر سے اترے۔ نماز سے فراغت کے بعد حاضرین سے خطاب کیا اور انہیں حضرت مثنیٰؓ کے ساتھ عراق جانے کی دعوت دی۔

تیسرے روز حضرت عمر فاروقؓ مسجد میں تشریف لائے اور لوگ آپؓ کی بیعت سے فارغ ہو چکے تو آپؓ نے اٹھ کر فرمایا۔

''عرب کی مثال ایک نکیل والے اونٹ کی سی ہے جو اپنے ساربان کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ یہ دیکھنا ساربان کا کام ہے کہ وہ اسے کس طرف لے جائے۔ مجھے رب کعبہ کی قسم! میں لوگوں کو راہ راست پر لا کر چھوڑوں گا۔''

اور جب لوگ ظہر کی نماز کے لیے جمع ہوئے تو منبر پر چڑھ کر فرمایا۔

''مجھے معلوم ہے کہ لوگ میری سختی سے ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ کہ عمر اس وقت بھی ہم پر سختی کرتا تھا جب رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ ہمارے سروں پر قائم تھا۔

Marfat.com

پھر وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں بھی سختی کرتا رہا۔ لیکن اب کیا ہوگا کہ جب تمام معاملات عمر کے ہاتھ میں ہیں اور جو بھی یہ کہتا ہے ٹھیک کہتا ہے لیکن اے لوگو! تمہیں جاننا چاہیے کہ عمر کی وہ سختی نرمی میں تبدیل ہوگئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لیے اسی طرح قائم ہے جو مسلمان پر ظلم کرتے رہے۔ جو لوگ امن و آشتی سے رہتے اور ایمان و جرات رکھتے ہیں میں ان کے لیے سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی کسی پر ظلم یا زیادتی کرے گا تو میں اس وقت تک اسے نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر نہ لٹکا دوں گا اور دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں نہ رکھ دوں اس وقت تک کہ وہ راہ راست پر نہ آجائے۔ لیکن اپنی تمام تر شدت کے باوجود اہل عفاف اور اہل کفاف کے لیے میں خود اپنا رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔" پھر فرمایا:

"اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو مجھ سے درگزر کر کے میرا ہاتھ بٹاؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں میری مدد کرو۔ اور رب رحمٰن و رحیم نے تمہاری خدمات میرے سپرد کی ہیں ان کے بارے میں مجھے نصیحت کرو۔ میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔"

"اتنے میں حضرت ابوعبیدہؓ بن مسعود عراق جانے کے لیے آگے بڑھے۔ وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے محاذ جنگ پر جانے کا عندیہ ظاہر کیا۔ پھر سلیط بن قیس نے اپنے ارادہ کا اظہار کیا، اور اس کے بعد تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا چنانچہ مدنی مجاہدین کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ اس کمک کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ بہت خوش ہوئے۔ آپؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو بلا کر لشکر کا امیر بنا دیا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہؓ نے جب یہ دیکھا کہ ایک لشکر ان کے ساتھ عراق جانے کو آمادہ ہے تو وہ مطمئن ہوگئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت مثنیٰ کو عراق روانہ کرتے ہوئے فرمایا "جب تک یہ کمک نہ پہنچ جائے جنگ نہ کرنا۔" (بلاذری)

نیا لشکر تیاری کرنے لگا۔ جب وہ روانہ ہونے کے لیے تیار تھا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

"سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی بات ماننا اور ان کو مشوروں

میں ساتھ رکھنا۔ جب تک کوئی معاملہ واضح نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لینا۔ یہ جنگ ہے اور جنگ میں کامیابی اس کے ساتھ ہے جس کی طبیعت میں اطمینان ہو اور جو موقع شناس ہو۔"

اس دوران ایک موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو فوج کی سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کر دیا۔ اسی طرح آپؓ نے یعلیٰ بن امیہ کو بلا کر کہا کہ نجران کے عیسائیوں کو وطن سے در بدر کر دیا جائے آپؓ نے فرمایا۔

"نجران کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ اس کے بعد جو اپنے دین پر قائم رہے اسے وطن سے نکال دو۔ اور جو اسلام لے آئے اسے وطن میں رہنے دو کیونکہ جزیرہ نمائے عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے۔ اس لیے جو اپنے دین کو ترک نہ کرے وہ یہاں سے کوچ کر جائے۔"

جب لوگوں کو اس بات کا علم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے نجران کے غیر مسلموں کو جلاوطنی کا حکم دے دیا ہے تو انہوں نے اس پر حیرانی کا اظہار نہ کیا بلکہ زیادہ حیرانی انہیں شاید اس وقت ہوئی جب حضرت ابوعبیدہؓ اس عراقی لشکر کے سردار بنائے گئے تھے۔ جس میں مدینہ منورہ کے جید اور بڑے بڑے مہاجرین اور انصار شامل تھے اور اس سے بھی زیادہ حیران کن وہ لمحہ تھا جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو شام کی قیادت سے معزول کیا گیا تھا۔ لیکن ان کا تجربہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ معاملات کو بڑی جرات، حوصلے، دانش مندی اور انصاف پسندی کے ساتھ طے کرتے ہیں اور انہیں یاد تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شام اور عراق میں مسلمانوں کی پوزیشن بڑی نازک ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ تمام معاملات حضرت عمر فاروقؓ کی ذمہ داری پر چھوڑ کر خود اللہ کی بارگاہ میں انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی توفیق اور رحمت و عنایت سے نوازا تھا اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کو بھی اپنی ہدایت اور نصرت سے نوازیں۔

جب حضرت ابوعبیدہؓ لشکر اسلامی کو عراق لے جانے کے لیے اجازت طلب کرنے آئے

تو ان کے پیچھے پیچھے اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ وہ حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفۃ الرسول کہہ کر سلام کرنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اس نے حضرت عمر فاروقؓ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کیا۔ اس روز سے سب لوگ حضرت عمر فاروقؓ کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب کرنے لگے۔ (محمد حسین ہیکل)

ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مسلمان خلیفۃ رسول اللہ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کو لوگوں نے خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ کہنا شروع کیا یعنی رسول اللہ کے نائب کے نائب، اس پر مسلمان تشویش میں مبتلا ہو گئے کہ اگر خلیفہ کو مخاطب کرنے کا یہی طریقہ جاری رہا تو پھر نتیجہ یہ ہو گا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے جانشین کو خلیفۃ خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ کہنا پڑے گا اور سلسلہ یونہی دراز ہوتا جائے گا۔ چنانچہ سب نے بالاتفاق طے کیا کہ کوئی ایسا لقب تجویز کیا جائے کہ جس سے حضرت عمر فاروقؓ اور پھر آپؓ کے جانشینوں کو باآسانی مخاطب کیا جا سکے۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا "اس میں مشکل ہی کیا ہے۔ ہم سب جماعت مومنین ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ ہمارے والی اور امیر ہیں۔" اور یوں آپؓ کا لقب امیر المومنین ہو گیا۔

آپؓ سے پہلے یہ لقب کسی نے اختیار نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بن مسعودؓ مدینہ سے چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے لیکن راستے میں اور بہت سے لوگ شامل ہو گئے جس سے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ حیرہ اور قادسیہ کے مابین غارق کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف کے سپاہی جان توڑ کر لڑے۔ آخر کار قیامت خیز معرکہ آرائی کے بعد اللہ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی فوج کے افسروں کو جن میں مثنیٰؓ پیش پیش تھے۔ بھیجا اور وہ عراق کی سرزمین میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیل گئے۔ جس سے اہل عراق کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور وہاں کے جاگیرداروں نے حضرت ابوعبیدہؓ سے اپنی مخالفانہ کارروائیوں کی معذرت طلب کی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان سے صلح کر لی۔ یہ لوگ پر تکلف کھانے لے آئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے پوچھا "کیا تمام لشکر کے لیے ایسے کھانوں کا اہتمام کیا گیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں صرف آپؓ کے لیے!"

Marfat.com

سن کر حضرت ابوعبیدہؓ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''واللہ! جب تک تمام مسلمانوں کو اس قسم کا کھانا نہ ملے میں ایسے کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا'' اور جب تک تمام لشکر کے لیے ویسے کھانے کا انتظام نہیں ہوا، حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کی دعوت قبول نہیں فرمائی۔

جب اس صورت حال کا علم ایرانی وزیر حرب رستم کو ہوا تو اس نے بہترین سپہ سالار بہمن کو چار ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں سے لڑائی کے لیے روانہ کیا۔ ایرانی فوج میں کوہ پیکر ہاتھی تھے۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا۔ گھوڑے سے کود پڑے اور ساتھیوں کو بھی گھوڑوں سے اترنے کا حکم دیا۔ پھر مسلمانوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کی ہدایت کے مطابق ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو زمین پر گرا دیا لیکن ہاتھی جس طرف مڑتے تھے۔ صف کی صف پس جاتی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے دیکھا کہ ایک سفید ہاتھی جو سب کا سردار ہے اگر اس کو ختم کر دیا جائے تو جنگ کا پانسہ پلٹ سکتا ہے آپؓ نے اس کی سونڈ پر تلوار ماری تو وہ مستک سے الگ ہوگئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر ان کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیئے۔ اس طرح حضرت ابوعبیدہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کے بعد ان کے مقرر کردہ سات آدمیوں نے علم ہاتھ میں اٹھایا اور باری باری اس سفید ہاتھی کے ہاتھوں شہید ہوتے گئے۔ فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت سے آدمی مارے گئے۔ آخر میں حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی تھی۔

(شبلی نعمانی)

اس صورت حال کی اطلاع حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچی تو آپؓ سخت برہم ہوئے اور نہایت زور و شور سے حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپؓ نے تمام عرب میں خطیب اور نقیب بھیجے جنہوں نے پر جوش اور جرأت آموز تقریروں سے پورے عرب میں اک آگ لگا دی۔ ہر طرف سے عرب قبائل لڑائی کے لیے امڈ آئے۔ ادھر حضرت مثنیٰؓ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ کوفہ کے قریب بویب نامی ایک مقام پر اسلامی فوجوں نے ڈیرے ڈالے۔ لڑائی شروع ہوئی

Marfat.com

گھمسان کا رن پڑا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اس فتح سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے آخری دن آ گئے ہیں۔ اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ خبر پہنچی تو فوراً حضرت مثنیٰؓ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آئیں۔ اس کے ساتھ ہی خود بڑے ساز و سامان کے ساتھ فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں کوئی بہادر اور صاحب تدبیر و تنظیم ہو فوراً دربار خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آ چکا تھا اس لیے حضرت عمرؓ خود مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ آپؓ ابھی حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل کا طوفان امڈ آیا۔

حضرت عمر فاروقؓ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا ایک جم غفیر نظر آتا تھا۔ آپؓ نے حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب و تنظیم سے آراستہ ہو، میں خود سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دوں گا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علیؓ کو خلافت کے کاروبار سپرد کیے اور خود مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر پہلا پڑاؤ کیا۔ یہاں کچھ صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں۔ اگر خدانخواستہ میدان دشمن کے ہاتھ رہا اور آپؓ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام شدید خطرے میں آ جائے گا۔ جب کہ کچھ صحابہ کرامؓ کی رائے اس سے مختلف تھی۔ تاہم آخری فیصلہ یہی ہوا کہ آپؓ سپہ سالاری کسی اور صحابیؓ کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ کافی سوچ بچار کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو سپہ سالاری کے فرائض سونپ دیئے گئے۔ تاہم حضرت عمر فاروقؓ اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، لشکر کی ترتیب اور فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق وقتاً فوقتاً حسب ضرورت احکامات بھیجتے رہے اور کوئی کام بھی ان کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ثعلبہ پہنچے۔ یہاں سے آگے چل کر شراف میں ڈیرے ڈالے۔ پھر آپؓ قادسیہ پہنچے۔ اب آپؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع بھجوائی اور ہدایت طلب کی۔ جواب آیا کہ اسلام کی طرف بلائیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

Marfat.com

نے سرداران قبائل سے چودہ نامور اشخاص منتخب کیے۔ یہ لوگ جب دشمن کے سردار کے پاس پہنچے اور اسلام کا پیغام پہنچایا تو پہلے تو وہ غصے ہوا پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ حضرت عاصم بن عمرؓ نے بڑھ کر اپنا نام لیا تو ملازمین نے وہ ٹوکرا ان کے سر پر رکھ دیا۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک ہو۔ دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دے دی۔ اس واقعہ کے کئی ماہ بعد تک دونوں طرف سکوت رہا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق در جوق سردار کے پاس پہنچ کر مطالبہ کرنے لگی کہ ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جا رہے ہیں۔ چاروناچار رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا۔ وہ ساٹھ ہزار کی فوج لے کر ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا اس نے ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام پیغام بھیجا کہ اپنے کسی نمائندے کو صلح کی بات چیت کے لیے روانہ کرو۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ حضرت ربعی بن عامرؓ نے رستم کے تخت کے قریب پہنچ کر اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ فرش کو پار کر کے زمین میں گڑ گیا۔ رستم نے پوچھا "اس ملک میں کیوں آئے ہو؟" انہوں نے جواب دیا "اس لیے کہ مخلوق کی بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔" رستم نے کہا "میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔" اخیر سفارت میں حضرت مغیرہؓ گئے۔ مغیرہؓ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر رستم سے کہا "اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا۔" رستم غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا "آفتاب کی قسم! کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔" حضرت مغیرہؓ اٹھ کر چلے آئے اور یوں صلح کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

جب دونوں فوجیں آراستہ ہو چکیں تو پہلے نامور بہادروں نے دونوں طرف سے اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں کا استعمال زیادہ کیا۔ جس سے عربی گھوڑے بدکے اور منتشر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ رہے

Marfat.com

تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے قبیلہ تمیم کو جو نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی۔ یہ سن کر وہ دفعتاً بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ شام تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔

اگلے دن لڑائی پھر شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آ پہنچی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کیں اسی زمانے میں حضرت ابوعبیدہؓ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اسے حکم دو کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی فوج سے جا کر مل جائے چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اس میں چھ ہزار سپاہی تھے۔

حسب معمول پہلے دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ اس دوران بہمن بھی مارا گیا۔ پھر عام لڑائی شروع ہوئی۔ عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر فاروقؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کے لیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کر سکیں۔ اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ (شبلی نعمانی)

اگلا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں گھمسان کا رن پڑا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے اپنے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر ایسی پرجوش تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ سی لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں نکال لیں۔ تمام فوج اس جوش کے ساتھ سیلاب کی طرح بڑھی کہ رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ چلا۔ ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے آ گئی۔ رستم نے نہر میں چھلانگ لگا دی۔ سپاہی نے بھی رستم کے پیچھے نہر میں چھلانگ لگا دی اور رستم کو ٹانگوں

سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا اور پھر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ (بلاذری)

ایرانیوں نے جب یہ دیکھا کہ تخت سپہ سالار سے خالی ہے تو تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

اب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قدسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے ہی مدینہ سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ آخر ایک دن قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آ ہی گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی اور نہایت جامع، بلیغ اور پر اثر تقریر فرمائی۔

آپؓ کی تقریر کے آخری جملے یہ تھے۔ ''مسلمانو میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں غلام بناؤں۔ میں خود خدا کے غلام کا غلام ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین اور سکون سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پہ حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔''

یوں حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں شام، مصر، عراق، جزیرہ، خوزستان، آرمینیا، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران فتح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے اور یہ سب کچھ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی عسکری حکمت عملی، سپہ سالارانہ تدبر، قابل فخر قوت فیصلہ اور ارفع و اعلیٰ نظام تدبیر و تنظیم کا نتیجہ تھا۔ آپؓ نے جنگی حوالے سے ہر قسم کی تیاری اور ہر چھوٹی بڑی بات کا خیال رکھنے میں انتہائی دور بینی اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا۔ آپؓ نہ صرف لشکر کی روانگی اور اس کی پیشقدمی و پسپائی جیسے مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے بلکہ سپہ سالاران اسلام کو جنگ کے خطوط متعین کرنے میں مشورے بھی دیتے تھے یہاں تک کہ اکثر اوقات خود ہی جنگ کی ساری پالیسی مرتب کر کے بھیجتے تھے۔ پھر جب کوئی شہر یا ملک فتح ہو جاتا تو اس کے لیے مفصل سیاست کاری اور ضروری اصلاحات کے لیے احکام بھی خود حضرت عمر فاروقؓ ہی ارسال فرماتے تھے۔

Marfat.com

خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فتوحات کے ساتھ ساتھ حکومت کے نظم ونسق پر بھی خاص توجہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؓ کی شہادت تک حکومت کے مختلف شعبے وجود میں آ چکے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ نے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس میں مجلس شوریٰ کا انعقاد خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ کوئی امر بغیر مشاورت اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ مسلمانوں کے دونوں سرکردہ گروہ یعنی مہاجرین اور انصار کے ارکان مجلس شوریٰ میں لازمی طور پر شریک ہوتے تھے۔ مجلس شوریٰ کے انعقاد کا طریق کار یہ تھا کہ سب سے پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی سب لوگ نماز کے لیے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دو رکعت نماز ادا کی جاتی تھی۔ نماز کے بعد حضرت عمر فاروقؓ منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا۔ (طبری)

معمولی اور روزمرہ کے معاملات میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی ملکی اور غیر معمولی اہم امر پیش نظر ہوتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام منعقد کیا جاتا تھا اور متفقہ فیصلہ کیا جاتا تھا۔ مثلاً عراق وشام کے فتح ہو جانے پر جب بعض صحابہ کرامؓ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں تو اس کے فیصلہ کے لیے بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی۔ کئی دن تک اس مجلس کے اجلاس ہوتے رہے اور حاضرین نے نہایت آزادی اور بے باکی سے تقریریں کیں۔

اسی طرح جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے جس کثرت سروسامانی کے ساتھ تیاری کی اس کے پیش نظر خود خلیفہ وقت کا اس مہم میں جانا ضروری سمجھا جانے لگا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں حضرت طلحہ بن عبداللہؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور دوسرے اکابر صحابہ کرامؓ نے تقاریر کیں اور رائے دی کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے بھی اس رائے کی تائید کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ خود موقع جنگ پر نہ جائیں۔

Marfat.com

یہی صورت فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب، عمال کا تقرر، غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص کے وقت بھی اختیار کی گئی بلکہ حضرت عمر فاروقؓ نے مختلف موقع پر صاف صاف فرمایا کہ: ''لاخلافۃ الاعن مشورۃ'' یعنی مشورہ کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر انتہائی خاص اور اہم ضرورت کے تحت منعقد ہوتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جس میں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں منعقد ہوتی تھی۔ صوبہ جات اور اضلاع سے روزانہ موصول ہونے والی خبروں کو حضرت عمر فاروقؓ اس مجلس میں بیان فرماتے تھے اور اگر کوئی بحث طلب یا مشورہ طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے رائے لی جاتی تھی اور باقاعدہ استصواب سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا فیصلہ اسی مجلس میں ہوا تھا۔ (بلاذری)

مجلس شوریٰ کے اراکین کے علاوہ عام رعایا کو بھی انتظامی امور میں رائے کی آزادی حاصل تھی۔ صوبہ جات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کیے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات انتخاب کا مکمل طریق کار اپنایا جاتا تھا۔ کوفہ، بصرہ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کیے جانے لگے تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص منتخب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانتدار اور قابل ہو۔ چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد، بصرہ سے حجاج بن علاط اور شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر فاروقؓ نے انہی کو ہی مقرر فرمایا۔ (قاضی ابو یوسف)

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اس کو حضرت عمر فاروقؓ کی جانب سے ایک فرمان ملتا تھا جس میں اس کی تقرری اور اختیارات کے علاوہ اس کے فرائض کا بھی ذکر ہوتا تھا اور عامل کا فرض تھا کہ اپنے ہیڈ کوارٹر پر تمام لوگوں کو جمع کر کے فرمان سنائے تا کہ لوگ اس کے فرائض سے نہ صرف آگاہ ہوں بلکہ جب وہ اپنے اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھے تو اسے روکیں۔ ایک خطبہ میں حضرت عمر فاروقؓ نے عاملوں کو خطاب کر کے کہا

Marfat.com

''میں نے تمہیں رعایا پر سخت گیر اور جابر حاکم بنا کر نہیں بھیجا بلکہ امان بنا کر بھیجا ہے تا کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم ان کے حقوق ادا کرو اور ان کے لیے اپنے دروازے بند نہ رکھو۔ نیز اپنے دروازے پر کوئی دربان مقرر نہ کرو۔ ورنہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں گے۔ اپنے آپ کو کسی بات پر رعایا سے ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر سراسر ظلم ہے۔ تم میں سے جو اچھے طریقے پر چلے گا اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا اور جو بے انصافی کرے گا اسے ہم سزا دیں گے۔'' (کتاب الخراج)

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں۔ اس موقع پر تمام اطراف سے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہو کر اعلان کرتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو، پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں ہوتیں اور تحقیقات کر کے ان کا تدارک کیا جاتا تھا (طبری) جمہوری اور اسلامی حکومت کی اصل شناخت یہ ہے کہ خلیفہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو۔ ملک کی آمدنی میں ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے۔ اور ہر شخص کو اس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو۔ ایک موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''مجھ کو تمہارے مالِ یعنی بیت المال میں اسی قدر حق ہے جتنا یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لیے لوں گا۔ میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جن کا تمہیں مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا جمع نہ کیا جائے اور نہ ہی بے جا صرف کیا جائے۔'' خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں صیغہ عدالت پر بھی خاص توجہ دی اور عدالتوں کے لیے ایسے قاضی مقرر کیے جو ہر لحاظ سے اس عہدہ کے اہل تھے۔ اس کے لیے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں اور کاروبار عدالت کے لیے اصول و ضوابط مقرر فرمائے تا کہ عدالت کا کام بحسن و خوبی چلے اور ہر کسی کو انصاف میسر آ سکے۔ عدالت و انصاف کا ایک اہم لازمی عنصر عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوان عدالت میں شاہ و گدا،

Marfat.com

امیر وغریب سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریق مقدمہ بن کر گئے۔

حضرت عمر فاروق کی ایک ایجاد یہ ہے کہ آپؓ نے مجرموں کو قید میں رکھنے کے لیے جیل خانے بنوائے ورنہ اس سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ (مقریزی)

حضرت عمر فاروقؓ نے پہلے پہل مکہ معظّمہ میں صفوان ابن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرایدا اور اس کو جیل خانہ بنایا پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ (فتوح البلدان)۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمر فاروقؓ کی ایجاد ہے۔ چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سزا دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔ (اسد الغابتہ)

حضرت عمر فاروقؓ نے دارالخلافہ کے علاوہ تمام صوبوں اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کیے۔ بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا۔ اور اس کے لیے علیحدہ افسر مقرر کیے جاتے تھے مثلاً: اصفہان میں خالد بن حرث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود بیت المال کے خاص افسر تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اگرچہ تعمیر کے حوالے سے کفایت شعاری سے کام لیتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں۔ صوبوں اور اضلاع میں بیت المال تھے ان کا انتظام یہ تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لیے ضروری ہوتی تھی وہ رکھ لی جاتی تھی۔ باقی رقم سال کے اختتام پر مدینہ منورہ کے مرکزی بیت المال بھیج دی جاتی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ وقتاً فوقتاً بیت المال کے افسران کو ہدایات بھی جاری فرمایا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

حضرت عمر فاروقؓ نے فوج کے حوالے سے بھی بہت سی ایجادیں کیں جن کا عرب میں پہلے وجود نہیں تھا۔ مثلاً: ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ ایک محاسب ایک قاضی اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح بھی فوج کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ اسی طرح قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے

Marfat.com

ذریعے سے فتح کیے گئے۔ اس کے علاوہ فوجی انتظام کے ضمن میں جو بات سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے وہ یہ ہے کہ باوجود یہ کہ بے شمار افواج تھیں اور اس میں مختلف ممالک، مختلف قبائل اور مختلف طبائع کے لوگ تھے۔ مزید یہ کہ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دار الخلافہ کا فاصلہ سینکڑوں ہزاروں کوس تھا مگر صورتحال یہ تھی کہ تمام فوج کے بارے جملہ معلومات حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتی تھیں۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا گویا آپؓ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس متعین کر رکھے تھے اور یوں فوج کی ایک ایک بات کی خبر آپؓ تک پہنچتی تھی۔ اس انتظام سے حضرت عمر فاروقؓ فوج میں کسی قسم کی بے اعتدالی کا فوری تدارک کر دیتے تھے۔ (طبری)

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں قضاۃ کا تقرر ایک اہم قدم تھا جو مملکت کے بدلتے ہوئے حالات میں ضرورت کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ آپؓ نے عدالت کو انتظامیہ سے یکسر علیحدہ کر دیا اور قاضی کی ایک خاص حیثیت ہو گئی جسے ہر قسم کی عزت و احترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے قاضی اس وقت مقرر کیے جب مملکت کے ہمہ گیر مسائل کی وجہ سے انفرادی مقدمات کی سماعت کے لیے آپؓ کے پاس وقت نہ رہا۔ اس بناء پر قاضیوں کا تقرر حکومت کی تنظیم کے ضمن میں ایک نیا قدم تھا۔ اس اقدام کا ایک اور بھی سبب ہوا اور وہ یہ کہ جب مدینہ دار الحکومت قرار دیا گیا اور خراج و غنیمت کی بہتات نے وہاں آسودگی اور خوشحالی پیدا کی تو لوگ کثرت سے وہاں آباد ہونے لگے آبادی کی کثرت کے باعث چھوٹے موٹے جھگڑوں نے جنم لیا چنانچہ مدینہ کی بھرپور آبادی و خوشحالی کے بعد اس کے سوا چارہ نہ رہا تھا کہ انفرادی لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک شخص مخصوص کر دیا جائے تا کہ امیر المومنینؓ اپنی توجہ ان مسائل پر صرف کر سکیں جو اس سے زیادہ اہم اور نازک ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس سلسلے میں سب سے پہلے مدینہ کے عدالتی فرائض کی ذمہ داری حضرت ابوالدرداؓ کے سپرد فرمادی اور انہیں قاضی کے نام سے موسوم کر دیا تا کہ لوگ اگر اپنے مقدمے لے کر ان کے پاس آئیں تو وہ ان کا فیصلہ فرمادیں۔ پھر جب کوفہ اور بصرہ آباد ہو گئے اور

Marfat.com

عربوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی تو لوگوں کے باہمی تنازعات کے فیصلوں کے لیے قاضی کا تقرر کیا گیا اسی طرح مصر فتح ہوا تو وہاں بھی قاضی مقرر کیا گیا بعد ازاں اور قاضی بھی مختلف مقامات پر مقرر کیے گئے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے قضاۃ کے انتخاب میں اپنی اعلیٰ ذہنی و انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ فقہ و شریعت کے عالم تھے اور اس میدان میں ان کی نظر اتنی گہری تھی کہ اور کوئی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے ''حضرت عمرؓ کا علم اگر ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور عرب کے تمام قبائل کا علم دوسرے پلڑے میں تو بھی حضرت عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا'' (محمد حسین ہیکل) یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے مکاتب و اقوال اس امر کی زندہ شہادت ہیں کہ قضا اور اس کے اصول و احکام پر آپؓ کی نظر کتنی وسیع تھی اس ضمن میں قاضی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا ایک خط گویا آداب قضا کا ایک لاثانی اور بے مثال نمونہ ہے۔ اس خط کو علامہ ابواسحاق شیرازی نے ''طبقات الفقہا'' میں اور علامہ بیہقی و ماوردی اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس خط میں حضرت عمر فاروقؓ نے لکھا ہے ''جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھو اور جب صحیح نتیجے پر پہنچ جاؤ تو اسے نافذ کر دو کیونکہ زبانی فیصلہ بے سود ہے تاوقتیکہ اسے عملاً نافذ نہ کیا جائے۔ مدعی اور مدعا علیہ کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو کسی فریق سے بات کرنے یا عدالت میں بٹھانے یا انصاف کرنے میں کوئی امتیاز نہ برتو تا کہ زوردار یہ توقع نہ کرے کہ تم اس سے رعایت برتو گے اور کمزور کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ تم اس کے ساتھ ناانصافی سے پیش آؤ گے جو شخص دعویٰ کرے اس سے گواہ مانگے جائیں اور جو دعویٰ نہ مانے اس سے قسم لی جائے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے حرام حلال اور حلال حرام نہ ہو جائے۔ اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا اور پھر اس سے بہتر فیصلہ تمہاری عقل نے تمہیں سمجھا دیا تو اپنے پہلے فیصلے کو رد کر سکتے ہو۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور وہ تمہیں قرآن و حدیث میں نہ ملے تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو اور اس کے امثال و نظائر کو اچھی طرح ذہن نشین کر کے قیاس

آرائی سے کام لو اگر کوئی شخص اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے مہلت مانگے تو اسے مہلت دو اور اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس کا حق دلوا دو ورنہ مقدمہ خارج کر دو اس سے شک مٹے گا۔ اور ظلم و ستم کی سیاہی دور ہو گی۔ تمہاری چھپی ہوئی بداعمالیوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے۔ دنیا میں قانونی سزا سے بچنے کے لیے اس نے گواہی اور حلف ضروری قرار دیا ہے۔ خبردار! تمہارے دل میں اہل مقدمہ سے خفگی، اکتاہٹ یا چڑچڑاپن پیدا نہ ہو جس کسی نے اپنی نیت درست رکھی، اس کے اور لوگوں کے درمیان اللہ کافی ہے اور جو ان سے بناوٹی اخلاق سے پیش آیا اس کے لیے اللہ سے رزق و رحمت کی امید نہ رکھو۔"

حضرت عمر فاروقؓ کا یہ خط واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ آپؓ بڑے بالغ النظر فقیہہ تھے بلکہ آج کل کی اکثر مہذب قوموں کا نظام عدالت انہی خطوط پر استوار ہے جو حضرت عمر فاروقؓ نے متعین فرمائے تھے۔ قضاۃ کو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے عدل و انصاف کے جملہ تقاضے پورے کرنے کی تلقین صرف زبانی کلامی یا تحریری ہی نہیں بلکہ اس کی عملی صورت خود ان کی اپنی ذاتؓ میں تمام تر توانائیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ وہ مملکت کے ایک عالم آدمی کی طرح دوسروں کو اپنے پر تنقید کا حق پوری صداقت کے ساتھ دیتے تھے کوئی بھی شخص کسی بھی لمحے آپؓ کے کسی عمل کے بارے میں پوچھ سکتا تھا۔ اور آپؓ اس کی بات پر نہ صرف تحمل اور بردباری سے توجہ دیتے تھے بلکہ اپنے آپ کو عوام کے روبرو جوابدہ سمجھتے ہوئے اس کا نہ صرف تسلی بخش جواب دیتے تھے بلکہ اگر کسی قسم کے ازالے کی صورت نکلتی تو اس کا ازالہ بھی کرتے تھے۔ اس ضمن میں علامہ شبلی نعمانی نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی حیات مبارکہ کا ایک مثالی واقعہ یوں نظم کی صورت میں قلمبند کیا ہے۔

ایک دن حضرت فاروقؓ نے منبر پر کہا
میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کرو گے منظور
ایک نے اٹھ کر کہا یہ کہ نہ مانیں گے کبھی
کہ ترے عدل میں ہم کو نظر آتا ہے فتور

Marfat.com

چادریں مال غنیمت میں جو اب کے آئیں
صحن مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور
ان میں ہر ایک کے حصہ میں فقط اک آئی
تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور
اب جو یہ جسم پر تیرے نظر آتا ہے لباس
یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہو گا ضرور
مختصر تھی وہ ردا اور تیرا قد ہے دراز
ایک چادر میں ترا جسم نہ ہو گا مستور
اپنے حصہ سے زیادہ جو لیا تو نے اب
تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور
گرچہ وہ حد مناسب سے بڑھا جاتا تھا
سب کے سب مہر بہ لب تھے چہ اناث و چہ ذکور
روک دے کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال
نشہ عدل و مساوات سے سب تھے مخمور
اپنے فرزند سے فاروق معظمؓ نے کہا
تم کو ہے حالت اصلی کی حقیقت پہ عبور
تم دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب
کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں میرا رب غفور
بولے یہ ابن عمرؓ سب سے مخاطب ہو کر
اس میں کچھ والد ماجد کا نہیں جرم و قصور
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس
کر سکی اس کو گوارا نہ میری طبع غیور
اپنے حصے کی بھی میں انہیں چادر دے دی
واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اٹھ کے ہاں اے فاروقؓ
حکم دے ہم کو، اب ہم اُسے مانیں گے ضرور

خلافت فاروقیؓ میں کبھی بال برابر بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا حالانکہ آپؓ کا رعب اور دبدبہ اور جاہ و جلال انتظام سلطنت اور انصرام مملکت کے حوالے سے مثالی تھا مگر جب آپؓ کے خلاف ایک مدعی نے مقدمہ دائر کر دیا تو آپؓ نے انتہائی تحمل اور بردباری کے ساتھ کسی لاؤ لشکر کے بغیر تن تنہا مدعی کے ہمرکاب قاضی کے گھر کے باہر گھنٹوں انتظار کیا تاکہ قاضی اپنے کام سے فارغ ہو تو مقدمے کی کارروائی کا آغاز کیا جا سکے۔

مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی تو آپؓ نے اپنی صفائی بیان کرنا چاہی تھی کہ قاضی نے آپؓ کو بولنے سے روک دیا کیونکہ بولنے کا پہلا حق مدعی کا ہے۔ اب مدعی نے بتایا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اس کے مکان کا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب پرنالہ اتروا دیا ہے حالانکہ وہ ایسا پرنالہ تھا جو اس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور اصرار کی تعمیل میں لگایا تھا۔

مدعی سے جب اس امر کی شہادت کے بعد قاضی شہر حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا بیان ریکارڈ کرانے کی اجازت دی تو آپؓ نے فرمایا۔ ''میں نے پرنالہ اس لیے وہاں سے ہٹایا کیونکہ اس کی چھینٹیں نمازیوں پر پڑتی تھیں تاہم اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ پرنالہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لگایا گیا تھا جس کا مداوا میں خود تجویز کرتا ہوں کہ اب مدعی میرے کندھوں پر سوار ہو کر پرنالہ واپس اسی جگہ لگائے گا جہاں سے اتارا گیا ہے۔''

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کفر کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دینے والا عظیم حکمران حضرت عمر فاروقؓ سر جھکائے کھڑا تھا جب کہ اس کے کندھوں پر مدعی سوار تھا اور پرنالہ لگا رہا تھا۔ اس سے نہ صرف انصاف کے تقاضے پورے ہو رہے تھے بلکہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عمل ہو رہا تھا۔ پرنالہ کی تنصیب تکمیل پذیر ہوئی تو مدعی حضرت عباسؓ نے

Marfat.com

حاکم وقت امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا ''اے عمرؓ! میں آپؓ سے اس جسارت پر معافی کا خواستگار ہوں اب چونکہ مجھے انصاف مل گیا ہے اس لیے میں برضا و مسرت اپنا سارا مکان اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں۔ آپؓ اسے گرا کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل فرمالیں'' (امام جمال الدین ابن جوزی) کیا آج بھی کوئی ایسا حکمران ہے جو خلفائے راشدین کے دور کی یاد تازہ کرے!

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ بیمار پڑے۔ علاج میں شہد تجویز ہوا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ آپؓ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لے گئے اور لوگوں سے کہا ''اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔'' حضرت عمر فاروقؓ کی حیات مستعار میں ایک قابل ذکر بات یہ تھی کہ اگرچہ آپؓ کو بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے اور اس کے لیے آپؓ کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی تھے جو بظاہر شان خلافت کے خلاف معلوم ہوتے تھے لیکن آپؓ کو کسی کام سے عار نہ تھا۔ روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے آپؓ اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدیر اور عسفان مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے۔ آپؓ کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے اور یوں حضرت عمر فاروقؓ خود اپنے ہاتھ سے ان میں روزینے تقسیم فرماتے تھے۔ (فتوح البلدان) ابن طبری نے ابوحذیفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپؓ کا معمول تھا مجاہدین کے گھروں پر تشریف لے جاتے تھے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں۔ وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں۔ حضرت عمر فاروقؓ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالے کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور مجاہدین کے خطوط لاتا تو حضرت عمر فاروقؓ خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس آجائے گا تم جواب لکھ رکھو تا کہ وقت پر روانہ ہو جائے۔ کاغذ، قلم، دوات خود مہیا کر دیتے اور جس کے گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا حضرت عمر فاروقؓ خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے، لکھتے جاتے۔

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ کو رعایا کے آرام و آسائش اور خبر گیری میں از حد دلچسپی تھی۔ ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا اور شہر کے باہر اترا۔ آپؓ اس کی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ ادھر متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شیر خوار بچہ ماں کی گود میں رو رہا ہے۔ ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر بعد ادھر گزرے تو بچے کو پھر روتا پایا۔ ماں سے بچے کے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو وہ کہنے لگی "دراصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں، بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس غرض سے اس کا دودھ چھڑاتی ہوں اور اس وجہ سے یہ روتا ہے" حضرت عمر فاروقؓ انتہائی رنجیدہ خاطر ہوئے اور اگلے دن ہی منادی کرادی کہ بچے جس تاریخ سے پیدا ہوں اسی دن سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ (ابن جوزی)

حضرت عمر فاروقؓ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ رات کو گشت کے لیے نکلے۔ مدینہ سے 3 میل کے فاصلے پر صرار نامی ایک مقام ہے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ آپؓ نے پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی تو اس نے بتایا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے۔ ان کے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر آگ پر چڑھا دی ہے تاکہ بچوں کا دل بہل جائے اور وہ سو جائیں۔

حضرت عمر فاروقؓ اسی وقت اٹھے اور مدینہ منورہ آ کر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں اور مجھ سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھو۔ میں نے کہا کہ میں لیے چلتا ہوں حضرت عمر نے فرمایا کہ یاد رکھو قیامت میں میرا بار تم نہ اٹھاؤ گے۔ غرض حضرت عمر فاروقؓ سب چیزیں خود لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں۔ اس نے آٹا گوندھا اور ہانڈی چڑھائی۔ حضرت عمر فاروقؓ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر فاروقؓ انہیں دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ (شبلی نعمانی) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ رات کو میرے مکان پر آئے میں نے کہا "آپؓ نے

کیوں تکلیف کی مجھ کو بلا لیا ہوتا۔''

فرمایا'' ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اترا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہوں گے۔ آؤ ہم دونوں چل کر پہرہ دیتے ہیں۔'' چنانچہ دونوں صاحبان وہاں گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ (طبری) حضرت عبداللہ بن زید بن اسلم نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ''میں حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ تھا اور آپؓ مدینہ منورہ کا گشت لگا رہے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کسی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ناگاہ ایک عورت اپنی ایک بیٹی سے کہتی ہوئی سنائی دی ''بیٹی! جلدی کر، جلدی کر، دودھ میں پانی ملا دے۔'' لڑکی بولی ''ماں! تم نے سنا نہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے آج منادی کرادی ہے کہ کوئی دودھ میں پانی نہ ملائے۔'' ماں نے کہا ''بیٹی! حضرت عمر فاروقؓ یا ان کا کوئی آدمی تھوڑی دیکھ رہا ہے۔ تو جلدی سے پانی ملا دے۔'' بیٹی نے جواب دیا ''ماں! میں ہرگز دودھ میں پانی نہیں ملاؤں گی۔ نہ میں کھلے بندوں گناہ کروں گی نہ چھپ کر۔ اگر حضرت عمر فاروقؓ نہیں دیکھ رہے تو خدا تو دیکھ رہا ہے۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے مجھے فرمایا ''اسلم! ذرا اس جگہ کو ذہن میں رکھنا اور اس مکان کو مت بھول جانا۔'' صبح ہوئی تو حضرت عمر فاروقؓ نے مجھے بھیجا کہ پتہ کروں کہ وہ لڑکی کون تھی اور ماں کون تھی اور یہ بھی کہ کیا گھر کو دیکھنے بھالنے کے لیے کوئی مرد نہیں ہے۔ میں نے پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ لڑکی کنواری تھی اور اس کی ماں بیوہ تھی۔ میں نے تمام صورت حال سے حضرت عمر فاروقؓ کو آگاہ کیا۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بیٹوں کو طلب کیا اور پوچھا ''تم لوگوں میں جو بھی شادی کرنا چاہتا ہو مجھے بتائے تاکہ میں اس کے لیے مناسب لڑکی کا بندوبست کردوں'' حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالرحمن دونوں کی شادیاں ہو چکی تھیں البتہ حضرت عاصم نے کہا ''ابا جان میری شادی کرا دیجیے۔'' حضرت عمر فاروقؓ نے دودھ فروش لڑکی کو بلوایا اور پھر اس کی والدہ سے رشتہ کی بات کر کے اپنے بیٹے عاصم سے اس کی شادی کر دی۔ (ابن جوزی)

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ایک رات مدینہ کا گشت لگا رہے تھے۔ چلتے چلتے

Marfat.com

آپؓ ایک لق ودق میدان میں آپؓ کو ایک تازہ بنا ہوا پھوس کا مکان دکھائی دیا۔ امیر المومنینؓ قریب ہوئے تو آپؓ کو کسی عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔ ایک مرد بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے نزدیک جا کر سلام کیا اور اس سے سوال کیا کہ وہ کون ہے اور صحرا میں کس لیے پڑا ہے؟

اس مرد نے جواب دیا: ''میں ایک بادیہ نشین ہوں۔ یہاں اس لیے آیا ہوں کہ امیر المومنین کے جود وسخا سے فیض پاؤں۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا ''مگر یہ آواز کیسی تھی؟'' بادیہ نشین نے جواب دیا ''آپ اپنا کام کیجیے۔'' حضرت عمر فاروقؓ کا اصرار بڑھا تو اس نے کہا: ''میری بیوی دردزہ میں مبتلا ہے۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا ''تمہاری بیوی کے پاس اس وقت کوئی اور نہیں؟''

آدمی نے جواب دیا ''نہیں کوئی اور نہیں۔'' اب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سیدھے اپنے مکان پر پہنچے اور آ کر اپنی بیوی حضرت ام کلثومؓ سے کہا ''ایک ثواب کا کام ہے کرو گی؟'' حضرت ام کلثومؓ نے پوچھا ''کیا ہے۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''ایک غریب الدیار عورت ہے۔ اس وقت وہ تن تنہا ہے اور دردزہ میں گرفتار ہے۔'' حضرت ام کلثومؓ نے کہا ''اگر آپؓ کو منظور ہے تو میں چلتی ہوں۔'' امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''اپنے ساتھ وہ تمام چیزیں بھی لیتی چلو جو ولادت کی صورت میں درکار ہوتی ہیں۔'' خود حضرت عمر فاروقؓ آگے آگے اور آپؓ کی زوجہ مطہرہ حضرت ام کلثومؓ پیچھے پیچھے چل پڑیں اور یوں دونوں مطلوبہ جگہ پہنچ گئے۔

اب حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ام کلثومؓ سے فرمایا: ''تم اس عورت کے پاس چلی جاؤ۔'' حضرت عمر فاروقؓ خود اس بادیہ نشین کے پاس بیٹھ گئے اور اسے آگ دہکانے کو کہا۔ آگ دہک اٹھی۔ اتنے میں اندر سے حضرت ام کلثومؓ نے آواز دی۔ ''امیر المومنینؓ! اپنے ساتھی کو بتا دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹا عطا کیا ہے۔'' اس آدمی نے امیر المومنینؓ کا لقب سنا تو ڈر سا گیا لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اسے تسلی دی۔ آپؓ

Marfat.com

نے انہیں کھانے پینے کی چیزیں دیں اور واپسی پر اس بادیہ نشین سے فرمایا ''کل صبح ہمارے پاس آجانا تا کہ ہم تمہارے لیے ایسے احکامات نافذ کردیں کہ تمہارے حالات بالکل ٹھیک ہو جائیں۔'' اس آدمی نے ایسا ہی کیا اور حضرت عمر فاروقؓ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ (محمد حسین ہیکل)

حضرت سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے پوچھا ''آپ جمعہ کی نماز میں کیوں نہیں آتے؟'' اس نے بتایا ''میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھے راستہ بتائے۔'' حضرت عمر فاروقؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے کہ آپؓ نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا۔ اس کے پاس جا کر کہا ''کھانا داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' اس نے کہا کہ جنگ موتہ میں میرا دایاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ازحد دکھ ہوا۔ آپؓ اس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے: ''افسوس! تمہیں وضو کون کراتا ہوگا؟ کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر آپؓ نے اس کے لیے ایک نوکر مقرر کر دیا اور تمام ضروری اشیاء بھی مہیا کر دیں۔

اگرچہ خلافت فاروقی کا دور اس قسم کے واقعات سے مزین ہے مگر یہاں چند واقعات بیان کیے گئے ہیں جن سے آپؓ کی عملی سیاست، عدل و انصاف، شب گردیاں، رعایا کی خبر گیری اور طرز خلافت اور تنظیم حکومت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کے باوجود بھی حضرت عمر فاروقؓ لمحہ لمحہ رب ذوالجلال سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں رعایا کا کوئی فرد ان سے شاکی نہ ہو، کہیں کسی کا حق نہ رہ جائے اور کہیں کسی کی دادرسی، غم خواہی اور مدد و استعانت میں دیر نہ ہو جائے۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ بک بڑھیا کے نزدیک سے گزرے اور اس سے حال احوال دریافت فرمایا بڑھیا نہیں جانتی تھی کہ آپؓ امیر المومنینؓ ہیں۔ بڑھیا نے آپؓ سے پوچھا ''حضرت عمرؓ کا کیا حال ہے؟'' حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''وہ تو ابھی شام کے دورے سے واپس آئے ہیں۔''

Marfat.com

بڑھیا شکوے کے انداز میں کہنے لگی ''اللہ تعالیٰ ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے'' حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا ''کیوں کیا بات ہوگئی؟'' بڑھیا نے کہا ''جب سے حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے ہیں مجھے آج تک بیت المال سے کچھ بھی نہیں ملا'' حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے فرمایا ''عمرؓ کو تو تمہارا حال معلوم نہیں ہے'' بڑھیا کہنے لگی ''سبحان اللہ! یہ آپ نے کیا بات کہہ دی۔ جو شخص خلیفہ ہو اور پھر اس کو اس بات کی خبر نہ ہو کہ مشرق و مغرب کے درمیان کیا ہو رہا ہے؟ میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی'' بڑھیا کی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے بڑھیا سے فرمایا ''تم اپنی دادخواہی کتنی قیمت میں بیچ کر اپنے اس دعویٰ سے دستبردار ہو سکتی ہو؟ میں عمرؓ کو اس بات پر رضامند کر لوں گا'' بڑھیا کہنے لگی ''اے بندہ خدا! اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔''

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''میں تم سے مذاق نہیں کرتا'' آخر کار بڑھیا بیس درہم میں راضی ہو گئی اور حضرت عمر فاروقؓ نے بیس درہم ادا کر کے اس کی دادخواہی خرید لی۔ ابھی آپؓ اس معاملے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آ گئے اور آتے ہی کہنے لگے ''یا امیر المومنین السلام علیکم''۔

بڑھیا نے جب امیر المومنین کا لفظ سنا تو حیران و پریشان ہو گئی اور اس بات پر افسوس کرنے لگی کہ اس نے امیر المومنین کے سامنے ہی ان کی شکایت کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بڑھیا کی یہ کیفیت دیکھی تو اس سے فرمایا ''اے بڑھیا! تم افسوس نہ کرو۔ تم نے جو کچھ کہا بالکل ٹھیک کہا اور کوئی بات غلط نہیں کی۔ اس کے بعد حضر عمر فاروقؓ نے پوستین کے ایک ٹکڑے پر یہ تحریر لکھی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عبارت اس بات کے بارے میں ہے کہ عمرؓ نے فلاں بڑھیا سے اپنی خلافت کے ابتدائی دور سے لے کر اب تک اس کی دادخواہی بیس درہم میں خرید لی ہے۔ اب اگر وہ قیامت کے روز رب تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کرے تو عمرؓ اس سے بری ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس معاملے پر گواہ ہیں۔'' یہی خدا خوفی اور خدا ترسی تھی جو حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت کا طرہ امتیاز تھی اور حضرت عمر فاروقؓ کی یہ رعایا پروری محض مسلمانوں تک ہی

Marfat.com

محدود نہ تھی بلکہ آپؓ نے ذمی رعایا کو ان کے جملہ حقوق دیئے۔ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمر فاروقؓ فوراً اس کے بدل اس کے قاتل کو قتل کرنے کا حکم صادر فرماتے تھے۔ امام شافعیؒ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے جبرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو پتہ چلا تو آپؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل کو فوری طور پر مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالے کیا گیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا۔

مال اور جائیداد کے متعلق ذمیوں کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضہ میں تھیں۔ اسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔

مورخین کے مطابق آپؓ نے جو نئی باتیں ایجاد کیں ان میں سے بیشتر یہ ہیں۔ بیت المال قائم کیا، عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے، تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے، امیر المومنین کا لقب اختیار کیا، فوجی دفتر ترتیب دیا، دفتر مال قائم کیا، رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں، مردم شماری کرائی، پیمائش جاری کی، نہریں کھدوائیں، کوفہ، بصرہ، فسطاط، موصل اور دوسرے شہر آباد کرائے۔ مقبوضہ ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا، حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی، جیل خانہ قائم کیا، درے کا استعمال کیا، عشور کے علاوہ دریائی پیداوار پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیے راتوں کو گشت کر کے رعایا کے حالات دریافت کرنے کا طریقہ نکالا، پولیس کا محکمہ قائم کیا، جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، پرچہ نویس مقرر کیے، گھوڑوں میں نسلی تمیز قائم کی، مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بنوائے، بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کیے مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے، یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب چاہے کافر ہی کیوں نہ ہوں غلام نہیں بنائے جا سکتے، مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔ مکاتب قائم کیے،

Marfat.com

معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کیے، حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن پاک کی ترتیب پر آمادہ کیا، اور اپنے اہتمام سے اس کو پورا کیا، قیاس کا اصول قائم کیا، فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔ (موطا امام مالک) نماز تراویح جماعت سے قائم کی، شراب کی حد کے لیے کوڑے مقرر کیے۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی، نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا، اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا، ہجو کہنے پر تعزیر قائم کی۔

الغرض حضرت عمر فاروقؓ نے منصب خلافت سنبھالتے ہی اپنے آپ کو اللہ اور اس کے دین کی سربلندی اور سرفرازی کے لیے وقف کر دیا اپنی ذات اور اہل وعیال کی انہیں کوئی پرواہ نہیں تھی۔ آپؓ کا دل آپؓ کا ذہن اور آپؓ کا جسم اس بار عظیم کے اٹھانے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ جو قضا وقدر نے ان کے شانوں پر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ آپؓ فوج کے سپہ سالار تھے فقہائے اسلام میں آپؓ کو فقیہ اعظم کا درجہ حاصل تھا۔ آپؓ ایک ایسے مجتہد تھے جن کی رائے سند سمجھی جاتی تھی اور آپؓ کا اجتہاد تسلیم کیا جاتا تھا۔

آپؓ اعلیٰ وارفع منتظم اور بہترین منصرم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تجربہ کار سیاست دان بھی تھے آپؓ ایک صاحب نظر حکمران تھے جن کی عقل وحکمت نے آپؓ کے لیے مختلف النسل، مختلف اللسان اور مختلف المذاہب قوموں پر حکومت کرنا آسان بنا دیا تھا۔ آپؓ رعایا کے معاملات اس طرح سلجھاتے تھے۔ کہ لوگ آپؓ سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جاتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی ان خصوصیات کو دیکھتے ہوئے کوئی عجب نہیں اگر آپؓ کے عہد میں مسلمانوں کو سچے ایمان نے ابھارا ان کے دلوں میں شہادت فی سبیل اللہ کی تڑپ پیدا کی اور انہوں نے ایران، عراق، شام، مصر، اور دوسرے ممالک فتح کر لیے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے ان امتیازات کے پیش نظر کوئی حیرت نہیں اگر عرب، مغرب کی انتہائی حدود سے لے کر مشرق کے انتہائی سروں تک تمام دنیا کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ ابن شہاب کے بقول حضرت عمر فاروقؓ اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے کہ نابالغ قیدیوں کے علاوہ باہر کے عناصر مدینہ میں داخل ہو سکیں۔ اس حکم پر عمل درآمد ہوتا رہا کچھ عرصہ بعد یہ ہوا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے

Marfat.com

جوان دنوں کوفہ کے حاکم تھے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجا کہ وہ ان کے غلاموں کو جو بہت سے ہنر جانتا تھا مدینہ آجانے کی اجازت دے دیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اجازت دے دی کہ غلام کو مدینہ بلوالیا جائے اس غلام کا نام ابولولو تھا۔

علامہ طبری، ابن اثیر اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک روز بازار کا گشت لگانے نکلے تو راستے میں وہی غلام ابولولو ملا اور آپؓ سے کہنے لگا۔ ''امیر المومنین! مجھے مغیرہ بن شعبہؓ سے بچایئے۔ مجھ پر بہت زیادہ خراج ہے'' حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا ''تم کتنا خراج ادا کرتے ہو'' غلام نے جواب دیا ''دو درہم روزانہ'' حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا ''اور کام کیا کرتے ہو'' غلام نے کہا ''نجاری، نقاشی اور آہن گری'' حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''تمہارے پیشوں کو دیکھتے ہوئے خراج زیادہ معلوم نہیں ہوتا'' حضرت عمر فاروقؓ نے اس غلام سے پھر کہا ''سنا ہے تم ایسی چکی بنا سکتے ہو جو ہوا سے چلتی ہے'' غلام نے جواب دیا ''یہ بالکل صحیح ہے کہ میں ہوا سے چلنے والی چکی بنا سکتا ہوں''۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''تو پھر مجھے ایک چکی بنادو'' غلام بولا ''اگر میں زندہ رہا تو آپؓ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا جس کا چرچا مشرق سے مغرب تک ہوگا'' غلام یہ کہہ کر چلا گیا مگر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''اس غلام نے ابھی ابھی مجھے دھمکی دی ہے۔''

چند دن گزر گئے اور اس عرصہ میں ابولولو نے ایک دودھاری خنجر فراہم کر لیا، جس کا دستہ بیچ میں تھا اور دونوں طرف بڑی تیز دھاروں سے پھل تھے۔ اس کے بعد وہ نور کے تڑکے مسجد میں آیا اور ایک سمت چھپ گیا یہ 26ویں ذی الحجہ 23 ہجری بدھ کا دن تھا حضرت عمر فاروقؓ سورج طلوع ہونے سے پہلے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے کاشانہ خلافت سے نکل کر مسجد پہنچے، آپؓ کا معمول تھا کہ لوگوں کو نماز کے لیے جگاتے تھے۔ آپؓ لوگوں کو جگاتے ہوئے جیسے ہی غلام ابولولو کے نزدیک آئے وہ لعین آپؓ پر جھپٹا اور تیزی کے ساتھ آپؓ پر تیز دھار خنجر سے پے در پے وار کیے۔ ایک وار پسلیوں کے نچلے حصہ پر پڑا جس سے حضرت عمر فاروقؓ کی آنتیں نکل پڑیں۔ (ابن جوزی) اس کے بعد ابولولو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگا، نمازیوں میں ایک بے چینی سی پھیل گئی۔

Marfat.com

بہت سے لوگ اس لعین کو پکڑنے کے لیے دوڑے لیکن ابولولو نے کسی کا ہاتھ اپنے تک نہ پہنچنے دیا اور دائیں بائیں خنجر کے وار کرنے لگا حتیٰ کہ بارہ آدمی زخمی ہو گئے جن میں ایک قول کے مطابق چھ اور دوسرے قول کے مطابق نو جانبر نہ ہو سکے (محمد حسین ہیکل) آخر ایک شخص پیچھے سے آیا اور اپنی چادر اس پر ڈال کر اسے زمین پر گرا دیا۔ ابولولو کو یقین ہو گیا کہ وہ اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا چنانچہ جس خنجر سے اس نے حضرت عمر فاروقؓ کو مجروح کیا تھا۔ اسی خنجر سے اپنا کام بھی تمام کر لیا۔ جو وار حضرت عمر فاروقؓ کے زیر ناف پڑا تھا اس سے آنتیں کٹ گئیں اس لیے وہ مہلک ثابت ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ زخم لگنے کے بعد کھڑے نہ رہ سکے اور اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو کھڑا کر دیا انہوں نے قرآن پاک کی دو مختصر ترین سورتوں سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے دو محترم رفیقوں یعنی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے ہم پہلو حضرت عائشہ کے حجرے میں دفن کیے جائیں۔ چنانچہ جب حضرت عمر فاروقؓ راہی ملک عدم ہونے لگے تو اپنے صاحب زادے سے فرمایا ''عبداللہ! ام المومنین عائشہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ عمرؓ آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے دیکھو امیر المومنین نہ کہنا کیونکہ میں اب مسلمانوں کا امیر نہیں رہا پھر یہ کہنا کہ عمر درخواست پذیر ہے کہ آپؓ اسے ان کے دو محترم رفیقوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت عطا فرما دیجیے۔ جب حضرت ابن عمرؓ اپنے والد محترم کا پیغام لے کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بیٹھی رو رہی تھیں حضرت ابن عمرؓ نے سلام کے بعد عرض کیا: عمرؓ بن خطاب آپؓ سے اپنے دو محترم رفیقوں کے پہلوؤں میں دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں''۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''خدا گواہ ہے یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن آج میں حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں''۔ جب حضرت عبداللہؓ واپس آئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے پوچھا کیا خبر لائے ہو''۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا ''ابا جان جو آپؓ چاہتے تھے وہی ہوا۔ اجازت مل گئی''۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''الحمدللہ!

Marfat.com

آج کے دن اس سے زیادہ کوئی خبر بھی مجھے مطلوب نہ تھی"۔ اس کے بعد فرمایا "جب میری روح پرواز کرے تو میرا جنازہ لے کر مکان عائشہؓ تک لے جانا اور سلام عرض کرنے کے بعد کہنا کہ عمر بن خطاب اجازت طلب کرتا ہے اگر وہ اجازت دیں تو پھر مجھے اندر لے جانا اور اگر میرا جنازہ واپس کر دیں تو مجھے گورستان عمومی میں لے جا کر دفن کر دینا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں انہوں نے مجھے میرے اقتدار کی وجہ سے اجازت نہ دی ہو"۔ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ فکر بھی لاحق ہوئی کہ ان کے عزیز و اقارب ان کے مرنے کے بعد تجہیز و تکفین میں غلو سے کام نہ لیں۔ اس لئے وصیت فرما دی کہ انہیں نہ مشک سے نہلایا جائے نہ مشک ان کے قریب لایا جائے مجھے اوسط درجے کا کفن دیا جائے کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک مجھ میں کوئی بھلائی ہوگی تو وہ اسے اچھے لباس میں بدل دے گا اور اگر میں اس کے برعکس ہوا تو وہ مجھ سے چھین لے گا۔ میری قبر بھی معمولی ہونی چاہیئے۔ عورتیں میرے جنازے کے ساتھ نہ چلیں اور میری تعریف میں وہ باتیں نہ کہی جائیں جو مجھ میں نہیں ہیں اس لئے کہ اللہ مجھے زیادہ جانتا ہے جب تم میرا جنازہ لے کر نکلو تو تیز تیز قدم چلنا کیونکہ اگر مجھ میں اللہ کے نزدیک کوئی بھلائی ہے تو تم مجھے اس جگہ جلدی پہنچا دو گے جو میرے لئے زیادہ بہتر ہے"۔ حضرت عمر فاروقؓ کی یہ وصیتیں آپؓ کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ بن عمرؓ غور سے سن رہے تھے اور حضرت عمر فاروقؓ کا سر ان کے زانو پر تھا۔ جس وقت حضرت عمر فاروقؓ نے محسوس کیا کہ لقائے ربانی کا وقت آ گیا ہے تو بیٹے سے فرمایا "میرا رخسار زمین پر رکھ دو" حضرت عبداللہ نے فرمایا "کیا میرے زانو اور زمین میں کوئی فرق ہے۔" فرمایا "میرا رخسار زمین پر رکھ دے"۔

جب حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے نے باپ کا رخسار مبارک زمین پر ٹکا دیا تو آپؓ نے اپنے دونوں پاؤں ملائے اور فرمانے لگے "خدا نے مجھے نہ بخشا تو میرے لئے مصیبت ہی مصیبت ہے۔ بربادی ہی بربادی ہے"۔ آپ مسلسل یہی فقرہ دہراتے رہے حتیٰ کہ روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ میت کو غسل دینے کے بعد تین کپڑوں میں کفنایا اور پھر مسجد میں لایا گیا جہاں حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد

Marfat.com

لوگوں نے میت اٹھائی اور حضرت عائشہؓ کے دروازہ پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ''عمرؓ بن خطاب اپنے محترم رفیقوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں''۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ''بے کھٹکے چلے آؤ''۔

لوگ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں داخل ہوئے اور میت کو اس کی آخری آرام گاہ میں اتار دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سر مبارک شانہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے متوازی تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا سر مبارک شانۂ صدیقیؓ کے متوازی رکھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے میت کو قبر میں رکھا ان کے ساتھ پانچ ارکان شوریٰ حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت زبیر بن عوامؓ بھی قبر میں اترے۔ ان حضرات نے میت کو قبر میں اتار کر قبر پاٹ دی۔ باقی لوگ بھی قریب ہی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع تھے۔ غم ان کے دلوں کی تہہ میں اتر چکا تھا اور مایوسی نے ان کے حواس گم کر رکھے تھے۔ انہیں ایک ایسے شخص کی موت کا صدمہ کھائے جا رہا تھا جو لوگوں میں اپنی روشن مثال چھوڑ گیا۔ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے زمام خلافت سنبھالی تھی تو لوگ ان کی شدت اور جبروت سے ڈرے اور سہمے ہوئے تھے اس کے بعد انہوں نے دس برس اور چھ ماہ ان کے درمیان گزارے اور اس تمام مدت میں وہ سب سے زیادہ مشفق سب سے زیادہ عادل اور سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے امیر ثابت ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام و خواص کے دل روز بروز ان کی محبت کے اسیر ہوتے گئے۔

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ

آپؓ کا اسم مبارک عثمانؓ جبکہ کنیت ابوعبداللہؓ اور ابوعمروؓ۔ اسلام لانے کے بعد ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ رقیہؓ سے آپؓ کے ایک صاحبزادے عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے آپ کی کنیت ابوعبداللہؓ مشہور ہوئی (طبری، ابن سعد) سیدہ رقیہؓ سے پہلے آپؓ کے ایک صاحبزادے عمروؓ پیدا ہوئے جس کی وجہ سے آپؓ کی کنیت ابوعمروؓ ہوئی (ابن عبدالبر، ابن اثیر) آپؓ کا لقب ذوالنورین (دو نوروں والا) تھا۔ حافظ ابن حجر اور مصطفیٰ بن محمد الرافعیؒ کے مطابق سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اپنی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ آپؓ کے عقد میں یکے بعد دیگرے دی تھیں اس وجہ سے آپؓ کا لقب ذوالنورین ہوگیا۔

والد کی طرف سے آپؓ کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ گویا آپؓ کا نسب نامہ پانچویں پشت پر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبد مناف سے جاملتا ہے (طبری، ابن سعد) والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے اروٰی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف یعنی والدہ کی طرف سے بھی آپؓ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبد مناف سے جاملتا ہے۔ (احمد بن یحییٰ البغدادی علامہ سیوطیؒ) اس کے علاوہ آپؓ کی نانی بیضا ام حکیم بنت عبدالمطلب، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں (تاریخ خلیفہ ابن خیاط، مستدرک حاکم)

حضرت عثمان غنیؓ کا خاندان دور جاہلیت میں بھی ممتاز محترم اور معزز سمجھا جاتا

Marfat.com

تھا۔ قریش کا جھنڈا عقاب آپؓ کے خاندان میں رہتا تھا۔ قریش کا اگر کوئی قبیلہ آپؓ کی ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرسکتا تھا تو وہ بنو ہاشم کا خاندان تھا جس میں سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ کھولی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دادا امیہ بن عبدشمس قریش کے ایک بڑے رئیس اور سردار تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی پیدائش واقعہ فیل کے چھٹے سال 577ء میں مکہ میں ہوئی۔ تجارت آپؓ کا آبائی پیشہ تھا۔ آپؓ سن شعور کو پہنچے تو کپڑے کی تجارت شروع کی۔ اللہ نے برکت دی اور آپؓ نے خوب دولت و شہرت پائی۔ دل کے بہت سخی تھے۔ آپؓ کے جودو کرم اور حسن اخلاق کی ہر طرف دھوم تھی۔ قریش میں آپؓ بڑی عزت، محبت اور عقیدت سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کے والد عفان ایک نہایت متمول تاجر تھے اور تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتے تھے۔ ایک سفر کے دوران وہ شام کے ایک ساحلی شہر میں بیمار ہوئے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ (کتاب المعارف) عفان کے صرف تین بچے تھے لیکن مال و دولت خوب تھی لہٰذا زندگی نہایت آرام و آسائش سے گزرتی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نہایت باشعور اور مستعد آدمی تھے لہٰذا آپؓ نے والد کی وفات کے بعد تجارت کو خوب فروغ دیا۔ تجارت میں نئے نئے طریقے اور ڈھنگ نکالے۔ مضاربت کے اصول پر تجارت کرتے تھے۔

خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا تو حضرت عثمان غنیؓ کی عمر 34 سال تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ عہد جاہلیت ہی سے حضرت عثمان غنیؓ کے دوست تھے۔ آپؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو دعوت اسلام دی۔ دوران گفتگو حضرت عثمان غنیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے، لیکن ابھی یہ خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا:

''عثمان! خدا کی جنت کو قبول کر۔ میں تمہاری اور تمام مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔''

Marfat.com

حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں: ''زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صاف اور سادہ جملے میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں داخل ہو گئے اور میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔'' (الاصابہ)

حضرت عثمان غنیؓ اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ ''میری خالہ کا نام سعدی بنت کریز بن ربیعہ تھا اور وہ کہانت کے علم میں بڑی ماہر تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اپنی خالہ کے گھر گیا تو اس نے میری طرف دیکھ کر کاہنوں کی طرح گفتگو کرتے ہوئے کہا'' ''اے عثمان! تمہاری دو ازواج انتہائی حسین اور خوبصورت ہوں گی اور ایک بڑے پیغمبر کی صاحبزادیاں ہوں گی۔'' اپنی خالہ کی یہ بات سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی اور اس بات کو میں نے ناممکن سمجھا۔ اس کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو میری خالہ نے پھر مجھ سے کہا ''محمد بن عبداللہ مبعوث ہوگئے ہیں اور لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتے ہیں۔ جو کوئی دین اسلام سے روگردانی کرے گا وہ خسارے میں رہے گا۔''

جب میں نے اپنی خالہ کی یہ بات سنی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں موجزن ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ میرے دوست تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور اپنی خالہ کی باتیں ان کے سامنے بیان کیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھ سے کہا:

''اے عثمانؓ! آپؓ سمجھ دار اور معاملہ فہم انسان ہیں۔ ہر کام کے انجام میں غور و فکر کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آپؓ یقیناً اس بات سے آگاہ ہوں گے کہ چند پتھر جو نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟''

میں نے کہا: ''آپؓ ٹھیک فرماتے ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا'' آپؓ کی خالہ نے سچ بات کی ہے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا ہے تا کہ خلق خدا کے دین کی طرف بلائیں۔'' اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھے ترغیب دی کہ میں حضور نبی کریم صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایمان لے آؤں۔ ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ اسی اثناء میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ حضرت علیؓ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کو دیکھ کر اٹھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی میں گفتگو فرمائی۔ پھر ہادیٔ کون و مکاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب تشریف لائے اور ارشاد فرمایا "اے عثمان! اللہ تعالیٰ تجھے جنت کی مہمانی کے لیے بلاتا ہے تو اسے قبول کر۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کلمات نے میرے دل پر جادو اثر کیا اور میں نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر وہ وقت آیا جب میری خالہ کی میری کہی ہوئی بات سچ ثابت ہوئی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں میرے نکاح میں آئیں" (البدایہ والنہایہ)

اسلام لانے میں حضرت عثمان غنیؓ "السابقون الاولون" میں سے ہیں اسلام لانے میں آپؓ کا مردوں میں چوتھا نمبر ہے۔ آپؓ سے قبل صرف تین شخص اسلام لائے تھے (تاریخ الخلفاء) صحیح بخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم مین قیام پذیر ہونے سے قبل آپؓ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام پر جس قدر مسلمان لبیک کہتے جاتے اتنا ہی قریش ہر لمحہ اس فکر میں رہتے کہ اسلام کی ترقی کو روکنے کے لیے کون سی تدابیر اختیار کی جائیں چنانچہ ان تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ اسلام کے پیروکاروں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں۔ اس طریقے سے ان کا خیال یہ تھا کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے وہ اسے چھوڑ دیں گے اور جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ وہ ان کی سزاؤں سے ڈر کر اسلام قبول کرنے کا حوصلہ نہیں کریں گے۔ حضرت عثمان غنیؓ اگرچہ مکہ میں معزز اور باوجاہت آدمی تھے لیکن وہ بھی خاندانی سطوت کے باوجود اپنے چچا حکم بن ابی العاص کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ آپؓ کے چچا نے آپؓ کو رسی سے باندھ دیا اور کہا کہ جب تک تو اس نئے دین کو نہیں چھوڑے گا میں تجھے ہرگز نہیں کھولوں گا۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: "اے چچا! خدا کی قسم! میں اس دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔" آپؓ کے چچا نے جب یہ دیکھا کہ حضرت عثمان غنیؓ اس دین پر اس قدر پختہ ہیں تو اس نے آپؓ کو

چھوڑ دیا۔ (طبقات ابن سعد)

طبری کے مطابق جب حضرت عثمانؓ کے چچا اور دوسرے عزیز و اقارب کی سرد مہری، تشدد، جفا کاری اور سخت گیری اس قدر بڑھ گئی جو آپؓ کی برداشت سے باہر تھی تو آپؓ آخر کار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہؓ کے ہمراہ ملک حبش کی جانب دس مردوں اور پانچ عورتوں کی معیت میں ہجرت فرما گئے۔ بقول ابن حجر یہ حضرات جدہ کی بندرگاہ سے روانہ ہوئے۔ یہ قافلہ ماہ رجب سال پانچ نبوی کو حبشہ کی جانب روانہ ہوا۔

اتفاق سے دو تجارتی کشتیاں بندرگاہ پر تیار تھیں۔ انہوں نے پانچ درہم لے کر ان کو سوار کر لیا اور حبشہ پہنچا دیا۔ مشرکین مکہ کو جب علم ہوا کہ یہ لوگ مکہ چھوڑ کر کہیں جا رہے ہیں تو وہ بندرگاہ پر ان کو پکڑنے کے لیے دوڑے لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے مسلمان سوار ہو کر جا چکے تھے۔ (عیون الاثر) سیدا اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام، لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان غنیؓ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ (الاصابہ)

حضرت عثمان غنیؓ نہ صرف اول المہاجرین تھے بلکہ امام المہاجرین بھی تھے کیونکہ حبشہ کی ہجرت میں جتنے لوگوں نے ہجرت کی وہ ''آپؓ کی متابعت میں کی۔ گویا آپؓ اس ہجرت کے محرک اول تھے۔ علامہ ابن عبدالبر اس ضمن میں فرماتے ہیں آپؓ نے سب سے پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور تمام مہاجرین نے آپ کی متابعت اور پیروی میں ہجرت کی۔'' (الاستیعاب)

مسلمانوں کا یہ قافلہ ماہ رجب سے لے کر ماہ شوال تک حبشہ میں مقیم رہا۔ شوال میں بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ تمام اہل مکہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی لہٰذا وہ حبشہ چھوڑ کر واپس مکہ آ گئے۔ لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اب یہ لوگ سخت پریشان ہوئے چنانچہ کوئی چھپ کر اور کوئی کسی کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ اب مشرکین مکہ نے پہلے

Marfat.com

سے بھی زیادہ مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ کچھ لوگ موقع پا کر دوبارہ حبشہ چلے گئے لیکن حضرت عثمان غنیؓ مکہ میں ہی رہ گئے۔ آخر دو اڑھائی سال کے بعد جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی اجازت دے دی تو حضرت عثمان غنیؓ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہؓ کو ساتھ لے کر دوبارہ حبشہ تشریف لے گئے اور وہاں کئی سال تک جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ (ابن ہشام)

اس دفعہ قریش نے اپنے دو آدمی عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو حبشہ بھیجا تا کہ ان کی وساطت سے مسلمانوں کو حبشہ سے واپس مکہ لایا جائے۔ لیکن حضرت جعفر طیارؓ ابن ابی طالب کی تقریر نے قریش کے نمائندوں کی ہر تدبیر کو الٹ دیا اور یوں مسلمان وہاں نہایت آرام اور سکون سے زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر جب رحمۃ للعالمین نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی تو حضرت عثمان غنیؓ نے بھی فی الفور حبشہ سے مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ حضرت عثمان غنیؓ کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ آپؓ نے مکہ سے حبشہ کی طرف دو ہجرتیں فرمائیں لیکن تیسری ہجرت آپؓ نے حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف فرمائی اور یہ بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ تھی۔ مدینہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجر و انصار کے درمیان جو مواخات کی تھی۔ اس میں حضرت عثمان غنیؓ کا رابطہ اخوت سیدنا حسانؓ بن ثابت کے بڑے بھائی سیدنا اوسؓ بن ثابت سے قائم کیا۔ (طبقات ابن سعد)

اس طرح حضرت عثمان غنیؓ کئی سال تک حضرت اوسؓ بن ثابت ہی کے مکان میں مقیم رہے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت عثمان غنیؓ نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور مکہ کی طرح یہاں مدینہ میں بھی آپؓ کا کاروبار خوب چمکا۔ آپؓ کے کارندے آپؓ کی ہدایت کے مطابق کام کرتے تھے اور آپؓ اپنا زیادہ وقت رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہ کر فیوض و برکات اور علم و معرفت سے مستفید ہوتے رہتے اور مسلمانوں کے اہم معاملات میں شریک رہتے۔ حضرت عثمان غنیؓ اپنے کاروبار سے جو کچھ کماتے اپنی ذات کے لیے کم اور مسلمانوں کے لیے زیادہ خرچ کرتے۔ آڑے وقت میں جو چند لوگ اسلام کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے تھے حضرت عثمان غنیؓ میں سے ایک تھے۔ چنانچہ مکہ سے ہجرت فرما کر جب مسلمان مدینہ طیبہ آئے تو

Marfat.com

انہیں وہاں کا پانی پسند نہ آیا کیونکہ وہ کھاری تھا جب کہ سارے شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں بئر رومہ نامی تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ اس نے اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ وہ اس میٹھے پانی کی منہ مانگی قیمت وصول کرتا جو غریبوں کی سکت سے باہر تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کی اس تکلیف سے پریشان تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی صاحب حیثیت اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے۔ آخر کار ایک روز آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ''کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو بئر رومہ کو خرید کر رفاہ عامہ کے لیے وقف کر دے۔'' (صحیح بخاری)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے حضرت عثمان غنیؓ اس یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کنویں کی فروخت کے لیے بات شروع کی۔ یہودی اسے بیچنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر بڑی جدوجہد کے بعد یہودی نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہو گیا جو حضرت عثمان غنیؓ نے بارہ ہزار درہم میں خرید لیا اور طے یہ پایا کہ ایک روز یہودی کی باری ہوگی اور دوسرے روز حضرت عثمان غنیؓ کے لیے یہ کنواں مخصوص ہوگا۔ جس روز حضرت عثمان غنیؓ کی باری تھی اس روز لوگ چاروں طرف سے امڈ آئے اور ہر شخص اتنا پانی نکال کر لے گیا جو اس کے لیے دو دن کی ضرورت کے لیے کافی تھا دوسرے روز جب یہودی کی باری آئی تو کوئی شخص اس سے پانی خریدنے نہ آیا۔ یہودی نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کا یہ معمول ہو گیا ہے کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کی باری والے دن دو روز کا پانی لے جاتے ہیں تو اس نے اب کنویں کی آدھی ملکیت بھی اپنے پاس رکھنا باعث نقصان سمجھا لہٰذا حضرت عثمان غنیؓ نے یہودی سے بقیہ نصف حصہ بھی مزید آٹھ ہزار درہم دے کر خرید لیا اور عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا حضرت عثمان غنیؓ کا یہ صدقہ جاریہ آج تک مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو فیض یاب کر رہا ہے۔ (کتاب المعارف، معجم البلدان)

تاریخ اسلام میں سب سے پہلی جنگ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود شرکت فرمائی غزوہ بدر ہے۔ یہ 2 ہجری رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوا۔ اس مبارک غزوہ میں حضرت عثمان غنیؓ اپنی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے

Marfat.com

شرکت نہ فرما سکے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے جب غزوہ بدر میں جانے کا رادہ فرمایا تو اس وقت سیدہ رقیہؓ چیچک کے عارضہ میں مبتلا تھیں۔ ان کی بیماری کو دیکھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ طیبہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم دونوں کو شرکت جہاد کا اجروثواب اور مال غنیمت میں حصہ ملے گا حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی اہلیہ محترمہ کے علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں اور اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔

حضرت عثمان غنیؓ کی اپنی اہلیہ محترمہ سے محبت اور ان کی خاطر مدارت ہی کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح بھی ان سے کر دیا اور فرمایا ''اگر میری 100 لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو حضرت عثمان غنیؓ کے عقد میں دے دیتا'' (صحیح بخاری) حضرت عثمان غنیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکتے تھے لہٰذا آپؓ نے اپنی اہلیہ محترمہ کی تجہیز و تکفین کر دینی چاہی۔ چنانچہ جب حضرت عثمان غنیؓ اپنی اہلیہ محترمہ کو دفن کر رہے تھے تو زور سے تکبیر کی آواز سنی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے فرمایا اٹھ کر معلوم کرو یہ تکبیر کی آواز کیسی ہے؟ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے اٹھ کر دیکھا تو ان کے والد ماجد حضرت زید بن حارثہؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ پر سوار آرہے تھے۔ حضرت زیدؓ نے ان دونوں کو فتح کی نوید سنائی۔ (الاصابہ)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس بیٹی کے انتقال کا بہت صدمہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ کے ہمراہ سیدہ رقیہؓ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ سیدہ فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ کر کافی دیر تک اشکبار رہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک سے ان کے آنسو پونچھتے رہے (ابن حجرؒ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو مال غنیمت میں حصہ بھی عطا فرمایا اور ثواب کی بشارت بھی دی (ابن عبدالبر) لہٰذا اس وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں (ابن اثیر)۔

جنگ بدر کے بعد جنگ احد ہوئی تو اس میں حضرت عثمان غنیؓ نے شرکت فرمائی

Marfat.com

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب حکم جہاد میں حصہ لیا۔ غزوہ احد کے اگلے سال جمادی الاول 4 ہجری میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس غزوہ میں سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جاتے وقت حضرت عثمان غنیؓ کو اپنی قائم مقامی کا اعزاز بخشا (طبقات ابن سعد، تاریخ الخلفاء) شوال 5 ہجری میں غزوہ خندق پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت عثمان غنیؓ نے دوسرے مسلمانوں کے ہمرکاب دفاعی کارروائیوں میں شرکت فرمائی۔ ذی قعدہ 6 ہجری میں محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ یہ ارادہ ایک خواب پر مبنی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اصحاب مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ ادا کیا (زرقانی)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خواب صحابہ کرامؓ کے سامنے بیان کی تو ان کے قلب میں زیارت بیت اللہ کا شوق موجزن ہو گیا۔ یکم ذی قعدہ 6 ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ کا قصد فرمایا۔ تقریباً 1500 مہاجرین اور انصاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ جنگ کا نہ تھا لہٰذا صرف اتنے ہتھیار ساتھ لیے جتنے ایک مسافر کو راستہ میں اپنی حفاظت کے لیے ضروری ہوتے ہیں اور وہ بھی نیام میں (فتح الباری)۔

اسی اثناء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخبر نے اطلاع دی قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے کمربستہ ہو گئے ہیں اور خالد بن ولید دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقام غمیم پر پہنچ گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اطلاع ملتے ہی وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے مقام حدیبیہ پہنچ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پڑاؤ ڈالا اور قریش سے مصالحت کی گفتگو کا ارادہ فرمایا۔

نعد میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنے سفیر کے طور پر ابوسفیان اور دوسرے روسا مکہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں اس بات کا یقین دلائیں کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ کسی قسم کی جنگ کے لیے نہیں آئے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ

Marfat.com

مکہ میں جو مومن مرد اور خواتین ہیں۔ ان سے بھی ملنا اور ان کو بتا دینا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے دین کو مکہ میں غالب کرنے والا ہے اس لیے وہ اطمینان رکھیں۔ (ابن قیم)

حضرت عثمان غنیؓ مکہ آئے اور یہاں ابوسفیان اور دوسرے سرداران قریش سے ملاقات کر کے ان تک پیغام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچایا۔ قریش کے ہاں حضرت عثمان غنیؓ کا بڑا رتبہ اور وقار تھا۔ انہوں نے پیش کش کی کہ اگر آپؓ طواف کعبہ کرنا چاہتے ہیں تو آپؓ کو مکمل اجازت ہے لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے انکار کر دیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپؓ نے فرمایا ''رسول اللہ حدیبیہ میں تشریف فرما ہوں اور میں یہاں طواف کروں یہ کیونکر ممکن ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے طواف نہیں کروں گا۔'' (ابن ہشام) بعد میں حضرت عثمان غنیؓ تمام بے کس، بے سہارا اور کمزور مسلمانوں کے پاس فرداً فرداً پہنچے جو قریش مکہ کے جور و ستم برداشت کر رہے تھے۔ آپؓ نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا اور صبر کی تلقین کی۔ قریش مکہ نے حضرت عثمان غنیؓ پر سخت نگرانی قائم کر دی تا کہ وہ واپس نہ جانے پائیں۔ جب کئی روز گزر گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمانؓ کے اتنے روز تک رکے رہنے کی وجہ سے کچھ تردد ہوا۔ آخر ایک روز اچانک یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان غنیؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں۔ چونکہ اس افواہ کے بارے میں کوئی وحی الٰہی بھی نازل نہ ہوئی تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش لاحق ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب مجھے لڑنا حلال ہو گیا ہے کیونکہ پہل ان کی طرف سے ہوئی ہے اور جب تک میں شہادت حضرت عثمان غنیؓ کا انتقام نہ لے لوں گا یہاں سے حرکت نہ کروں گا۔''

اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے فرار نہ کرنے پر بیعت لینے کا اعلان عام فرما دیا۔ ایک دو منافقوں کو چھوڑ کر سب نے بیعت کی۔ حضرت عثمان غنیؓ وہاں موجود نہ تھے۔ سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک دوسرے دست مبارک پر رکھا اور فرمایا۔ ''یہ ایک ہاتھ عثمان کا ہے میں ان کی طرف سے خود بیعت لیتا ہوں'' (ابن ہشام) بیعت ہو چکی تھی کہ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ پہنچ گئے۔ آپؓ کو جب بیعت کا علم ہوا تو آپؓ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت

Marfat.com

باعث فخر واعزاز تھی۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے ”میری جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ سے کہیں بہتر تھا۔“ (زرقانی)

اس کے بعد قریش کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا اور حدیبیہ کا صلح نامہ مرتب ہوا۔ جس میں فریقین کے بڑے بڑے آدمیوں نے اس پر دستخط کیے۔ مسلمانوں کی طرف سے ان افراد میں حضرت عثمان غنیؓ بھی دستخط کرنے والوں میں شامل تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس اپنی سفارت کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کو منتخب فرمایا۔ یہ بذات خود حضرت عثمان غنیؓ کی فضیلت اور ان پر مکمل اعتماد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ان کے شہید ہو جانے کی خبر ملی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ان کا انتقام لینے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ بات ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان غنیؓ کا ہاتھ قرار دیا اور اس طرح خود ان کی طرف سے اپنے سے بیعت لی۔ اس میں کوئی اور شخص حضرت عثمان غنیؓ کا شریک نہیں۔ غزوہ خیبر محرم الحرام 7 ہجری میں پیش آیا۔ خیبر اور غطفان کے درمیان ایک بہت بڑا میدان تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں اپنے لشکر کا بڑا کیمپ بنایا۔ گویا یہ اسلامی فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ اس فوجی ہیڈ کوارٹر کے ایک نہایت ذمہ دار افسر تھے۔ (سلیمان منصور پوری)

غزوہ تبوک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سے آخری غزوہ ہے یہ ۹ ہجری میں رجب کے مہینے میں پیش آیا۔ اس غزوہ میں حضرت عثمان غنیؓ نے ایک تہائی مسلمان فوج کے جملہ اخراجات تنہا برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ گویا دس ہزار مجاہدین کے خورد و نوش اور دیگر تمام اخراجات کی تمام تر ذمہ داری حضرت عثمان غنیؓ نے لے لی۔ اس کے علاوہ سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے، ایک ہزار دینار بھی پیش کیے۔ (مستدرک حاکم) بعض روایات میں ایک ہزار دینار کی بجائے دس ہزار دینار آتے ہیں۔ (کنز العمال، تاریخ الخمیس) حکیم الامت شاہ ولی اللہ کے بیان کے مطابق تبوک کے قیام کے دوران ایک دفعہ لشکر

Marfat.com

اسلام سخت پریشانی اور مصیبت سے دوچار ہوا۔ سامان خوردونوش کی کمی کے باعث فاقہ کشی کی نوبت آگئی۔ اس صورتحال میں حضرت عثمان غنیؓ آس پاس کے دیہات میں دوڑے اور سامان خوردونوش خرید کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔ اس موقع پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔

''اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا''

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمہ تین بار دہرایا پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔ ''عثمان کے لیے دعا کرو'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام لشکر نے حضرت عثمان غنیؓ کے لیے مل کر دعا کی۔ (ازالۃ الخفاء)

الغرض حضرت عثمان غنیؓ کے پاس جس قدر مال و دولت تھا وہ اسے اللہ کی امانت سمجھتے تھے اور دین اسلام کو جب کبھی آپؓ کے مال کی ضرورت پڑی آپؓ نے فوراً اسے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا۔ 10 ہجری میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر اخیر ذی الحجہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ 10 ہجری ختم ہو کر 11 ہجری کا آغاز ہو گیا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ خداوندی سے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف آنے کا پیغام آ گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت اور اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں دونوں خلفائے راشدین کا بھرپور ساتھ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں آپؓ کو امہات المومنینؓ نے بطور سفیر اور نمائندہ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس بھیجا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آپؓ مفتی کی حیثیت سے فتوے جاری فرماتے رہے۔ اس کے علاوہ کاروبار خلافت میں مفید مشوروں سے اعانت کرتے رہے۔

حضرت عمر فاروقؓ پر قاتلانہ حملے کے بعد جب ان سے اگلے خلیفہ کی نامزدگی

Marfat.com

کے لیے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ ''تمہارے لیے یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ اہل جنت ہیں اور وہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی منتخب کر لو اور پھر اس کی اعانت کرو۔'' (طبری)

مجلس مشاورت دو دن تک ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مشورہ کے لیے تین دن کی حد مقرر فرما دی تھی۔ اس لیے حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ کا پھر اجتماع ہوا۔ اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تجویز پیش کی کہ ہم میں سے ایک شخص ایک کے نام کی سفارش کرے۔ اس پر اتفاق ہو گیا تو حضرت زبیر بن عوامؓ نے حضرت علیؓ کو حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنا اپنا حق سپرد کر دیا اور خود خلافت کی امیدواری سے دستبردار ہو گئے۔ اب معاملہ صرف تین حضرات میں رہ گیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ''میں اپنا نام واپس لیتا ہوں آپ دونوں حضرات اپنا معاملہ میری صوابدید پر چھوڑ دیں جس کو میں خلافت کے لیے منتخب کروں۔ دوسرا اس کو بخوشی قبول فرمائے۔'' حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے الگ الگ تنہائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے اس کا اقرار کر لیا۔ (البدایہ والنہایہ)

اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان دونوں صحابہ کرامؓ کے بارے میں مختلف لوگوں سے صلاح مشورہ شروع کیا۔ جلوت و خلوت میں ان سے ملے۔ عورتوں سے بھی ان کے گھروں میں پردہ کی اوٹ میں پوچھا۔ طبری کے الفاظ میں ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ راتوں کو پھر پھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور مدینہ طیبہ میں موجود امراء اور معززین شہر سے ملاقات کرتے رہے اور آپؓ جس شخص سے بھی ملتے وہ حضرت عثمان غنیؓ ہی کو خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا۔''

حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے چوتھے روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپؓ نے مدینہ طیبہ میں موجود مہاجرین و انصار میں سے افضل

Marfat.com

اور اسبق لوگوں کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو بھی بلا بھیجا۔ یہاں تک کہ مسجد حاضرین سے بھر گئی۔ لوگ خلافت کے بارے میں فیصلہ سننے کے لیے جوق در جوق آئے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کافی دیر دعا مانگنے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا:

''اے اللہ! سن لے اور اس بات کا گواہ رہ (یہ تین دفعہ فرمایا) کہ جو کچھ میری گردن پر تھا وہ میں نے اتار کر عثمانؓ کی گردن پر ڈال دیا۔ (البدایہ والنہایہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اس وقت منبر کی اس سیڑھی پر تھے جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرماتے تھے اور حضرت عثمان غنیؓ اس سے نچلے درجے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے منہ سے یہ بات سن کر لوگوں کے ایک اژدھام نے حضرت عثمان غنیؓ کو گھیر لیا اور باری باری آپؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنے لگے۔ اس ضمن میں ابن کثیر نے لکھا ہے ''اور لوگ حضرت عثمان غنیؓ کی طرف بیعت کے لیے بڑھنے لگے سب سے پہلے آپؓ کے ہاتھ پر حضرت علیؓ نے بیعت کی۔''

صحیح بخاری کے مطابق ''حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا عثمان اپنا ہاتھ بڑھایئے۔ پس انہوں نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر اہل مدینہ نے باری باری ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔'' یہ 3 محرم 24 ہجری کا یوم تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اس وقت آپؓ کی عمر قمری سن کے لحاظ سے 70 برس تھی۔

خلافت کی بیعت کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے سب سے پہلی نماز جو عام مسلمانوں کے ساتھ بحیثیت خلیفۃ المسلمین ادا فرمائی وہ عصر کی نماز تھی۔ اس کے بعد آپؓ منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تشریف لے گئے اور موجود مسلمانوں کو خطاب فرمایا۔ اللہ کی حمد وثنا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد آپؓ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! تم سب دار مسافرت میں ہو۔ عمر کا جو حصہ باقی ہے بس اس کو پورا

کرنے والے ہو اس لیے تم زیادہ سے زیادہ جو بھی کر سکتے ہو اپنے اپنے مقررہ وقت سے پہلے اسے کر گزرو کیونکہ دنیا ایک فریب کدہ ہے۔ کہیں دنیا کی زیب و زینت تمہیں اس کے پیش و خم میں نہ الجھا دے۔ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں ان کے حالات بد سے عبرت حاصل کرو غفلت کو اپنا شعار نہ بناؤ۔ کہاں ہیں وہ ارباب دنیا جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی دنیا کی محبت میں غرق ہو کر اللہ کو بھولنے والے لوگ کہاں گئے کیا دنیا نے ان کو اپنے سے دور نہیں پھینک دیا؟ تم بھی دنیا کو اسی طرح پھینکو اور ہمیشہ آخرت کی تلاش جاری رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین مثال سے سمجھایا ہے کہ ''اے پیغمبر! آپ لوگوں کو بتایئے کہ دنیا کی زندگی کی مثال پانی کی طرح ہے جس کو ہم نے بارش کی شکل میں آسمان سے اتارا۔'' (ابن کثیر، طبری)

حضرت عثمان غنیؓ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد اپنے گورنروں، خراج افسروں، سرحدی کمانڈروں کے علاوہ عوام الناس کے نام مکاتب اور فرامین جاری کیے جس میں اپنی حکومت کی حکمت عملی اور سیاسی پالیسی کے بارے میں ہدایات جاری فرمائیں۔ مختلف صوبوں کے گورنروں کے نام یہ مراسلہ لکھا۔

''حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حکام اعلیٰ کو حکم دیا ہے کہ وہ رعایا کے محافظ و نگران ہوں اور اس بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ رعایا سے صرف ٹیکس وصول کریں۔ مسلمانوں کے اس سے پہلے حکام اعلیٰ نے ہمیشہ اپنے آپ کو صرف ٹیکس وصول کرنے والا تصور نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو رعایا کا نگران و محافظ ہی سمجھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہونے والا ہے کہ آپ کے حکام اعلیٰ صرف محصل ٹیکس ہو جائیں اور محافظ و نگران نہ رہیں۔ اگر ایسا ہوا تو حیا، امانت اور وفا نا پید ہو جائیں گے۔ سب سے زیادہ صحیح طرز عمل اور حسن سیرت یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات، ان کے نفع و نقصان اور ان کے مفادات میں دلچسپی لی جائے۔ ان کے حقوق انہیں دیئے جائیں اور اسلام کے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں وہ ان سے وصول کیے جائیں۔ مسلمانوں کے بعد غیر مسلم رعایا سے عدل و انصاف سے پیش آیا جائے۔ اس کے بعد تمہارے ان دشمنوں کے معاملات ہیں جن پر تم نے چڑھائی کی ہوئی ہے۔ پس ان پر عدل و وفا سے فتح حاصل

Marfat.com

کرو۔" (طبری)

حضرت عثمان غنیؓ نے ایک سرکلر فوجی کمانڈروں اور سرداران لشکر کے نام بھی جاری کیا۔ جس میں آپؓ نے لکھا۔ "واضح ہو کہ تم مسلمانوں کے حامی و ناصر اور محافظ و نگران ہو۔ حضرت عمر نے آپ حضرات کے لیے جو ضابطہ عمل مقرر فرمایا تھا وہ ہم سے مخفی نہیں بلکہ وہ ہمارے ہی مشورہ سے مقرر ہوا تھا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آپ حضرات کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اگر آپ لوگوں نے اس میں کوئی تبدیلی کی تو اللہ تعالیٰ تمہاری دلی کیفیت میں تبدیلی پیدا فرما دے گا اور تمہاری جگہ تم سے بہتر لوگ لے آئے گا۔ یاد رکھو بحیثیت خلیفہ حق تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر جو ذمہ داریاں ہیں انہیں ضرور سرانجام دوں گا۔" (طبری)

حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں تین براعظموں ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں مختلف محاذوں پر اپنی سپہ سالارانہ قیادت میں اپنی افواج کی ارفع ترین صلاحیتوں کا دنیا سے لوہا منوایا۔ آپؓ نے عہد فاروقیؓ کے ممالک مفتوحہ سے ہمہ قسم کی بغاوتوں کا قلع قمع کیا اور اپنے حسن تدبیر اور اعلیٰ حکمت عملی سے وہاں کی رعایا کو ایسا زیر نگیں کیا کہ انہیں پھر سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایران کی فتح کا آغاز اگرچہ عہد فاروقی سے ہوا اور قادسیہ یرموک اور مدائن وغیرہ کی جنگوں نے دشمن کے خطرناک عزائم خاک میں ملا دیئے لیکن اس کے باوجود شاہ یزدگرد مختلف ممالک میں اعوان و انصار کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ تاکہ انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس صورت حال میں نہ صرف ایران کی فتح کی تکمیل کی بلکہ اس کے متصلہ ملکوں خراسان، افغانستان اور آذربائیجان کا ایک وسیع علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح براعظم افریقہ میں طرابلس اور مراکش وغیرہ کو فتح کیا اور پھر ایشیائے کوچک کا ایک طویل و عریض علاقہ فتح کر کے اسے ملک شام میں شامل کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ادوار میں مسلمانوں نے صرف زمینی جنگوں میں مہارت کا مظاہرہ کیا تھا لیکن انہیں بحری جنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ البتہ قیصر روم روز بروز اپنی بحری طاقت میں اضافہ کر رہا تھا اور اس بات کا شدید خطرہ تھا

Marfat.com

کہ کہیں اس کی بحری طاقت اہل اسلام کے لیے نا قابل تسخیر اور خطرناک ثابت نہ ہو اس صورت حال میں حضرت عثمان غنیؓ نے کمال عسکری فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک عظیم الشان اسلامی بحری بیڑا تیار کیا اور اس کے ذریعے قبرص اور دوسرے کئی ایک جزیروں کو فتح کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں جو فتوحات کیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1. ان علاقوں کی فتوحات جو عہد فاروقی میں مفتوحہ ہونے کے بعد باغی ہو چکے تھے۔
2. اہل کفر کے وہ علاقے جنہیں حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں فتح کیا گیا (طبری)۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ بنتے ہی آذربائیجان کے لوگوں نے بغاوت کر دی اور اپنے اس معاہدے کو توڑ دیا جو انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں لشکر اسلام سے کیا تھا۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ آپؓ نے کوفہ کے گورنر حضرت ولید بن عقبہؓ کو لشکر کشی کا حکم دیا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن شبیل بن عوفؓ کو موقان، بیرا اور طیلسان پر لشکر کشی کے لیے روانہ کیا جنہوں نے ان علاقوں میں فتوحات حاصل کیں بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اور بے شمار لوگوں کو قیدی بنا لیا۔ خود گورنر کوفہ حضرت ولید بن عقبہؓ نے آذربائیجان پر حملہ کر کے فتح حاصل کی اس جنگ میں انہوں نے دشمن کے لشکر کو پامال کرنے کے بعد بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا اور بہت سا مال غنیمت بھی آپؓ کے ہاتھ لگا۔ اس جنگ میں آذربائیجان کے لوگوں نے معاہدہ کر کے امان حاصل کر لی۔ جب آذربائیجان فتح ہو گیا تو حضرت ولید بن عقبہؓ نے حضرت اشعث بن قیسؓ کو آذربائیجان کا والی بنایا اور خود کوفہ واپس آ گئے لیکن کچھ روز بعد آذربائیجان کے لوگوں نے پھر سرکشی کی اور اپنے معاہدے سے پھر گئے اس صورت حال میں حضرت اشعث بن قیسؓ نے حضرت ولید بن عقبہؓ کو کمک بھیجنے کے لیے لکھا انہوں نے کوفہ سے ایک لشکر جرار بھیجا اس لشکر کی مدد سے حضرت اشعث بن قیسؓ نے آذربائیجان کے چپے چپے سے باغیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں بغاوت کی پوری پوری سزا دی اس پر وہاں کے باشندوں نے پھر صلح کا معاہدہ کر لیا اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے تمام دور میں انہیں بغاوت کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ (فتوح البلدان)

Marfat.com

حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ بنے تو اہل رے نے بھی بغاوت کر دی حضرت عثمان غنیؓ نے کوفہ کے عامل حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا کہ وہ حضرت قرظہ بن کعب انصاری کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے شاید ان کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ رے کی ایک جنگ میں شرکت کر چکے تھے اور وہاں کے نشیب و فراز سے واقف تھے۔ حضرت قرظہ بن کعب انصاریؓ نے باغیوں کے سرغنوں اور قائدین کو ہمیشہ کی نیند سلا کر وہاں کی بغاوت اور سرکشی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ)

اسکندریہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں فتح ہوا۔ خلافت فاروقی کا تمام تر دور اہل اسکندریہ نے امن و امان سے گزارا جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ وہاں کے مستقل گورنر رہے۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کا دور خلافت شروع ہوتے ہی جیسے ہی حضرت عمرو بن العاصؓ کی جگہ حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں گورنر مقرر کیا گیا تو اہل اسکندریہ بغاوت پر اتر آئے۔ وجہ یہ تھی کہ اسکندریہ میں موجود رومی، عیسائی، مسلمانوں کو قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔ انہیں اس بات کا دکھ تھا کہ مسلمانوں نے ان سے حکومت چھین لی ہے وہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں سے حکومت واپس لینا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر ہرقل سے خط و کتابت کر کے اس سے امداد طلب کی انہوں نے اسے یہ بھی لکھا کہ زیادہ امداد اور فوج کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کیونکہ وہاں پر مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی لہٰذا ان کے نزدیک مٹھی بھر مسلمانوں پر قابو پانا کوئی اتنی مشکل بات نہیں تھی ہرقل نے خطوط ملتے ہی مصمم ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کو اسکندریہ سے نکال کر دم لے گا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اپنے ایک نامور اور تجربہ کار سپہ سالار منویل کو 300 بحری جہازوں کے ساتھ روانہ کیا اس لشکر میں اس نے چیدہ چیدہ اور آزمودہ کار قسم کے سپاہی بھیجے تا کہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست نہ اٹھانا پڑے۔

رومی فوجوں سے بھرے ہوئے تین سو بحری جہاز منویل کی سرکردگی میں جب اسکندریہ پہنچے انہوں نے آتے ہی محافظ چوکی پر حملہ کر دیا اور مسلمان مجاہدین کو شہید

Marfat.com

کرنے کے بعد اسکندریہ پر قبضہ کرلیا۔ انہوں نے اسکندریہ کے اردگرد کے دیہات اور مضافات میں خوب قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ اسکندریہ میں اسلامی فوج چونکہ بہت ہی کم تھی اس لیے ان کو اپنی من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع مل گیا۔

اس صورت حال میں اہل مصر نے حضرت عثمان غنیؓ کو درخواست لکھ بھیجی کہ سابق گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کو تھوڑی مدت کے لیے اپنے عہدہ پر بحال کیا جائے تا کہ وہ رومیوں کی سرکوبی کر کے اسکندریہ کی بغاوت کو کچل سکیں کیونکہ وہ یہاں کی جنگ کے طریقوں سے بخوبی واقف ہیں اور یہاں کے ہر شہر کے نشیب وفراز سے اچھی طرح آشنا ہیں اور رومیوں کے دلوں پر ان کی ہیبت اور رعب بھی چھایا ہوا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اہل مصر کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حضرت عمروؓ بن العاص کو ہدایت کی کہ وہ عارضی طور پر مصر ہی میں رہیں اور باغی رومیوں کی ہر ممکن طریقے سے سرکوبی کریں چنانچہ حسب ہدایت حضرت عمرو بن العاصؓ فوراً پندرہ ہزار جانبازوں کا لشکر لے کر اسکندریہ روانہ ہو گئے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس سے پہلے بھی اسکندریہ کا چودہ مہینے تک محاصرہ کیا تھا اس وجہ سے وہ یہاں کے ہر جنگی نشیب وفراز سے آشنا تھے اس دفعہ انہوں نے محاصرے کو طول نہیں دیا۔ رومیوں نے فصیل سے عرادوں یعنی چھوٹی منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری شروع کر دی۔ مسلمانوں نے جواب میں بڑی منجنیقیں لگا کر شہر اور قلعہ کی فصیل پر اس زور سے سنگ باری کی کہ وہ جگہ جگہ سے ٹوٹ کر گر پڑی۔ فصیل کا گرنا تھا کہ لشکر اسلام شہر میں داخل ہو گیا اب شہر کے گلی کوچوں میں دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمان فتح مند اور کامیاب ہوئے دشمنان اسلام کا سپہ سالار منویل مارا گیا اور شہر پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ (مقریزی، ابن خلدون)

مصر اور اسکندریہ کی فتح سے رومیوں کی فوجی طاقت پارہ پارہ ہو گئی اور اب ان میں اتنی جرأت اور سکت نہ رہی کہ وہ مسلمانوں کا سامنا کر سکیں تاہم منتشر طور پر جگہ جگہ ان کی کچھ آبادیاں باقی رہ گئیں جن سے ہر لحہ بغاوت کا خطرہ رہتا تھا اس خطرے کو ختم کرنے کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کی ہدایت پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے چہار جانب

Marfat.com

تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کردیں۔ (فتوح البلدان) اس زمانے میں افریقہ میں جرجیر نامی ایک شخص وہاں کا فرمانروا تھا جو دراصل رومی شہنشاہ ہرقل کا باجگزار تھا مسلمانوں نے جب مصر پر قبضہ کرلیا اور افریقہ کا کچھ حصہ بھی ان کے ہاتھ آیا تو وہ ہمہ وقت یہی منصوبے سوچتا رہتا کہ مسلمانوں کو کس طرح مصر سے نکالا جائے۔ یہ منصوبے اصل میں اس کے اپنے نہ تھے بلکہ ہرقل رومی کے تھے کیونکہ وہ خود تو برمحاذ پر مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا اب وہ اپنے باجگزاروں کی معرفت مسلمانوں کو نیچا دکھانا چاہتا تھا اسکندریہ کی بغاوت بھی اسی وجہ سے ہوئی تھی۔

جرجیر نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کیا جس میں زیادہ تعداد رومیوں اور بربروں کی تھی جب مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت عبداللہ بن سعدؓ کو حکم دیا کہ وہ افریقہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوں۔ جرجیر نے ہرقل سے امداد طلب کرکے اپنی فوج اور ساز وسامان میں مزید اضافہ کرلیا۔ فوج کو جدید قسم کا اسلحہ دیا گیا انہیں صلیب کی قسم دی گئی کہ وہ میدان جنگ سے کسی صورت نہیں بھاگیں گے اور اپنے ملک کا ہر ممکن طریقے سے دفاع کریں گے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مسلمانوں کے لشکر کو لے کر افریقہ کی جانب روانہ ہوئے جب اسلامی لشکر وہاں پہنچا تو مسلمانوں نے اپنے دستور کے مطابق پہلے جرجیر کو دعوت اسلام دی لیکن اس نے اسلام قبول کرنے سے صاف انکار کردیا۔

پھر جرجیر سے کہا گیا کہ وہ اگر اسلام قبول نہیں کرتا تو اسلامی حکومت کو جزیہ دے۔ اس نے صاف انکار کردیا کہ وہ کسی صورت بھی مسلمانوں کو جزیہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اہل اسلام کے پاس صرف جنگ کی ہی صورت باقی رہی تھی لہٰذا حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ نے ان سے کہا کہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ جرجیر نے کہا "میں بالکل تیار ہوں" چنانچہ دونوں جانب سے صف آرائی ہوئی اور جنگ شروع ہوگئی۔ چالیس روز تک خوب زور وشور سے لڑائی جاری رہی مگر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ حالانکہ اس دوران حضرت عثمان غنیؓ نے دو لشکر یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے لیے بطور

Marfat.com

کمک بھی روانہ فرمائے پہلے لشکر میں دس ہزار سرفروشان تھے جب کہ دوسرے لشکر میں انتہائی تجربہ کار اور نامور صحابہ کرامؓ تھے جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن العاصؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور حضرت حسن بن علیؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (ابن خلدون)

جب کافی دنوں تک حضرت عثمان غنیؓ کو فتح کی کوئی خبر نہ ملی تو آپؓ نے ایک تیسرا لشکر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی سرکردگی میں بطور کمک روانہ فرمایا اور انہیں تاکید کی کہ انتہائی سرعت اور تیزی کے ساتھ محاذ جنگ پر پہنچیں۔ چنانچہ یہ لشکر منزلوں پر منزلیں طے کرتا بجلی کی سی سرعت کے ساتھ محاذ جنگ پر پہنچا ادھر محاذ پر اسلامی فوج طویل جنگ سے قدرے تھک چکی تھی تازہ دم لشکر کے پہنچنے سے ان کی تھکاوٹ یکسر دور ہوگئی اور انہوں نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے اسلامی لشکر سے جب نعرہ ہائے تکبیر کی آواز جرجیر کے کانوں میں پہنچی تو اس نے مسلمان فوج کے ان نعروں اور خوشی کی وجہ معلوم کی اسے جب بتایا گیا کہ مسلمانوں کے دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے تازہ دم فوج ان کی مدد کے لیے بھیجی ہے تو جرجیر اور اس کی فوج کے سپاہی اپنے حوصلے کھو بیٹھے۔ اب تک جنگ کا یہ معمول چلا آرہا تھا کہ دونوں فوجیں صبح سے ظہر تک لڑائی میں مشغول رہتیں جب ظہر کی نماز ہوتی تو دونوں افواج اپنے اپنے کیمپوں میں جا کر آرام کرتیں اور اگلے روز صبح پھر مشغول کارزار ہو جاتیں۔ اس صورت حال میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر لشکر کو مشورہ دیا کہ اگر ہم اسی طرح لڑتے رہے تو ہوسکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہوں کیونکہ دشمن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار جب کہ بعض روایات میں دو لاکھ اور ہماری صرف بیس ہزار ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

لہٰذا آپ آج ساری فوج کو میدان جنگ میں نہ لے جائیں بلکہ انتہائی تجربہ کار اور نامور جانبازوں کی ایک بہت بڑی تعداد کیمپوں میں رہنے دیں صبح سے ظہر تک باقی سپاہی حسب معمول دشمن کا اس شدت سے مقابلہ کریں کہ وہ تھک کر چور ہو جائے۔ جب ظہر کے وقت لڑائی بند ہو اور دشمن تھکا ماندہ اپنے کیمپوں میں واپس جانے لگے تو ہماری وہ فوج جو تازہ دم ہمارے کیمپوں میں صبح سے موجود ہے دشمن پر اس قوت اور

Marfat.com

طاقت سے اچانک حملہ کردے کہ دشمن میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہو جائے مجھے قوی امید ہے کہ قادر مطلق ہماری اس تدبیر سے ہمیں ضرور کامیاب اور بامراد کرے گا۔ امیر لشکر حضرت عبداللہ بن سعدؓ کو حضرت ابن زبیرؓ کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے اس پر عمل کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ اس طرح اس روز حسب معمول صبح سے ظہر تک گھمسان کی جنگ ہوئی اور اسلامی فوج نے حسب ہدایت پہلے دنوں سے زیادہ شدت کے ساتھ دشمن پر حملے جاری رکھے یہاں تک کہ دونوں افواج تھک کر چور ہو گئیں ظہر کے بعد جب دونوں لشکر اپنے اپنے کیمپوں میں پہنچ کر ہتھیار اتار کر ستانے لگے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فوراً اس تازہ دم فوج کے ہمرکاب جو پہلے ہی اسلامی کیمپوں میں اس مقصد کے لیے تیار بیٹھی تھی دشمن پر ہلہ بول دیا دشمن کی فوج کو افراتفری کے عالم میں ہتھیار اٹھانے کا موقع بھی نہ ملا اور اسلامی فوج کے ہاتھوں کافی لوگ مارے گئے اور کئی ہزار گرفتار کر لیے گئے۔ (ابن اثیر)

ایک طرف رومی اور بربر اسلامی لشکر کے ہاتھوں بری طرح قتل ہو رہے تھے دوسری طرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی نگاہیں جرجیر کو ڈھونڈ رہی تھیں آپؓ نے دیکھا کہ وہ اپنی فوج کے عقب میں گھوڑے پر سوار موجود ہے آپؓ فوراً امیر لشکر حضرت عبداللہ بن سعدؓ کے پاس پہنچے اور جرجیر کو قتل کرنے کے لیے چند ماہر جنگجو سپاہی طلب کیے۔ انہوں نے فوراً چند تجربہ کار شہسواران کے حوالے کر دیئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان سپاہیوں کے ہمرکاب تیزی کے ساتھ جرجیر کے سر پر جا پہنچے جرجیر اپنی جان بچانے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگا کر بھاگا مگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے اس کا تعاقب کیا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کے قریب پہنچ کر اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر کاٹ کر اپنے نیزے پر چڑھالیا۔ جرجیر کا سر نیزے پر دیکھ کر اس کی فوج کے وہ سپاہی جو ابھی تک مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے دل ہار بیٹھے اور انہوں نے بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا کچھ مارے گئے کافی تعداد میں قیدی بنا لیے گئے جب کہ اتنی بڑی فوج کا تمام سامان حرب وضرب اسلامی لشکر کے ہاتھ لگا۔

افریقہ کی اس مشہور جنگ کو تاریخ میں حرب العبادلہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے

Marfat.com

تمام سپہ سالاروں کے نام عبداللہ تھے ۔ اس کے قلب پر حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ اس کے میمنہ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کے میسرہ پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جبکہ اس کے مقدمہ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ متعین تھے اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ لگا چنانچہ ہر سوار کو تین ہزار دینار اور ہر پیدل سپاہی کو ایک ہزار دینار ملے (البدایہ والنہایہ) اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ نے پیش قدمی کر کے جرجیر کے دارالسلطنت سبیطہ کا محاصرہ کر لیا اس شہر کی فتح میں مسلمانوں کو کوئی خاص مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا بلکہ صرف چند روز کے محاصرہ کے بعد ہی اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے اس شہر کے قریب ہی قفصہ نامی شہر واقع تھا جنگی لحاظ سے اس شہر کو فتح کرنا بھی نہایت ضروری تھا کیونکہ افریقہ کے بربروں نے یہاں مختلف قسم کے آلات حرب وضرب جمع کیے ہوئے تھے اور ہر وقت خطرہ تھا کہ کہیں یہ لوگ اسلامی قلعہ پر حملہ نہ کر دیں لہٰذا مسلمانوں نے اس کا محاصرہ بھی کر لیا چند ہی روز میں اہل قلعہ نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کمزور سمجھتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت قبول کر لی اور 20 لاکھ 500 دینار سالانہ جزیہ دینے کا معاہدہ کیا۔ (تاریخ ابن خلدون)

ان فتوحات کی خوشخبری لے کر حضرت مروان ابن الحکمؓ جب مدینہ منورہ پہنچے تو اہل مدینہ بہت خوش ہوئے آپؓ نے مجاہدین اسلام کے خطوط ان کے عزیز واقارب کو پہنچائے اور لاکھوں دینار کی رقم جو ان جنگوں میں مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی تھی امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت اقدس میں پیش کی ۔ اندلس یعنی اسپین بھی حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوا چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ جیسے ہی افریقہ کی فتح سے فارغ ہوئے تو امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ عبداللہ بن نافع بن حصین فہری اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس فہری کو فوری طور پر اندلس بھیجیں اور اسے جلد از جلد فتح کریں چنانچہ یہ دونوں حضرات مجاہدین اسلام کے ہمرکاب اندلس پہنچے ۔ یہ دونوں حضرات سمندر کے راستے اندلس میں داخل ہوئے اس فوج میں افریقہ کے نومسلم بربروں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد تھی اس زمانہ

Marfat.com

میں اندلس میں عیسائی حکومت تھی مسلمانوں کا لشکر جیسے ہی ساحل پر اترا عیسائی حکومت نے اس کی سخت مزاحمت کی لیکن عیسائی فوجوں کو بالآخر شکست کا سامنا کرنا پڑا اور جلد ہی اندلس کا ایک ساحلی علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا گویا اندلس اور براعظم یورپ پر لشکر اسلام کا یہ پہلا حملہ تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں کیا گیا۔ (طبری)

مسلمانوں کی آج تک کی فتوحات صرف خشکی کے راستے سے تھیں بحری راستہ سے انہوں نے ایک بھی ملک فتح نہیں کیا تھا۔ یہ بحری طاقت ہی تھی کہ جس کی وجہ سے ہرقل روم نے 50 فوجی جہاز بحیرہ روم کے راستے بھیج کر اہل اسلام سے اسکندریہ چھین لیا تھا یہی سبب تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں ساحلی علاقوں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دی تھیں تا کہ رومیوں کے بحری حملے کا جواب دیا جا سکے لیکن حضرت امیر معاویہؓ جانتے تھے کہ رومیوں کی مسلمانوں کے خلاف جس قدر سرگرمیاں ہیں ان میں سب سے بڑی چیز ان کی بحری طاقت کا نشہ ہے لہٰذا جب تک ان کے اس نشہ کو ہرن نہیں کیا جائے گا اور سمندر میں آگے بڑھ کر ان کے غرور کو پامال نہیں کیا جائے گا کچھ رومی ہمارے لیے ہر وقت دردسر بنے رہیں گے دوسرے وہ علاقے جن تک پہنچنے کے لیے راستے میں سمندر حائل ہے ان تک بھی اسلامی دعوت اور تہذیب و معاشرت اس وقت تک نہیں پہنچ پائے گی جب تک بحری طاقت کا بندوبست نہ کیا جائے۔ لہٰذا اس کے لیے بحری بیڑا ایک ناگزیر ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ نے بحری بیڑے کی تشکیل کی اجازت کے لیے امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کو لکھا۔ (فتوح البلدان)

دربار خلافت سے اجازت ملتے ہی حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی پوری توجہ بحریہ کی تشکیل پر مرتکز کر دی اور جلد ہی ایک بحری بیڑا مرتب کیا جو پانچ صد بحری جہازوں پر مشتمل تھا امام بخاری نے اپنی صحیح میں رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے جس کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے کہ ''میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی لڑے گا اس پر جنت واجب ہوگئی'' جنت واجب ہونے کے اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں حضرت امیر معاویہؓ کی اس بحری فوج میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ شرکت کی۔ ان میں حضرت ابوذر

غفاریؓ حضرت ابوالدرداؓ حضرت عمیر بن سعد انصاریؓ حضرت جبیر بن نفیر الحضرمیؓ حضرت عبادہ بن الصامت انصاریؓ کے علاوہ کئی نامور صحابہ کرامؓ شامل تھے اس بحری لشکر کے امیر البحر حضرت عبداللہ بن قیس الحاثیؓ مقرر کیے گئے 28 ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ کی ہدایت پر حضرت امیر معاویہؓ نے قبرص کی فتح کے لیے اس بحری بیڑے کو بحر روم میں داخل کیا۔ ادھر سے حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر سے ان کی مدد کے لیے روانہ ہوئے دونوں فوجیں آپس میں ملیں تو ایک لشکر جرار بن گیا۔ اہل قبرص اس بھاری لشکر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ اور سات ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ (فتح الباری) فتح قبرص دینی اور دنیاوی دونوں طرح سے فائدہ مند ثابت ہوئی دینی لحاظ سے اس طرح کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ان کو جنت کا پروانہ مل گیا۔ اور دنیاوی لحاظ سے اس طرح کہ مسلمانوں کا بحری بیڑا اور بحریہ قائم ہوگئی جس کی وجہ سے ان کے لیے آئندہ بحری جنگوں کا راستہ کھل گیا اور اسلامی مملکت کے دفاع کو بھی بہت فائدہ پہنچا۔ (فتوح البلدان)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ایران کا بہت سا حصہ فتح ہو چکا تھا اور جو علاقے فتح ہونے سے رہ گئے تھے وہ تمام حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوگئے۔ گویا ان دو خلافتوں میں پورا ایران مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ اور اس کی ہزار ہا سالہ ثقافت اور تہذیب و تمدن مسمار ہو کر رہ گیا۔ حضرت عبیداللہ بن عامرؓ کو جب بصرہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس کے ساتھ ہی حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت عبیداللہ بن معمرؓ کو خراسان سے فارس کی گورنری پر تبدیل کیا فارس کے لوگ نئے گورنر کے آنے سے پہلے ہی سرکشی پر آمادہ ہو گئے اور بغاوت کر دی چنانچہ انہوں نے اکٹھے ہو کر اصطخر کے دروازے پر حضرت عبیداللہ بن معمرؓ سے مقابلہ کیا اور انہیں شہید کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو یہ افسوسناک خبر ملی تو انہیں نہایت صدمہ ہوا انہوں نے فوری طور پر ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اپنے ماموں زاد بھائی حضرت عبداللہ بن عامرؓ کو حکم دیا کہ فوراً بصرہ اور عمان کی افواج کے ہمرکاب فارس پر حملہ کرو اور باغیوں کو عبرت آموز سبق سکھاؤ۔ (تہذیب التہذیب) حضرت عثمان غنیؓ کی حسب ہدایت

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے فوری طور پر ایک لشکر ترتیب دیا اور اصطخر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔ جب آپؓ اپنے لشکر کے ہمراہ وہاں پہنچے تو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اس میں دشمن کے ہزاروں آدمی مارے گئے اور اہل فارس کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ (ابن اثیر، طبری)

اصطخر کی فتح کے بعد حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے دارابجرد کا رخ کیا کیونکہ وہاں کے لوگوں نے بھی بغاوت کر دی تھی۔ آپؓ نے وہاں کی بغاوت پر جلد ہی قابو پالیا اور پھر وہاں سے جور کا رخ کیا حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے پہلے ہی ایک جرنیل ہرم بن حیان کو جور کی فتح کے لیے بھیج دیا تھا اور انہوں نے شہر کا محاصرہ بھی کر لیا تھا کہ اتنے میں خود حضرت عبداللہ بن عامرؓ فوج کے ساتھ ان کی مدد کے لیے آ پہنچے اور انہوں نے بھی آتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ کئی روز تک جاری رہا لیکن ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کے لیے اس شہر کی فتح کو انتہائی آسان بنا دیا ہوا یہ کہ محاصرہ کے دنوں میں لشکر اسلام کا ایک سپاہی نماز میں مصروف تھا اس کے قریب ایک تھیلا پڑا تھا جس میں گوشت اور روٹی تھی۔ اتنے میں ایک کتا آیا اور اس نے اس تھیلے کو منہ میں دبایا اور شہر کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ سپاہی نماز سے فارغ ہو کر اس کتے کے پیچھے چل پڑا تا کہ دیکھے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ کتا شہر کے قریب پہنچا اور ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہو گیا۔

سپاہی یہ دیکھ کر اپنے لشکر میں واپس آیا اور اپنے کمانڈر کو اس خفیہ راستے کی اطلاع دی مسلمانوں نے اس راستے کو اللہ کی طرف سے ایک غیبی امداد سمجھا اور دوسرے روز دشمن پر زبردست حملہ کر دیا۔ حملہ کے دوران ہی مسلمان سپاہی اس خفیہ راستے کے ذریعے شہر میں داخل ہو گئے اور دشمن پر ہلہ بول دیا دشمن کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اسلامی لشکر اس راستے سے شہر میں داخل ہو جائے گا۔ کچھ عرصہ تک انہوں نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا بالآخر ہتھیار ڈال دیئے اس طرح جور کا شہر مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ (ابن اثیر)

حضرت عبداللہ بن عامرؓ اپنے لشکر کے ساتھ دارابجرد اور جور کی فتح میں مصروف

Marfat.com

تھے کہ اہل اصطخر نے پھر بغاوت کر دی۔ اس لیے جور کی فتح کے بعد حضرت عبداللہ بن عامر پھر اصطخر کی جانب لوٹے اہل اصطخر قلعہ بند ہو گئے اس لیے حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا لیکن اہل اصطخر قلعہ سے باہر نہ نکلے اہل اصطخر نے بہت بڑی فوج اکٹھی کی ہوئی تھی اور انہیں اپنی اس قوت اور طاقت پر گھمنڈ تھا۔ لیکن جب محاصرے کے طویل ہونے کی صورت نظر آئی تو حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے منجنیقوں کے ذریعہ شہر پر سخت سنگ باری کی جس سے فارسیوں کے بہت سے آدمی موت کی نیند سو گئے۔ (ابن اثیر) بعض روایات میں مرنے والوں کی تعداد چالیس ہزار لکھی ہے۔ (فتوح البلدان) اس طرح اصطخر کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے اس فتح کے بارے امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کو اطلاع دی تو آپؓ نے انتہائی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد خراسان کی طرف مختلف علاقوں میں بغاوت پھوٹ پڑی تھی اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے فارس کی مہم سے فارغ ہو کر امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ سے ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کی اجازت طلب کی (البدایہ والنہایہ) چنانچہ 30 ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ کی اجازت اور ہدایت پر حضرت عبداللہ بن عامرؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان پر چڑھائی کی۔ حضرت سعید بن العاصؓ کے لشکر میں اسوقت کے بڑے نامور اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے شرکت کی جن میں حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (طبری، ابن اثیر)

حضرت سعید بن العاصؓ گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ سے پہلے خراسان پہنچ گئے اور حضرت عبداللہ بن عامرؓ کے پہنچنے سے پہلے خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔ (البدایہ والنہایہ) اہل کرمان نے بھی چونکہ غداری کی تھی اس لیے حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ کو کرمان پر لشکر کشی کے لیے روانہ کیا اور حضرت ربیع بن زیاد الحارثیؓ کو سیستان پر چڑھائی کے لیے

Marfat.com

بھیجا کیونکہ انہوں نے بھی اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ ان دونوں حضرات کو رخصت کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عامرؓ خود نیشاپور کی طرف روانہ ہو گئے اس وقت حضرت احنف بن قیسؒ ان کے مقدمۃ الجیش پر تھے یہ سب سے پہلے طبین پہنچے جو دو مشہور قلعے تھے۔

یہ دونوں قلعے نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔ اس کے بعد قوہستان پہنچے اہل شہر قلعہ بند ہو گئے۔ حضرت احنف بن قیسؒ نے ان پر منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری کی اتنے میں اہل قوہستان نے جب یہ دیکھا کہ وہ لشکر اسلام کی سنگباری اور حملے کی شدت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو انہوں نے پہاڑوں کی جانب جان بچانے کے لیے بھاگنا شروع کر دیا جب دیکھا کہ وہاں بھی کوئی جائے پناہ نہیں تو چھ لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر لشکر اسلام سے صلح کر لی۔ (فتوح البلدان) اسی دوران حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے بشت اشینہ، رخ، زادہ، خواف، اسفرائن، ارغیان، ابی درد، سرخس، طوس، ہرات، اور مرو کے علاقوں کو فتح کر لیا۔ ان فتوحات کے بعد حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے حضرت احنف بن قیسؒ کو ایک لشکر کا قائد بنا کر طخارستان کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے جاتے ہی اہل شہر کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر طخارستان کے باشندوں نے تین لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔

دین اسلام میں ذمیوں کے جو حقوق ہیں حضرت عثمان غنیؓ ان کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اور ان کی بجا شکایات کو فوری رفع فرماتے تھے۔ چنانچہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں چند شکایات لے کر حاضر ہوا تو آپؓ نے کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو لکھا کہ ”نجرانی عیسائیوں کے ساتھ مقامی مسلمان جو زیادتیاں کر رہے ہیں تم ان سے واقف ہو۔ میں سفارش کرتا ہوں کہ ان لوگوں کو وہ سب اراضی دیدی جائے جو حضرت عمر فاروقؓ نے عراق میں ان کو دلوائی تھی۔ علاوہ ازیں لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دو کہ نجرانیوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئیں۔ کیونکہ یہ ذمی ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کا ہم نے ذمہ لیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جو دستاویز ان کو لکھ کر دی تھی اسے خود بھی دیکھو اور اس میں جو وعدہ ان لوگوں کے

Marfat.com

ساتھ کیا گیا ہے اسے پورا کرو"۔ (کتاب الخراج، معجم البلدان)

حضرت عثمان غنیؓ نے عوام کے اخلاق اور ان کے معمولات کی نگرانی کے لیے ایک محکمہ احتساب بھی قائم کیا۔ جس کے ماتحت لوگ بازاروں اور آبادیوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ لوگوں میں نشہ بازی کا رجحان شروع ہوا تو حضرت عثمان غنیؓ نے چند آدمی مقرر کیے جو لاٹھی لیے گشت کرتے رہتے اور لوگوں کو اس سے منع کرتے۔ لیکن جب لوگ منع کرنے کے باوجود بھی باز نہ آتے تو ان کو کوڑے لگائے جاتے تھے۔ (طبری)

حضرت عثمانِ غنیؓ کے دور حکومت میں ہر شخص کو آزادی تھی کہ جب چاہے بے تکلف اپنی شکایت بیان کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ بذات خود حالات معلوم کرتے رہتے تھے۔ خصوصاً جمعۃ المبارک کے دن منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھتے تھے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے اور دونوں خطبوں کے درمیان وقفہ میں لوگوں سے ان کے احوال و کوائف معلوم کرتے جب کہ حج کے موقع پر اذن عام تھا کہ جس کسی کو والی یا عامل کے خلاف شکایت ہو وہ بے تکلف اس کا اظہار کرے۔ آپؓ محض حالات اور مسائل و شکایات سننے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ہر معاملہ کی خاطر خواہ تحقیق فرماتے اور جو کسی بدعنوانی کا ذمہ دار ہوتا اس کے خلاف تادیبی کاروائی کرتے تھے۔ (مسند احمد بن حنبل)

مدینہ منورہ کو اسلامی مملکت کا دارالخلافہ ہونے کے باعث منفرد اور خاص مقام حاصل تھا۔ ساری مملکت کے لوگوں کی نگاہیں مدینہ منورہ کے لوگوں پر ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ کی کوشش تھی کہ مدینہ منورہ میں شر و فساد کے جراثیم پیدا نہ ہوں اور یہاں کا ماحول دین، اخلاق، فکری اور معاشرتی لحاظ سے پاکیزہ، خوشگوار، مثالی اور قابل تقلید ہو۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؓ نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے اہل مدینہ! تم اسلام کی اصل ہو۔ اگر تم بگڑ گئے تو تمہارے بگڑنے سے دوسرے لوگ بھی بگڑ جائیں گے اور اگر تم درست رہے تو دوسرے لوگ بھی درست رہیں گے۔ خدا کی قسم! (آپ نے تین بار قسم اٹھائی) جس کسی کے متعلق بھی مجھے پتہ چلے گا کہ وہ فتنہ کا بیج بو رہا ہے میں اسے مدینہ سے چلتا کر دوں گا۔" (طبری)

حضرت سالم بن عبداللہ کی روایت کے مطابق حضرت عثمان غنیؓ نے جو کچھ

Marfat.com

ارشاد فرمایا اس پر برابر عمل کیا اور اگر کسی شخص کے بارے انہیں پتہ چل جاتا کہ وہ مدینہ منورہ میں شر و فساد کی آبیاری کر رہا ہے تو آپ اس کا سختی سے محاسبہ فرماتے اور اگر اس کو جلا وطن بھی کرنا پڑتا تو اس سے بھی نہ چوکتے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان غنیؓ کو ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ آپؓ نے اس کو ضرب کی سزا سنائی۔ کسی پوچھنے والے نے آپؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے ایسا کیوں کیا۔ آپؓ نے فرمایا: ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی عزت و توقیر کریں اور یہ شخص ان کی توہین کرے۔ میں اسے کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ جو شخص ایسا کرے یا جو اس بات پر راضی ہو اس نے گویا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔'' (ابن اثیر)

گویا کہ آپؓ نے ہر ممکن طریقے سے کوشش کی کہ مدینہ کا دینی اور معاشرتی ماحول خوشگوار رہے تا کہ مملکت اسلامیہ کے دوسرے شہروں پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوں۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے نہ صرف اندرون ملک ہی رفاعی اور فلاحی کاموں کی طرف توجہ دی بلکہ مملکت اسلامیہ کے استحکام کے لیے ایک بہترین عسکری نظام قائم فرما کر ملکی دفاع کو اتنا مضبوط اور مستحکم کر دیا کہ پھر دشمن کو کبھی بھی مملکت اسلامیہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ بری فوج کا انتظام حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ ہی سے بڑا مستحکم تھا۔ مفتوحہ علاقوں کو زیر اثر رکھنے، انہیں بغاوت سے روکنے اور مختلف محاذوں پر کمک پہنچانے کے لیے آپؓ نے جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم کی ہوئی تھیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں ان سب فوجی مراکز کو قائم رکھا لیکن ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان، آرمینیہ اور دوسرے کئی ایک شہروں میں جو آپؓ کے عہد میں زیر نگیں ہوئے تھے فوجی مراکز قائم کیے تا کہ کوئی شخص علم بغاوت بلند نہ کر سکے۔ مزید یہ کہ حضرت عثمان غنیؓ نے فوج کے شعبہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے مستقل فوجی افسروں کے تحت کر دیا۔ ایسا کرنے سے بھی فوجی نظام میں خاص قسم کا استحکام پیدا ہوا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے عوام الناس پر دولت خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ فوجیوں کو بھی اس سے خاص حصہ دیا۔ چنانچہ آپ نے ہر سپاہی کے وظیفہ میں 100 درہم

Marfat.com

کا اضافہ فرمایا۔ (البدایہ والنہایہ)

آپ نے نہ صرف فوجیوں کی تنخواہوں اور وظیفوں میں اضافہ کیا بلکہ ان کی تحسین وآفرین اور حوصلہ افزائی کے لیے مختلف مواقع پر گراں قدر انعامات سے بھی نوازا۔ چنانچہ ایک مرتبہ گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے قطعن بن عوف الہلالی کو کرمان کی مہم پر امیر بنا کر بھیجا۔ وہ چار ہزار کی فوج کا ایک دستہ لے کر وہاں گئے۔ راستہ میں ایک ندی بہہ رہی تھی جس نے ان کا راستہ روکا۔ مہم پر جانا ضروری تھا اور اس ندی کو عبور کرنا دشوار تر۔ اس صورت حال میں امیر لشکر نے کہا کہ جو اس ندی کو عبور کر لے گا اس کو ایک ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ انعام کے اعلان سے اہل لشکر نے اس ندی کو عبور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ چار ہزار کے پورے لشکر نے اسے عبور کر لیا۔ اب کل فوج کا انعام چالیس لاکھ درہم بنا۔ گورنر بصرہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے اتنی بڑی رقم منظور کرنے سے معذوری ظاہر کی تو یہ معاملہ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے پاس لکھ کر بھیجا گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے جواب میں گورنر بصرہ کو لکھا: ”یہ رقم انہیں دے دو کیونکہ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں مسلمانوں کی مدد کی ہے۔“ (البدایہ والنہایہ)

فوجیوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لیے چراگاہوں کی اشد ضرورت تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے تمام مملکت اسلامیہ میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائیں۔ سب سے بڑی چراگاہ ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور دس میل چوڑی تھی۔ اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں ..... جو 36 مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کی وسعت میں اضافہ کیا گیا اور چراگاہ کی سرسبزی اور شادابی کے لیے اس کے قریب چشمے اور تالاب تیار کروائے گئے۔ چراگاہوں میں جو لوگ کام کرتے تھے یا اس کے منتظم تھے ان کی رہائش کے لیے کوارٹر اور مکانات بھی تعمیر کیے گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن حکیم کی تعلیم و تدریس کی طرف بھی خصوصی توجہ دی اور تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن پاک کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے باتنخواہ معلم

Marfat.com

اور قاری مقرر فرمائے۔ (ابن جوزی) ان حضرات کی تنخواہیں بھی تھیں جن سے ان کی ضروریات زندگی آسانی کے ساتھ پوری ہو جاتی تھیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت کا سب سے بڑا کارنامہ ''جمع القرآن'' ہے۔ اسی وجہ سے تاریخ میں آپ کو ''جامع القرآن'' کہا جاتا ہے۔ دراصل حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں جب مملکت اسلامیہ کی حدود میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تو مسلمانوں میں تلفظ اور قرات قرآن میں اختلاف پیدا ہونے لگا۔

چنانچہ سیدنا حذیفہ بن الیمانؓ کو آرمینیہ اور آذربائیجان کی فتوحات کے دوران اس قسم کے کئی تجربات ہوئے لہٰذا وہاں سے واپسی پر انہوں نے اس بارے امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ سے تذکرہ کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ ''اس امت کو سنبھالو قبل اس کے کہ ان کے مابین یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف پیدا ہو'' (بخاری) اختلاف قرات کی بات یہاں تک بڑھی کہ خود مدینہ منورہ کے معلموں کے مابین بھی اختلاف پیدا ہو گیا۔ ان حالات میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے کہنے پر حضرت عثمان غنیؓ نے لوگوں کو ایک قرات پر جمع کرنے کے لیے اور اختلافات میں شدت کی پیش بندی کے پیش نظر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: ''امیر المومنین! آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' آپؓ نے فرمایا: ''میرے رائے تو یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کریں تاکہ مستقبل میں اختلاف کا کوئی خطرہ نہ رہے۔'' تمام صحابہ کرامؓ نے امیر المومنین کی اس رائے کو پسند کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے ام المومنین سیدہ حفصہؓ بنت حضرت عمر فاروقؓ سے قرآن حکیم کا وہ نسخہ منگوایا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں لکھا گیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو جس میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمان بن الحارثؓ شامل تھے۔ اس کام پر مامور کیا کہ وہ عہد صدیقیؓ کے مرتب شدہ اس قرآنی نسخے سے اس کی نقول تیار کریں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اگرچہ املاء اور نقول کا کام ان چار صحابہ کرامؓ کے سپرد کیا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت کثیر بن افلحؓ،

Marfat.com

حضرت انس بن مالکؓ اور کئی اور صحابہ کرامؓ کو بھی ان کی مدد اور تعاون کے لیے مامور فرمادیا۔

ان صحابہ کرامؓ نے جب عہد صدیقی کے اس نسخہ سے قریش کی قرات سے متعدد نقول تیار کر لیں تو وہ مصحف صدیقیؓ سیدہ حفصہؓ کو واپس کر دیا۔ امام بخاریؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ: ''مملکت اسلامیہ کے ہر افق میں صحابہ کرامؓ کی اس تیار شدہ نقل کی ایک ایک کاپی بھیج دی گئی۔'' حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن حکیم کی جمع و ترتیب میں ان امور کا خاص خیال رکھا کہ:

1. حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں جو مصحف تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے مقرر کردہ جامعین نے سورتوں کو ترتیب کے ساتھ لکھا۔
2. مصحف میں صرف وہی آیات درج کی گئیں جن کے قرآن ہونے کا قطعی یقین تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے اس کارنامہ کو تمام صحابہ کرامؓ نے سراہا اور ان کے ساتھ اس معاملہ میں ہمہ قسم کا تعاون کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: ''اگر میں امیر ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو حضرت عثمان غنیؓ نے کیا۔ اس بارے علامہ سیوطی نے ایک قول نقل کیا ہے کہ ''حضرت ابوبکرؓ نے نفس قرآن کو لوحین کے درمیان جمع کرنے کا جو کام کیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو قراتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت اور معروف ہیں ان پر مسلمانوں کو جمع دیں۔''

حضرت عثمان غنیؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ کاتبان وحی میں سے تھے (فتح الباری، زادالمعاد) کتابت قرآن کے ساتھ ساتھ آپؓ کو قرات قرآن میں بھی خاص شغف حاصل تھا۔ آپ قرآن حکیم کے حافظ تو تھے ہی لیکن کثرت تلاوت کی وجہ سے اپنے خطبات اور خط و کتابت میں اکثر قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ دیتے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کو جس طرح قرآن حکیم سے ایک خاص شغف تھا اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق بھی آپ کے رگ و ریشہ میں سمایا ہوا تھا۔ آپ کی

Marfat.com

روایت کردہ حدیثوں کی کل تعداد 146 ہے کیونکہ آپ روایت حدیث میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے۔آپ قرآن و حدیث کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہدانہ شان کے بھی حامل تھے اور نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی ان کے قول و عمل سے استناد کرتے تھے۔(بخاری، مسند احمد)

حضرت عثمانِ غنیؓ نرم خو اور نیک مزاج خلیفہ تھے۔آپؓ نے ذوالقربیٰ کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حسن سلوک کیا اور انہیں اچھے عہدوں پر فائز کیا۔آپؓ کے دل میں اگرچہ بنوامیہ یا بنی ہاشم کا خیال نہیں تھا لیکن مخالفین نے حضرت عثمان غنیؓ کے حسن سلوک کو اقربا پروری کا نام دیا۔حضرت عثمان غنیؓ اگر چاہتے تو وہ چند فتنہ پرور لوگوں کو طاقت سے ختم کرا سکتے تھے لیکن آپؓ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا اور مخالفین نے آپؓ کی نیکی سے فائدہ اٹھا کر آپؓ کو اس قدر بدنام کیا کہ وہ آپؓ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔قاعدہ ہے کہ جب کسی ملک کے سماجی اور سیاسی حالات ناسازگار ہوتے ہیں اور عام ذہن ان سے متاثر ہونے لگتے ہیں تو بعض موقع پرست لوگ کسی تحریک کے بانی اور قائد کی حیثیت سے ابھرتے ہیں اور اپنے مفادات خاص حاصل کرنے اور اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کی غرض سے ان حالات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں چنانچہ اس وقت مملکت اسلامیہ کے جو حالات تھے ان میں مزید بگاڑ پیدا کرنے کے لیے ایک نام نہاد مسلمان عبداللہ بن سبا نے نہ صرف خلافت عثمانیؓ بلکہ سرے سے اسلام کے خلاف ہی ایک تحریک شروع کر دی۔یہ شخص عملاً یہودی تھا اور یمن کا باشندہ تھا۔حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔25 ہجری میں اس نے ظاہری طور پر اسلام کو قبول کیا لیکن اندر سے اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ یہودیت کے لبادہ میں مسلمانوں کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اس کے اسلام لانے کی غرض و غایت ہی یہ تھی کہ دوستی کے بھیس میں دشمنی کرے اور اسلام کے لیے مار آستین ثابت ہو اور یوں اپنے ان یہودی بھائیوں کا بدلہ لے جن کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تھا اور بعد میں

حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو عرب کی سرزمین ہی سے ہمیشہ کے لیے ملک بدر کر دیا تھا۔ لہٰذا اس نے اندر ہی اندر ایک خفیہ تحریک چلائی اور اسلامی اصولوں اور عقائد کے سراسر منافی باتوں کی تشہیر کی۔ عبداللہ بن سبا نے نہ صرف مسلمان ہونے کا اعلان کیا بلکہ جبہ و دستار اور ریش دراز کا سہارا بھی لیا مزید یہ کہ اس نے اسلامی فقہ، حدیث اور قرآن کا اتنا گہرا مطالعہ کیا کہ نہ تو کوئی عربی اس کی زباندانی کا مقابلہ کر سکتا تھا اور نہ کسی فقیہ و محدث کو یہ تاب تھی کہ اس کا مقابلہ کر سکے یا اسے جھٹلا سکے۔ عبداللہ بن سبا نے سب سے پہلے تو بنی ہاشم اور بنی امیہ کی دبی ہوئی رنجش کو ابھارنے کی کوشش کی جسے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات اور بھائی چارہ کے اصولوں سے ختم کرا دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے گمراہ کن عقائد کا سہارا لے کر مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور اختلاف کے بیج بوئے۔ عبداللہ بن سبا کو مالی امداد یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے رؤسا سے ملتی تھی۔ دولت کی اسے کمی نہ تھی۔ اس نے ملک کے مختلف شہروں میں دورے کرنے شروع کر دیئے اور حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف پراپیگنڈہ مشینری کو تیزی کے ساتھ چلانا شروع کر دیا۔ اس نے ہر شہر اور ہر ملک میں مراکز قائم کیے اس کے داعی اور سفیروں نے بھی ہر جگہ دورے کر کے حضرت عثمان غنیؓ اور آپؓ کے مقرر کردہ گورنروں کے خلاف زہر اگلا اور امن و عافیت کی فضاء کو اپنے نفرت انگیز لیکچروں سے مسموم کر دیا۔ اہل بیت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے محبت اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کا نعرہ لگایا اور ملک میں فتنہ برپا کرنے کے لیے یہ طریقے اختیار کیے:

1. عمال اور گورنروں کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے ان کو بدنام کرنا خواہ اس کے لیے ان پر جھوٹے اتہامات ہی کیوں نہ لگانا پڑیں۔
2. امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ پر ناانصافی اور کنبہ پروری کے الزامات کی تشہیر کرنا۔
3. بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر لوگوں کو اپنا معتقد بنانا اور اپنے دام تزویر میں پھانسنا۔ (طبری، ابن کثیر)

عبداللہ بن سبا کے قائم کردہ مراکز میں حضرت علی المرتضیٰ کی محبت اور اہل بیت کی الفت کا زبردست پروپیگنڈہ کیا جاتا۔ اموی عمال کے فرضی ظالمانہ کارناموں کی

فہرستیں شائع کی جاتیں۔ ایک جگہ کے گورنر کی زیادتیوں کی فرضی داستان دوسرے گورنر کو بھیجی جاتی عوام کو مسجدوں اور بازاروں میں جمع کر کے بتایا جاتا کہ حضرت عثمان غنیؓ کا تعلق بنوامیہ سے ہے جو بنی ہاشم پر طرح طرح کے ظلم ڈھا رہے ہیں۔ صوبوں سے وہ مرکز والوں کو خط بھجواتا جس میں صوبہ کے اموی اعمال کی جھوٹی کہانیاں لکھی جاتیں اور ان کے ظلم وستم کے فرضی قصے بیان کیے جاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ والے بصرہ والوں کے حال پر افسوس کرتے اور دمشق والوں کو مصر میں ہونے والی داستانوں کو پڑھ کر رونا آتا۔

عبداللہ بن سبا نے بنی امیہ اور حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف اس قدر منظم طریقہ سے پروپیگنڈہ کیا اور خفیہ خط وکتابت کے ذریعے ایسا جال پھیلایا کہ کچھ ہی عرصہ میں اسلامی خلافت کے تمام صوبوں میں حضرت عثمان غنیؓ اور بنوامیہ کے خلاف نفرت پھیل گئی۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور اہل بیت سے کسے محبت نہیں ہوتی لیکن عبداللہ بن سبا اس محبت کو اس طرح ابھارتا تھا کہ سننے اور پڑھنے والے کو یہی محسوس ہوتا کہ اہل بیت پر ظلم وستم ہو رہا ہے۔ اور وہ مظلوم ہیں۔ اس سے چند ہی روز میں ملک میں امن وعافیت کی ساکن فضاء میں فتنہ وفساد کی لہریں دوڑنے لگیں اور لوگوں کے قلبی اور ذہنی سکون میں ایک ارتعاش پیدا ہوگیا۔ (البدایہ والنہایہ)

عبداللہ بن سبا کے گمراہ کن عقائد کا سب سے زیادہ اثر ایرانیوں نے قبول کیا۔ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ بادشاہت کی وفاداری ان کی سرشت میں تھی۔ ایران اور توران ہمیشہ سے مال ودولت اور عیش وعشرت کے گہوارے رہے ہیں۔ وہ دیکھتے آئے تھے کہ جب ایک بادشاہ وفات پاتا ہے تو اس کا بیٹا، بھائی یا پھر کوئی اور عزیز برسراقتدار آجاتا ہے۔ اس لیے وہ الفت اہل بیت کے پروپیگنڈے میں آگئے اور انہوں نے کھلے بندوں یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ خلافت کا حق صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز واقارب کا ہے اور خلافت صرف خاندان میں اسی طرح رہنی چاہیے جس طرح ایران میں ساسانی اور دوسرے خاندان میں چلتی ہے۔

بادشاہت کے شیدائی ایرانیوں کے علاوہ بعض وہ مسلمان بھی اس تحریک میں

شریک ہو گئے جنہیں بنوامیہ کے کسی عمال سے ذاتی رنجش تھی۔ ان کی یہ رنجش اب نفرت میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اس میں بھی شبہ نہیں کہ بعض متقی اور پرہیز گار لوگ بھی عبداللہ بن سبا کے زبردست پروپیگنڈے سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ عبداللہ بن سبا نے سبائی تحریک کی اہم مقامات پر شاخیں قائم کرنے کے لیے تمام اسلامی صوبوں کا طوفانی دورہ کیا تھا اور وہاں خاص خاص لوگوں کو ناظم مقرر کیا تھا۔ ان ناظمین کا ماہانہ مشاہرہ اتنا زیادہ مقرر کیا گیا کہ وہ فکر معاش سے آزاد ہو گئے اور سبائی تحریک کے کاموں میں لگ گئے۔ عبداللہ بن سبا جب کوئی ناظم مقرر کرتا تو انہیں ان کاموں کی تلقین کرتا:

1. بظاہر متقی اور پرہیز گار بن کر مسلمانوں پر اپنا اثر واقتدار قائم کیا جائے۔
2. امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف بہتان تراشے جائیں اور ان پر جھوٹے الزامات لگائے جائیں۔
3. عمال حکومت کو پریشان کیا جائے۔ انہیں نالائق، نااہل اور ظالم قرار دے کر صوبوں میں شورش پیدا کی جائے۔
4. ایک شہر سے دوسرے شہر میں عمال کے فرضی مظالم کے خطوط بھیجے جائیں۔

عبداللہ بن سبا بصرہ سے نکالا گیا تو وہ کوفہ پہنچا۔ کوفہ اپنی فتنہ گری اور شر پسندی میں دو ہاتھ آگے تھا۔ مالک الاشتر، جندب، ابن الکواء، کمیل، ابن ذی الحبکہ اور عمیر بن ضابی جیسے لوگ کوفہ کے شر پسندوں کے سرپرست تھے۔ کوفہ پہنچتے ہی عبداللہ بن سبا نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا اور اپنی تحریک کے موٹے موٹے اصول سمجھائے۔

یہودی عبداللہ بن سبا نے مصر کو مرکز بنا کر ایک خاص منصوبہ کے تحت بصرہ، کوفہ، شام اور مدینہ منورہ میں عمال کے مظالم اور عوام کے مصائب پر مشتمل فرضی خطوط روانہ کرائے۔ اس کے علاوہ ایک شہر سے دوسرے شہر بھی اسی قسم کے خطوط بھیجے گئے۔ یہ خطوط جہاں پہنچتے وہاں کے سبائی ایجنٹ ان کی خوب تشہیر کرتے اور عوام کو حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے عمال کے خلاف بھڑکاتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر کے رہنے والے یہ سمجھنے لگے کہ بس وہی امن میں ہیں جب کہ باقی سارے شہر بنوامیہ کے مظالم سے بے چین ہیں۔

Marfat.com

مفسدین کی طرف سے آپؓ پر جو الزامات لگائے گئے تھے وہ بھی بدنیتی پر مبنی تھے اور محض الزام برائے الزام ہی تھے تاکہ ان سے حضرت عثمان غنیؓ کو عوام الناس میں بدنام کیا جائے اور آپؓ کی خلافت کو کمزور کر کے آپؓ کو معزول ہونے پر مجبور کیا جائے۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے ان تمام الزامات کے ٹھوس دلائل، مضبوط براہین اور مکمل شواہد کے ساتھ ایسے بلیغ اور تسلی بخش جوابات دیئے کہ معترضین اک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے پہلے الزام کے بارے ارشاد فرمایا: ''کہا جاتا ہے کہ میں نے صحابہ کبارؓ کو معزول کر کے اپنے خاندان کے نوجوانوں کو مقرر کیا۔ اس ضمن میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن ارقمؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی معزولی کا الزام لگایا گیا ہے۔ جہاں تک حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا تعلق ہے ان کی معزولی کی وصیت حضرت عمر فاروقؓ نے کی تھی ان کی صرف اس وصیت کو پورا کیا گیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی معزولی کا سبب بصرہ کے عوام کی دربار خلافت میں درخواست تھی کہ انہیں برطرف کر دیا جائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی کا سبب بیت المال سے رقم قرض لے کر وقت پر ادائیگی نہ کرنا تھا جس کی وجہ سے ناظم بیت المال کے ساتھ ان کا جھگڑا بھی ہوا ہے۔ جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن ارقمؓ کو ضعف پیری اور کمزوری صحت کی بناء پر سبکدوش کیا گیا۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ کو معزول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب ان سے مصر کا خراج بڑھانے کو کہا گیا تو انہوں نے معذوری ظاہر کی مگر جب ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ کو تعینات کیا گیا تو انہوں نے خراج کی رقم بیس لاکھ سے چالیس لاکھ کر دی۔''

دوسرے الزام کا جواب دیتے ہوئے حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: ''میرے متعلق کہا گیا ہے کہ میں نے بعض صحابہ کبارؓ کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔ اس سلسلہ میں تین صحابہ کرامؓ کے نام لیے گئے۔ پہلا نام حضرت ابوذر غفاریؓ کا ہے جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ میں نے انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیا۔ حالانکہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے خود مدینہ میں رہنے کی بجائے ربذہ کے مقام پر رہنا پسند فرمایا اور میں نے ان کے لیے دو

Marfat.com

غلام بھجوادیئے۔ اس طرح یہ ان کی خودساختہ جلاوطنی تھی۔ دوسرا نام عمار بن یاسر کا ہے۔ میں نے ان پر سختی نہیں بلکہ فہمائش کی تھی اس لیے انہیں تحقیقات کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن وہ واپس آنے کی بجائے مفسدین کے ساتھ مل گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے کئی عمال کو اعلانیہ سزا دی تھی۔ تیسرا نام عبداللہ بن مسعودؓ کا ہے کہ میں نے ان کا وظیفہ بند کر دیا۔ میں نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ ان کے پاس جو مصحف تھا وہ میرے طلب کرنے کے باوجود دینے پر تیار نہ ہوئے۔'' تیسرے الزام کے سلسلہ میں حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: ''لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت کرتا ہوں اور انہیں نوازتا رہتا ہوں۔ ایک تو عزیز و اقارب سے محبت کرنا بری بات نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کی محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا۔ میں اپنے عزیزوں کے واجبی حقوق صرف اپنے ہی مال سے ادا کرتا ہوں۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے اوپر جائز سمجھتا ہوں اور نہ اپنے عزیزوں پر۔ میں ختم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بھی اپنے عزیزوں کو بڑی بڑی رقمیں دیا کرتا تھا۔ میں رب ذوالجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس ملک سے جو بھی آمدنی آتی ہے وہ اس ملک کے لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جاتی ہے۔ میرے پاس صرف خمس آتا ہے اس میں سے کچھ لینا میں جائز نہیں سمجھتا۔ یہاں تک کہ میں اپنا کھانا بھی اپنے ہی مال سے کھاتا ہوں۔''

چوتھے الزام کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: ''مجھ پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ میں نے بقیع کی چراگاہ اپنے لیے مخصوص کر لی اور دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا۔ حالانکہ میں نے صرف ان چراگاہوں کو مخصوص قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص تھیں۔ بقیع کی چراگاہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے ہی بیت المال کے جانوروں کے لیے مخصوص چلی آرہی ہے میں نے اس کے لیے کوئی نیا حکم جاری نہیں کیا اور یہ بات آپ سب لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔'' پانچویں الزام کے ضمن میں حضرت عثمان غنیؓ نے لوگوں سے کہا:

''کہا گیا ہے کہ میں نے عمال کی بدعنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں کیا۔ حالانکہ

Marfat.com

میں نے اعلان کر دیا کہ میں حج کے موقع پر اپنے عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا۔ میرے پاس عمال کے خلاف جو بھی شکایت پہنچتی ہے میں فوری اس کا ازالہ کرتا ہوں۔ پھر بھی اگر کسی کو مجھ سے یا میرے عمال سے شکایت ہے تو وہ حج کے موقع پر پیش کرے اور مجھ سے یا میرے عمال سے اپنا حق طلب کرے۔ میں اور میرے عمال اس کا حق ادا کریں گے۔'' چھٹے الزام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عثمان غنیؓ نے ارشاد فرمایا: ''جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں نے عبیداللہ بن عمر سے قصاص نہیں لیا اور ولید بن عقبہ پر شراب کی حد جاری کرنے میں تاخیر کی۔ تو اس کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ عبیداللہ بن عمر کے قصاص کو دیت میں بدلتے ہوئے مقتولین کا خون بہا اپنی جیب سے ادا کیا۔ ولید بن عقبہ پر شراب کی حد جاری کرنے میں اس لیے تاخیر ہوئی کہ ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی شہادت ملنے میں دیر ہوئی تھی ورنہ سزا دینے میں قطعی تاخیر نہیں ہوئی۔''

ساتویں الزام کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ نے وضاحت کی ''کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک کئی مصاحف کی صورت میں تھا۔ میں نے ایک کو رکھ کر باقی کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ قرآن پاک ایک ہی کتاب ہے جو ایک ہی ذات کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ اکابر صحابہ کرامؓ کی جماعت موجود ہے جنہوں نے اسے ہادیٔ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر ہدایت قلمبند کیا ہے۔ میں نے انہی کے منضبط کیے ہوئے قرآن کو مختلف اطراف روانہ کیا ہے۔'' آٹھویں الزام کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ کا فرمان تھا: ''کہا جاتا ہے کہ میں نے منیٰ میں دو رکعت کی بجائے چار رکعت نماز پڑھ کر نئی بدعت جاری کی۔ حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں میرے اہل وعیال تھے اور میں نے وہاں پہنچ کر اقامت کی نیت کر لی تھی۔ میں نے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کر لے اسے مقیم کی طرح پوری نماز پڑھنا چاہیے۔''

نویں الزام کے جواب میں حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: ''کہا جاتا ہے کہ میں نے حکم بن العاص کو مدینہ منورہ بلا لیا حالانکہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے میری سفارش پر واپس آنے کی اجازت دی تھی یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام کا ہے اس لیے لوگوں کو

اس کی خبر نہ ہوسکی۔ میں نے اپنے عہد میں صرف ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا نفاذ کیا ہے۔"

حضرت عثمان غنیؓ نے مفسدین اور معترضین کے ہر اعتراض اور الزام کا تفصیل سے اور مدلل جواب دیا لیکن ظاہر ہے کہ اگر کسی نے فساد اور شر کی نیت کر لی ہو تو پھر اس کی اصلاح دلائل اور براہین سے نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا باغیوں کی طرف سے محاصرہ طویل ہو گیا لیکن آپؓ نے اس کی کوئی پروانہ کی۔ اس دوران صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت جس میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ابو ہریرہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حسن بن علیؓ اور دوسرے کئی اکابر صحابہؓ شامل تھے باغیوں سے لڑنے کے لیے نکلی۔ مگر امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کو جب اس کا علم ہوا تو آپؓ نے ان کی طرف ایک آدمی بھیجا اور انہیں قسم دیتے ہوئے کہا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھیں اور کسی سے کوئی تعرض نہ کریں۔ امن وسکون سے رہیں یہاں تک کہ امر الٰہی پورا ہو۔ امیر المومنینؓ کا یہ حکم سن کر سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

اسی طرح جب بھی صحابہ کرامؓ نے باغیوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں نہایت سختی سے روکا اور انہیں شر پسندوں کا مقابلہ نہ کرنے دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بعض صحابہ کرامؓ مسلح ہو کر حضرت عثمان غنیؓ کی مدافعت کے لیے آئے تو حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: "اگر تم مجھے حق پر سمجھتے ہوئے میری اطاعت کرنا چاہتے ہو تو اپنی تلواروں کو نیام میں کر کے واپس چلے جاؤ کیونکہ ہم قتل وقتال نہیں چاہتے۔" (التمہید والبیان)

سبائیوں کا مدینہ منورہ پر پورا قبضہ تھا اور انہوں نے مارشل لاء کی سی کیفیت کر رکھی تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر اکابر صحابہؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت اقدس میں پہنچ کر مختلف تجاویز پیش کیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے عرض کیا "انصار مدینہ کی ایک جماعت دروازے پر حاضر ہے۔ اگر ارشاد ہو تو وہ جان تک کی بازی لگانے اور دوبارہ اللہ کی راہ میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھانے کو تیار ہیں۔" لیکن آپؓ نے فرمایا: "میں جنگ کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا" (ابن سعد) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت عثمان

Marfat.com

غنیؓ سے عرض کیا ''اے امیر المومنینؓ! آپؓ مسلمانوں کے امام ہیں۔ مفسدین کی بد باطنی سے آپؓ کی جان خطرے میں ہے۔ میں آپؓ کے سامنے تین تجاویز پیش کرتا ہوں۔ ان میں سے کسی ایک کو قبول کر لیجیے۔ پہلی تجویز یہ ہے کہ آپؓ حق پر ہیں اس لیے باہر نکل کر مفسدین سے مقابلہ کیجیے۔ آپؓ کے ساتھ بہت سے جانثار ہیں۔ ہم چونکہ حق پر ہیں اس لیے حق کی فتح ہو گی۔ اہل مدینہ بھی ہمارا ساتھ دیں گے۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ صدر دروازے کو مفسدین نے گھیر رکھا ہے۔ اس لیے مکان کی پشت کی طرف سے دیوار توڑ کر راستہ بنایا جائے اور اس راستہ سے آپؓ باہر نکلیں۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ معظّمہ تشریف لے جائیں۔ مفسدین میں یہ طاقت نہیں کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچ کر حرم شریف میں آپؓ سے دست درازی کریں۔ تیسری تجویز یہ ہے کہ آپؓ شام چلے جائیں۔ وہاں حضرت امیر معاویہؓ موجود ہیں۔ دوسرے لوگ بھی آپؓ کے وفادار ہیں۔ وہاں آپؓ ان مفسدین کے شر سے محفوظ رہیں گے۔''

حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی تجاویز بڑے غور اور تحمل سے سنیں اس کے بعد فرمایا: ''میں جنگ ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو مسلمانوں کے خون سے اپنی تلوار رنگین کرے اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خونریزی ہو۔ دوسری تجویز اس لیے قابل قبول نہیں کہ میں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قریش میں سے ایک شخص مکہ معظّمہ کی بے حرمتی کرے گا اور ساری دنیا کے عذاب کا آدھا عذاب اس کے حصے میں آئے گا۔ مجھے قطعاً کوئی امید نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حرم کی توہین نہیں کریں گے اور وہاں اس کے احترام کی خاطر جنگ نہیں کریں گے۔ لہٰذا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو کہ مکہ مکرمہ جا کر اس کی توہین اور بے حرمتی کا باعث بنے۔ اور مزید یہ کہ میں شام بھی نہیں جا سکتا کیونکہ اس صورت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت یعنی مدینہ کو کسی صورت بھی نہیں چھوڑنا چاہتا۔'' (مسند احمد بن حنبلؒ)

حضرت ابو ہریرہؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا ''بے شمار اعوان و انصار آپؓ کے اشارہ کے منتظر ہیں اجازت ہو تو ایک ہی روز میں ان باغیوں کو نیست و نابود کر

Marfat.com

دیا جائے۔'' حضرت عثمان غنیؓ نے جواب میں فرمایا: ''اے ابو ہریرہؓ! کیا تمہیں پسند ہے کہ تم میرے سمیت ساری دنیا کو قتل کر دو؟'' حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: ''یا امیر المومنینؓ! نہیں بالکل نہیں'' حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: ''اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا تم نے ساری دنیا کو قتل کر دیا کیونکہ قرآن پاک میں رب رحمٰن ورحیم کا ارشاد ہے: ''جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلہ کے یا زمین میں فساد کر کے مار ڈالے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا۔'' (مائدہ) حضرت عثمان غنیؓ کا یہ جواب سن کر حضرت ابو ہریرہؓ بھی واپس لوٹ گئے۔ (ابن سعد) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ نے بھی بڑے منکسرانہ لہجے میں امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ سے درخواست کی کہ انہیں باغیوں کو سبق سکھانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے لیکن امیر المومنینؓ نے انہیں بھی یہی جواب دیا ''میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور آفتاب حیات لب بام ہے لہٰذا میں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری خاطر کوئی ہتھیار نہ اٹھائے۔ (طبقات ابن سعد)

مشہور تابعی محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ جس وقت باغیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت سات سو کے قریب صحابہ کرامؓ امیر المومنینؓ کے پاس موجود تھے۔ امیر المومنینؓ اگر انہیں اجازت دیتے تو وہ باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا سکتے تھے۔ ان سات سو صحابہ کرامؓ اور ان کے صاحبزادوں کے سردار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے جو بہادری میں اچھی خاصی شہرت کے حامل تھے اور مصر وافریقہ کی فتوحات میں اپنی بہادری کا لوہا منوا چکے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی ''یا امیر المومنینؓ! اس وقت قصر خلافت میں جانثاروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ ہم وہی لوگ ہیں کہ خراسان سے افریقہ تک کوئی شخص ہماری تلواروں کی تاب نہ لا سکا۔ اگر اجازت ہو تو ان باغیوں کو ان کی شرپسندی کا مزہ چکھائیں۔'' حضرت عثمان غنیؓ نے جواب میں فرمایا: ''اگر تم میں سے کسی ایک کا بھی لڑنے کا ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔'' (ابن سعد) ان لوگوں کے علاوہ حضرت عثمان غنیؓ کے آزاد اور غیر آزاد غلاموں کی اتنی بڑی تعداد وہاں موجود تھی کہ اگر ان کو اجازت مل جاتی تو وہ باغیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا

Marfat.com

دیتے بلکہ وہ بار بار اسلحہ سے لیس ہو کر آپؓ سے اجازت طلب کرتے کہ انہیں باغیوں کو ان کی شر پسندی اور فتنہ پردازی کا مزہ چکھانے دیا جائے لیکن امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے یہی جواب ملتا کہ ''اگر تم لوگ میرا حق نمک ادا کرنا چاہتے ہو تو تمام ہتھیار اتار دو اور امن وسکون کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں چلے جاؤ بلکہ تم میں سے جو کوئی ہتھیار اتار دے گا وہ آزاد ہے۔'' (طبری، ابن کثیر)

ان ایام محاصرہ میں حضرت عثمان غنیؓ اپنا زیادہ وقت نماز میں گزارتے۔ آپؓ کے پاس قرآن پاک ہر وقت پڑا رہتا۔ جب آپؓ نوافل سے ذرا تھک جاتے تو قرآن حکیم کھول کر اس کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ ایک روز پھر ایسا ہوا کہ سبائیوں نے قصر خلافت کی ڈیوڑھی اور دروازہ کو آگ لگا دی۔ ڈیوڑھی اور دروازہ دونوں جل کر گر پڑے۔ باغیوں نے بڑھ کر قصر خلافت میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن حضرت مغیرہ بن الاخنسؓ، حضرت حسن بن علیؓ، حضرت محمد بن طلحہؓ، حضرت سعید بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت مروان بن الحکمؓ نے مدافعت کی۔

محاصرہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ اور باغیوں کے دلوں میں ایک خوف تھا کہ کہیں ہزاروں حاجی حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ واپس نہ آنا شروع ہو جائیں اور یہ کہ مملکت اسلامیہ کے دوسرے صوبوں سے کہیں کوئی کمک امیر المومنینؓ کی مدد کے لیے نہ پہنچ جائے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ان کا تمام تر مقصد فوت ہو جائے گا اور انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ لہٰذا اب وہ عجلت سے کام لینا چاہتے تھے جس کے لیے انہوں نے محاصرے میں مزید شدت پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی زندگی کا یہ معمول تھا کہ آپؓ اکثر روزہ سے رہتے لیکن محاصرہ کے ایام میں تو آپؓ نے مسلسل روزہ رکھا۔ شہادت سے ایک روز قبل آپؓ نے افطاری کے قریب محاصرین کو کہلا بھیجا کہ چونکہ میں روزے سے ہوں اس لیے افطاری کے لیے تھوڑا سا پانی منگوانے کی اجازت دے دیں لیکن وہ لوگ اس قدر سنگ دل ہو چکے تھے کہ انہوں نے آپؓ کو پانی منگوانے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ بغیر روزہ افطار کیے رات کو سو گئے۔ اگلی صبح آپؓ کی اہلیہ محترمہ نے کسی ہمسایہ کی معرفت میٹھے پانی کا ایک پیالہ امیر المومنین کے لیے

Marfat.com

منگوایا اور آپؓ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؓ نے یہ کہہ کر پانی پینے سے انکار کر دیا کہ میں رات روزہ کی نیت کر چکا ہوں۔ چنانچہ آپؓ نے بغیر کچھ کھائے پیے دوسرا روزہ بھی رکھ لیا۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہؓ نے کہا: ''آپؓ نے رات کو بھی کچھ کھایا پیا نہیں اس لیے آپؓ روزہ کی تکمیل کس طرح کر سکیں گے۔'' آپؓ نے مسکرا کر سیدہ نائلہؓ سے فرمایا: ''رات میں نے ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہایت شیریں اور ٹھنڈے پانی کا ڈول تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پے در پے تین دفعہ مجھے وہ پانی پلایا اور ہر دفعہ میں جتنا پی سکتا تھا میں نے پیا۔ پانی پی لینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''عثمانؓ! کل یہ محاصرین تم پر یورش کریں گے۔ اگر تم ان کا مقابلہ کرو گے تو رب ذوالجلال تمہیں اپنی نصرت سے نوازیں گے اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو پھر کل روزہ ہمارے پاس افطار کرنا۔''

سیدہ نائلہؓ سے پھر حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا: ''میں نے صبر کا راستہ اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا انشاء اللہ روزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر افطار کروں گا۔'' (البدایہ والنہایہ، انساب الاشراف) اس روز حضرت عثمان غنیؓ نے بیس غلاموں کو آزاد فرمایا اور اپنا ایک پاجامہ منگوا کر پہنا۔ حالانکہ آپؓ نے کبھی بھی پاجامہ نہیں پہنا تھا۔ آپؓ کے غلام مسلم ابی سعید کہتے ہیں کہ ''آپؓ نے اس روز پاجامہ اس لیے پہنا تھا کہ جب آپؓ کو شہید کیا جائے تو کہیں آپؓ کا ستر نہ کھل جائے کیونکہ آپؓ بہت زیادہ حیادار تھے اور آسمان کے فرشتے بھی آپؓ سے حیا کرتے تھے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' (ابن کثیر) 17 ذوالحجہ 35 ہجری کی شب کو مفسدین کے تمام بڑے بڑے رہنما حضرت عثمان غنیؓ کے مکان سے کچھ دور ایک میدان میں جمع ہوئے اور سوچ بچار کرنے لگے۔ وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ حضرت عثمان غنیؓ کو فوراً شہید کر دیا جائے لیکن کس طرح؟ ظاہر ہے کہ اگر وہ قصر خلافت پر یلغار کرتے ہوئے اندر داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں حضرت حسینؓ، حضرت حسنؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت محمد بن طلحہؓ اور دوسرے نوجوان مجاہدین کو پہلے راستے سے ہٹانا ہوگا۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر انہوں نے ان نوجوانوں میں سے ایک کو بھی ختم کیا تو مدینہ کی گلیاں ایسے شعلوں

Marfat.com

سے بھر جائیں گی کہ مفسدین کا میدان میں رہنا تو درکنار، مدینہ سے نکلنا مشکل ہو جائے گا اور وہ اپنے ہاتھوں سے لگانے والی آگ میں خود جل کر خاکستر ہو جائیں گے۔ اس طرح 18 ذوالحجہ 35 ہجری کی صبح ہو گئی اور عبداللہ بن سبا اور اس کے قریبی مشیر کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ تاہم مفسدین نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج کا دن نہیں ٹلنا چاہیے اور حضرت عثمان غنیؓ کو دوسرے دن کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہو۔

اس بدنیتی کے ساتھ مفسدین کے ایک بڑے گروہ نے اچانک دروازے پر یلغار کر دی۔ قصر خلافت کے دروازے پر نوجوانان مدینہ منورہ دیوار بن کر یلغار کو روکتے اور پھر پھیل کر حملہ آور مفسدین پر ٹوٹ پڑتے۔ مفسدین بالآخر عاجز آ گئے۔ ان نوجوانوں پر قابو پانا ان کے بس میں نہ رہا۔ اب عبداللہ بن سباء نے آخری چال چلی۔ اس کا اشارہ پاتے ہی کچھ مفسدین دروازے کے سامنے سے ہٹ گئے۔ سامنے سے ہٹ کر یہ لوگ قصر خلافت کی پشت پر پہنچے اور ملحقہ مکانوں پر چڑھ کر قصر خلاف میں پھاند گئے۔ کچھ مفسدین پچھلی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے۔ انہیں وہاں کون روکتا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے تمام ہمدردوں اور حمایت کرنے والوں کو رخصت کر دیا تھا۔ غلاموں کو آزاد کر کے باہر جانے کا حکم دیا تھا۔ آپؓ کے پاس سوائے ضعیف زوجہ محترمہ سیدہ نائلہؓ کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ اور حضرت نائلہ کی بصارت بھی ضعیف العمری کی وجہ سے کمزور تھی۔ آپؓ کے سامنے کلام الٰہی تھا اور آپؓ تلاوت میں مصروف تھے۔ قصر خلافت میں داخل ہونے والوں میں سے ایک گستاخ نے آگے بڑھ کر حضرت عثمان غنیؓ کی پیشانی مبارک پر پوری طاقت کے ساتھ لوہے کا ایک گرز مارا جس سے آپؓ پہلو کے بل زمین پر گر پڑے۔ اس وقت آپؓ کے منہ سے نکلا بسم اللہ توکلت علی اللہ۔ آپؓ کی اہلیہ محترمہ سیدہ نائلہؓ یہ دیکھ کر ان بدبخت حملہ آوروں سے کہنے لگیں "اللہ سے ڈرو! تم ایک ایسے شخص کو شہید کر رہے ہو جو صائم الدہر اور قائم اللیل ہے اور ایک رات میں پورا قرآن پاک ختم کرتا ہے۔"

لیکن ان ظالموں پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ ایک اور بدبخت نے آپؓ پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت نائلہؓ بے تابانہ دوڑیں اور اپنے شوہر کو بچانے کے لیے ہاتھ

Marfat.com

آگے کر دیا۔ ایک کمزور ہاتھ طاقتور ہاتھ کو کیا روکتا۔ البتہ حضرت نائلہؓ کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ اور یوں دامادرسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، پیکر حلم و حیاء، جامع قرآن حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا گیا۔ شہادت کے خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا۔ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم یعنی ''ان کے مقابلہ میں خدا تمہارے لیے کافی ہے اور وہی صاحب علم وحکمت ہے۔'' حضرت عثمان غنیؓ اس وقت جس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے وہ یہ تھی ''وہ لوگ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے مقابلے کے لیے لشکر جمع کیے ہیں پس ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھایا اور انہوں نے کہا کہ اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔'' (البدایہ والنہایہ، تاریخ طبری، انساب الاشراف، طبقات ابن سعد) قصر خلافت میں امیر المومنینؓ کی شمع حیات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بجھا دیا گیا تھا لیکن دروازہ پر موجود صحابہ زادوں کو اس کا مطلق کوئی علم نہ تھا کیونکہ وہ قصر خلافت کے دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ قصر خلافت میں اگر کوئی داخل ہوا تو دروازہ کے راستہ سے ہی داخل ہوگا۔ عقب سے دیوار پھاند کر اندر گھس جانے کی ترکیب ان کے خیال میں بھی نہ تھی۔ دوسرے قصر خلافت کا دروازہ بھی بند تھا۔ شاید اس وجہ سے بھی وہ نوجوانان مدینہ اندر کا ہنگامہ نہ سن سکے۔ حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوگئے اور باغی جس راستہ سے آئے تھے اسی راستہ سے واپس چلے گئے تو سیدہ نائلہؓ نے بالاخانے کی چھت پر چڑھ کر اہل مدینہ کو آواز دی۔ ''ان امیر المومنینؓ قد قتل'' یعنی ''امیر المومنینؓ کو شہید کر دیا گیا۔'' (الامامۃ والسیاستہ)

عثمان غنیؓ کی شہادت 16 ذوالحجہ 35 ہجری جمعہ کے دن واقع ہوئی۔ 19 ذوالحجہ 35 ہجری بروز ہفتہ مغرب، عشاء کے درمیان سپرد خاک کر دیا گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کو جنت البقیع کی بجائے اس سے متصل حش کوکب میں دفن کیا گیا۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ کوکب انصار کے ایک شخص کا نام تھا اور حش کے معنی باغ کے ہیں۔ یہ جگہ حضرت عثمان غنیؓ نے خود خریدی تھی اور سب سے پہلے آپؓ ہی کو اس میں دفن کیا گیا۔ اس جگہ اور جنت البقیع کے مابین ایک دیوار تھی جس کو بعد میں حضرت معاویہؓ نے گرا کر جنت البقیع میں شامل کر دیا چنانچہ آج کل آپؓ کا مزار جنت البقیع میں موجود ہے۔ مسند

Marfat.com

احمد کے مطابق آپؓ کی نماز جنازہ حضرت زبیر بن العوامؓ نے جب کہ طبقات ابن سعد کے مطابق حضرت جبیر بن مطعمؓ نے پڑھائی۔ حضرت نیاز بن مکرمؓ، حضرت ابوجہم بن حذیفہؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ نے آپؓ کو قبر میں اتارا اور حضرت حکیم بن حزامؓ اور آپؓ کی ازواج نے جسد اطہر کو اٹھا کر دیا۔ (استیعاب، طبقات ابن سعد، التمہید والبیان) شہادت کے وقت آپؓ کی عمر مشہور قول کے مطابق 82 سال چند ماہ تھی۔ ایک قول 84 سال اور دوسرا 86 سال کا بھی ہے امام قتادہؒ کے نزدیک شہادت کے وقت آپؓ کی عمر 88 یا 90 سال تھی۔ (البدایہ والنہایہ) آپؓ کی مدت خلافت صحیح اور مشہور قول کے مطابق 11 سال 11 ماہ 18 دن ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے وہ سارے کے سارے نہایت ذلت سے اس دنیا سے مرے اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوئے اور حضرت علیؓ نے ان کے لیے جو دعا کی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آپؓ نے فرمایا تھا ''اے اللہ! قاتلان عثمانؓ پر لعنت فرما۔ خواہ وہ زمین پر ہوں یا سمندر میں، نشیبی زمین میں ہوں یا کسی پہاڑ پر'' (منہاج السنہ) امام سیوطیؒ کا بیان ہے کہ ''ان میں سے اکثر پاگل ہو کر اس دنیا سے گئے'' (تاریخ الخلفاء) علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بددعا کی تھی ''اے اللہ! قاتلین عثمانؓ کو پہلے بحر ندامت میں ڈال پھر انہیں پکڑ'' اور یہی ہوا کہ قاتلین عثمانؓ میں سے جو بھی مرا قتل ہو کر مرا (طبری) اور بھیانک اور لائق عبرت انجام اس کا مقدر ٹھہرا۔

Marfat.com

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ

علی نام، ابوالحسن اور ابو تراب کنیت جبکہ اسد اللہ، حیدر اور المرتضیٰ، آپؓ کے مختلف القابات ہیں۔ والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ (ابن کثیر) ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم عبداللہ بن عبدالمطلب اور زبیر بن عبدالمطلب ابو طالب کے حقیقی برادران تھے اور ان تینوں بھائیوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھیں (الزبیری) حضرت علی المرتضیٰؓ کی والدہ پہلی ہاشمی خاتون تھیں جن کی شادی ہاشمی بزرگ سے ہوئی اور یوں ان کے بطن سے نجیب الطرفین ہاشمی متولد ہوئے۔ آپؓ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔

اس نیک دل خاتون نے ہادیٔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں بڑھ چڑھ کر یوں حصہ لیا اور اس طرح پرورش کی کہ کوئی اپنے بچوں کی بھی کیا کرے گا! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو طالب کے ساتھ اس ہاشمی خاتون کو بھی شعب ابی طالب میں محاصرے کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا مگر بھتیجے کی حمایت میں تکالیف اٹھانے کی بناء پر ان کے ماتھے پر معمولی سی شکن یا دل کے کسی گوشے میں ذرا سا میل تک نہ آیا بلکہ بڑے صبر و استقلال سے بھوک اور پیاس کی مصیبتیں برداشت کرتی رہیں۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر اپنی اس محسنہ کے احسانات کے معترف رہے اور جب 4 ہجری

Marfat.com

میں فاطمہ بنت اسدؓ کا انتقال ہوا (تاریخ الخمیس) تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا از حد دُکھ ہوا نماز جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائی اپنا کرتہ مبارک ان کے جسم پر ڈالا اور قبر میں اتارنے سے پہلے اس میں خود اترے اور اس میں لیٹ کر قبر کو متبرک کیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ (اسد الغابہ)

حضرت علی المرتضیٰؓ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن حجر العسقلانی کے مطابق آپؓ کی ولادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دس برس قبل ہوئی تھی۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے تیس سال بعد حضرت علی المرتضیٰؓ متولد ہوئے۔ (النووی) بعض اقوال کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ کی ولادت مکہ شریف میں عام الفیل مطابق تقریباً 600ء ہوئی (ارمان سرحدی) متعدد اقوال سے اختلاف کے پیش نظر آپؓ کے سن ولادت کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ (نافع) حضرت علی المرتضیٰؓ بچے ہی تھے کہ مکہ میں خوفناک قحط پڑا۔ ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباسؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: ''اے چچا جان! ابو طالب بڑے عیال دار ہیں آپؓ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت لوگ مصیبت میں ہیں۔ آپؓ میرے ساتھ ابو طالب کے پاس چلئے تا کہ ہم ان کے عیال کو بانٹ لیں۔ ان کا ایک لڑکا میں لے لوں اور ایک آپؓ لے لیں اور ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔'' حضرت عباسؓ نے فرمایا: ''بہت بہتر بات ہے''۔ اب دونوں مل کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے: ''ہم آپ کو آپ کے عیال کے بوجھ سے کسی قدر سبکدوش کرنا چاہتے ہیں''۔

ابو طالب نے کہا ''عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو اور جو چاہو سو کرو''۔ چنانچہ ان کے برادر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے حضرت جعفرؓ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی جبکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم ابو طالب کے چھوٹے فرزند حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا تا کہ ابو طالب کے ساتھ ان کی معاشی حالات میں ایک قسم کی معاونت ہو جائے اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ ہمیشہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے۔ (زرقانی) نبی آخر الزماں محمد

Marfat.com

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس ہوئی تو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار رسالت و اعلان نبوت فرمایا اور اسلام کی ابتداء اپنے اہل خانہ سے فرمائی۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے اس دعوت کو اولاً قبول فرمالیا۔ ایک روز حضرت علی المرتضیٰؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کو مصروف عبادت دیکھا تو اس نظارے نے آپؓ پر بڑا اثر کیا۔ چونکہ ابھی بچے ہی تھے طفلانہ حیرت سے پوچھا ''آپ کیا کر رہے ہیں؟'' ہادیٔ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے منصب اعلیٰ کی خبر دیتے ہوئے کفر و شرک کی مذمت فرمائی اور توحید کا پیغام سنایا چونکہ قدرت نے ابتداء ہی سے آپؓ کی فطرت سنواری تھی۔ توفیق الٰہی شامل ہوئی اور آپؓ نے قبول اسلام کا اعلان فرمایا۔ (اسد الغابہ)

آپؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔ آپؓ کی عمر اس وقت دس گیارہ سال تھی امام ابو حنیفہؒ نے اپنی مسند میں قبول اسلام کے وقت حضرت علی المرتضیٰؓ کی عمر نو برس یا اس سے کم تحریر کی ہے۔ بعض نے پندرہ یا سولہ برس بیان کی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ آپؓ اس وقت تیرہ برس کے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ ابو رافع سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر کی صبح مجھے نبوت عطا کی گئی اسی روز میرے پیچھے حضرت خدیجہؓ نے نماز پڑھی جبکہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے منگل کے روز نماز پڑھی۔ (طبری) اپنے اہل خانہ کو تبلیغ کرنے کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل قبیلہ کو دعوت اسلام دینے کا ارادہ کیا کیونکہ اہل خانہ کے بعد سب سے فائق حق انہیں کا تھا۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی قریباً چالیس اقرباء موجود تھے حضرت حمزہ، حضرت عباس، ابولہب، اور ابو طالب بھی شرکاء میں تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر یوں خطاب فرمایا: ''اے بنی عبدالمطلب! اللہ کی قسم! میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں بتاؤ تم میں سے کون میرا مددگار اور معاون بنے گا''۔ سب افراد خاموش رہے صرف

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰؓ کی آواز بلند ہوئی، آپؓ نے فرمایا: ''گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور میری آنکھیں بھی دکھتی ہیں، میری ٹانگیں پتلی ہیں مگر اس کے باوجود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار اور معاون بنوں گا۔'' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا تم بیٹھ جاؤ''۔ پھر دوبارہ ان افراد سے یہی سوال کیا لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ دوبارہ اٹھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ جب تیسری مرتبہ بھی کسی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ پھر اٹھے اور جانبازی کے انداز میں پھر وہی الفاظ کہے جو پہلے کہے تھے۔ تب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹھ جا، تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔'' (طبری، اسد الغابہ، مسند احمد بن حنبل)

اہل اسلام کے لئے مکی زندگی کا دور بڑا مشکل ترین دور تھا۔ اشاعت اسلام کو روکنے کے لئے کفار نے اپنے تمام حربے استعمال کئے لیکن خوش بخت لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ جب کفار نے اہل اسلام پر مکہ میں زندگی گزارنا دشوار کر دیا تو ان حالات میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا کہ ''حسب موقع مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیں۔ جبکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہجرت کے متعلق ارشادِ رب العزت کے منتظر تھے۔ (البدایہ والنہایہ) ایک روز کفار مکہ ایکا کر کے کاشانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے قبل رحمت للعالمین کو دنیا سے (نعوذ باللہ) رخصت کر دیں۔ وحی الٰہی نے رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دے دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین مکہ کو شبہ نہ ہو حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنے بستر اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تئیس برس تھی اس عالم شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش کرنا فدویت و جانثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں حضرت علی المرتضیٰؓ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محو استراحت رہے غرض تمام رات مشرکین

مکہ دھوکے میں رہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہیں۔ مشرکین مکہ صبح اپنے ارادہ کی تکمیل کے لئے اقدام کرنے لگے تو دیکھتے ہیں کہ محبوب رب العالمین کی جگہ بستر پر حضرت علی المرتضیٰؓ موجود ہیں۔ (مستدرک حاکم، ابن سعد، زرقانی) مشرکین مکہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو کہنے لگے کہ تیرے ساتھی کہاں ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا: ''مجھے علم نہیں''۔ (مسند احمد، ابن کثیر، الاصابہ)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ وہ کچھ وقت کے لئے مکہ میں رہیں اور لوگوں کی امانتیں ان کو واپس پہنچانے کے بعد مدینہ منورہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے دو یا تین دن مکہ میں مقیم رہے۔ اور رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق لوگوں کی امانتیں لوٹا کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس وقت ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کلثوم بن ہدم کے پاس قبا میں اقامت پذیر تھے اور حضرت علی المرتضیٰؓ وہیں حاضر خدمت ہوئے۔ (ابن ہشام، ابن کثیر) مکی زندگی کا ایک دشوار تر دور گزارنے کے بعد جب اہل اسلام مدینہ منورہ ہجرت کر کے پہنچے تو وہاں معاشرتی زندگی میں سہولت کے پیش نظر ایک حکمت عملی سے کام لیا گیا۔ وہ اس طرح کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک برادرانہ ربط قائم فرمایا جس کو اہل علم کی اصطلاح میں مواخات کا نام دیا گیا۔ اس کے ذریعے مہاجرین پر نو وارد ہونے کی وجہ سے جو سکونتی اور تمدنی صعوبتیں پیش آسکتی تھیں وہ آسان ہو گئیں اور تارکین وطن کے لئے آبادکاری کا مرحلہ نہایت آسان ہو گیا۔ مدینہ منورہ کی اس مواخات سے قبل مکہ معظمہ میں بھی ابتدائی ایام اسلام میں ایک مواخات قائم کی گئی تھی جس میں حق پر قائم رہنا اور باہمی غم خواری کرنا مقصود تھا۔ مکہ معظمہ میں یہ مواخات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے درمیان قائم ہوئی جبکہ مدینہ منورہ میں جو مواخات قائم ہوئی وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی حضرت سہل بن حنیفؓ کے مابین قائم ہوئی۔ (ابن سعد، ابن حجر العسقلانی، ابن کثیر)

مدینہ منورہ میں جب صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے پہنچے تو پہلے کچھ مدت نماز کا انتظام

Marfat.com

حسب موقع اپنے گھروں یا کسی فراخ جگہ پر جماعت کے لئے کرلیا جاتا۔ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے سردار الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا تمام صحابہ کرامؓ جوش وخروش کے ساتھ شریک کار تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ اینٹ اور گارا لا لا کر دیتے تھے اور انبساط طبع کی بناء پر خوشی سے یہ اشعار پڑھتے تھے "جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد وغبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے"۔ (زرقانی، سیرت الحلبیہ)

حضرت علی المرتضیٰؓ کی صفات وخصوصیات میں نمایاں صفت شجاعت و بہادری ہے۔ آپؓ کے بہادرانہ کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپؓ نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق تمام معرکوں میں حصہ لیا اور جانبازی کے ایسے جوہر دکھائے کہ جن کی کوئی بھی نظیر پیش نہ کر سکا۔ سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوہ بدر ہے۔ اس غزوہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے **313** جانبازوں کے ہمرکاب مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم (جھنڈے) تھے ان میں سے ایک حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ میں تھا جب رزم گاہ بدر کے قریب پہنچے تو سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو چند منتخب جانبازوں کے ہمراہ دشمن کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا انہوں نے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقامات پر قبضہ کرلیا۔ **17** رمضان المبارک **2** ہجری جمعۃ المبارک کے دن جنگ کی ابتداء ہوئی۔ قاعدہ کے مطابق پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا سب سے پہلے مشرکین مکہ کی صف سے تین نامی گرامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے۔ تین انصاریوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور آگے بڑھے۔ مشرکین مکہ کے بہادروں نے ان کا نام ونسب پوچھا تو انصاریوں نے اپنا تعارف کرایا جواب میں مشرکین مکہ نے ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر

Marfat.com

آدمی بھیجو"۔

اس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں حضرت حمزہؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث کو میدان جنگ میں نکلنے کے لئے اشارہ فرمایا۔ (البدایہ، الاصابہ، تاریخ الخمیس) ان تینوں صحابہ کرامؓ کا مشرکین مکہ کے بہادروں کے ساتھ سخت مقابلہ ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا اس کے بعد جھپٹ کر حضرت عبیدہؓ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کر دیا۔ مشرکین نے طیش میں آکر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین اسلام بھی نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے کفار کے نرغے میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ شیر خدا نے صفوں کی صفیں الٹ دیں اور شمشیر حیدریؓ نے چمک چمک کر دشمنانِ اسلام کے خرمن ہستی کو جلا ڈالا۔ مسلمان مظفر و منصور ہوئے اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس میں سے حضرت علی المرتضیٰؓ کو ایک زرہ ایک ناقہ اور ایک تلوار ملی (مسند الحمیدی) اسی سال یعنی 2 ہجری میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو دامادی کا شرف بخشا۔ جب ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ بعض صحابہ کرامؓ نے اپنے رشتے پیش کئے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی تحریک پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنا رشتہ پیش کیا جسے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت کے ساتھ منظور فرما لیا۔ نکاح سے پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے دریافت فرمایا: "تمہارے پاس کوئی چیز مہر ادا کرنے کے لئے بھی ہے؟" حضرت علی المرتضیٰؓ نے جواب دیا: "ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے"۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر دو"۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس زرہ کو حضرت عثمان غنیؓ کے پاس چار صد اسی 480 درہم میں بیچا اور قیمت لا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو وغیرہ خرید لائیں اور خود نکاح

Marfat.com

پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔ (بخاری) نکاح کا مہر چار صد مثقال مقرر کیا گیا۔ انعقاد نکاح کے لئے یہ بابرکت اجتماع بالکل سادہ اور ہمہ قسم کے تکلفات سے عاری تھا۔ اس مبارک نکاح کی تقریب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے شرکت فرمائی اور شاہد نکاح تھے۔ (طبری) طبقات ابن سعد اور مسند احمد کی روایات کی روشنی میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی رخصتی کے موقع پر آپؓ کو جو جہیز دیا گیا وہ ایک چارپائی، ایک بڑی چادر، چمڑے کا تکیہ، ایک مشکیزہ، دو گھڑے اور ایک آٹا پیسنے کی چکی پر مشتمل تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو سکونتی مکان کے لئے اپنے ایک صحابی حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے مکان کا ذکر فرمایا۔ حارثہؓ پہلے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مکان پیش کر چکے تھے۔ اس دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے لئے حضرت حارثہ بن نعمانؓ سے پھر ایک مکان لینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد ہوا۔ یہ بات جب حارثہؓ تک پہنچی تو حارثہ بن نعمانؓ نے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچ کر عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور میرا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حاضر ہے۔ جو مکان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے حاصل فرمائیں گے وہ میرے لئے اس مکان سے زیادہ پسندیدہ ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے چھوڑیں گے"۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حارثہ بن نعمانؓ کا مکان حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے لئے قبول فرمایا اور دعائے خیر کے کلمات ادا فرمائے۔ (طبقات ابن سعد، الاصابہ) اس کے بعد اس مکان میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی رخصتی کا انتظام کیا گیا اور مکان کی تیاری کے سلسلہ میں صفائی و دیگر ضروری انتظامات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت ام سلمہؓ کی معاونت سے مکمل فرمائے (ابن ماجہ) شادی کے بعد ولیمہ کی تقریب ہوئی اس کا اہتمام یوں کیا گیا کہ حضرت سعدؓ نے اپنا ایک بکرا پیش کیا اور ایک دوسرے صحابیؓ نے کچھ جَو دیئے۔ باقی اخراجات حضرت علی المرتضیٰؓ نے کئے (الاصابہ) تاریخ الخمیس اور مواہب اللدنیہ کے مطابق دعوت ولیمہ میں جَو کی روٹی،

Marfat.com

کھجور اور پنیر سے احباب کی تواضع کی گئی۔ جب انتظامی مراحل مکمل ہو گئے اور رخصتی بھی ہو چکی تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور دعائیہ کلمات ادا فرمائے۔ ''اے اللہ! زوجین کے مال و جان میں برکت عطا فرما اور ان کی اولاد کے حق میں بھی برکت فرما''۔

(جنگ احد دوسری جنگ تھی جس میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے یہ جنگ شوال 3 ہجری کو ہوئی مجاہدین اسلام کے لشکر کی ترتیب میں میمنہ کے امیر حضرت علی المرتضیٰؓ تھے اس غزوہ میں مہاجرین کا پرچم حضرت مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے سپرد کیا گیا۔ کفار کی طرف سے ان کا علم بردار ابوسعد بن ابی طلحہ تھا۔ وہ میدان میں آیا اور مسلمانوں کو للکار کر کہا ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیو! تمہیں زعم ہے کہ قریش مکہ تمہاری تلواروں سے جہنم رسید ہوں گے لیکن یاد رکھو تم مسلمان ہماری تلواروں سے جنت مین جاؤ گے۔ تم میں سے کوئی ہے جو میرا مقابلہ کر سکے''۔ یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰؓ اس کے مقابلے میں کہتے ہوئے نکلے: ''میں تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک میری تلوار تجھے جہنم رسید نہ کر دے''۔ یہ کہہ کر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس کے پیر پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ تلملا کر گر پڑا (ابن کثیر) اس کے علاوہ دوران جنگ آپؓ نے متعدد مشرکین کو تہ تیغ کیا۔ ابن سعد نے طبقات میں ذکر کیا ہے کہ ابوالحکم بن الاخنس نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا تو جواباً حضرت علی المرتضیٰؓ نے ابوالحکم پر تلوار سے شدید حملہ کیا۔ وہ اسپ سوار تھا تاہم اس کے پاؤں کو نصف ران سے قطع کر کے گھوڑے سے گرا دیا اور ختم کر ڈالا۔ (ابن سعد، ابن کثیر) اس غزوہ میں سردار الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خندق میں گرنے کا واقعہ پیش آیا۔ اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ پہنچے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں حضرات نے سنبھالا دیا۔ (البدایہ والنہایہ) ان سنگین حالات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے خون صاف کرنے کے لئے حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی ڈھال کے ذریعہ پانی مہیا کیا اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے خون بند کرنے

Marfat.com

کی تدبیر کی۔ (بخاری شریف)۔

ربیع الاوّل 4 ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نضیر سے دو افراد کے قتل کی دیت کے معاملہ میں گفتگو کے لئے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ بنو نضیر مدینہ منورہ سے قریباً دو میل باہر مقیم تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ کی مصاحبت میں وہاں ایک یہودی کے مکان کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے اکابرین بنو نضیر بظاہر خوش اسلوبی سے پیش آئے۔ ادائیگی دیت کے معاملہ میں اعانت کا وعدہ کیا لیکن در پردہ انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بھاری پتھر مکان کی اوپر کی منزل سے گرا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی سازش کی مگر رب العالمین نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ناپاک اور مذموم ارادہ سے آگاہ فرما دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ منورہ واپس تشریف لائے (ابن ہشام، ابن کثیر) یہود بنی نضیر کی اس فریب کاری، سازش اور دیگر بدعہدیوں کی بناء پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر محاصرہ کا اقدام فرمایا اس موقع پر سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو علم (جھنڈا) عنایت فرمایا اور آپؓ اہل اسلام کی طرف سے علم بردار تھے۔ (طبقات ابن سعد، تاریخ الخمیس) اسلام کے غزوات میں غزوہ خندق ایک اہم اور مشہور غزوہ ہے۔ یہ شوال 5 ہجری میں پیش آیا کفار اپنی پوری تیاری کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لئے متعدد قبائل عرب کو ساتھ لے کر پہنچے تھے مسلمانوں کی طرف سے مدینہ کے باہر ان کے حملوں کے جواب کے لئے حفاظتی تدبیر کے طور پر خندق کھودی گئی تھی۔

قبیلہ بنی عامر میں ایک شخص عمرو بن عبدود مشہور شجاع تھا اس نے اپنے ساتھیوں کے ہمرکاب اہل اسلام پر حملہ کی کوشش کی اور بہادری کے غرور میں تنہا مقابلہ کی دعوت دی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی المرتضیٰؓ اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلے۔ دونوں کا سخت مقابلہ ہوا اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے بالآخر اسے جہنم رسید کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

Marfat.com

ہشام) اہل اسلام کے ساتھ یہود بنی قریظہ کا معاہدہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کفار قریش کی مدد اور معاونت نہیں کریں گے لیکن غزوہ خندق کے موقع پر بنو قریظہ نے بدعہدی کر کے کفار کی مدد اور اعانت کی۔ غزوہ خندق کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو اسی وقت حکم خداوندی نازل ہوا کہ بنو قریظہ کی بدعہدی کی بناء پر اقدام کر کے ان کا محاصرہ کیا جائے۔ اس پر ہادیٔ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ بنی قریظہ پر حصار کر کے ان کو قلعہ بند کر دیا جائے اور ان پر قبضہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ابتدائی دستہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی سرکردگی میں بنو قریظہ کی طرف روانہ کیا اور علم بھی آپؓ کے سپرد کیا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ دیگر صحابہ کرامؓ کے ہمراہ بنو قریظہ کے ہاں پہنچے اور ان کے قلعہ کی دیواروں کے پاس جا کر علم نصب کر دیا۔ وہ لوگ حفاظتی تدبیر کے تحت قلعہ بند ہو گئے۔ کم وبیش پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد ان کو شکست فاش ہوئی۔ (سیرت حلبیہ)

شعبان 6 ہجری میں سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع پہنچی کہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کے ہاں ایک قوم جمع ہے جو یہود خیبر کی امداد واعانت کے لئے آمادہ ہے ان کے تعاون سے یہود کی جمعیت بڑھے گی اور اہل اسلام کے خلاف ایک اور طاقت قائم ہو جائے گی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی نگرانی میں مسلمانوں کی ایک جماعت ارسال فرمائی۔ یہ حضرات ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے ہمج کے مقام پر جا پہنچے۔ وہاں ایک شخص کے ذریعے حالات کی سراغ رسانی کی لیکن اس دوران بنی سعد کے قبیلہ کو مسلمانوں کے دستہ کی آمد اور حملہ آوری کی اطلاع ہو گئی وہ وہاں سے بھاگ گئے اور مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا اور حسب قواعد اسلامی حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھوں اسے تقسیم کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد، تاریخ الخمیس، مواہب اللدنیہ) اسی سال 6 ہجری میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ہمرکاب زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ مقام حدیبیہ پر معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے حضرت عثمان غنیؓ گفتگو کے لئے سفیر بنا کر بھیجے گئے مشرکین نے ان کو روک لیا یہاں یہ

Marfat.com

خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان غنیؓ شہید کر دیئے گئے۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کے انتقام کے لئے مسلمانوں کی بیعت لی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے بعد ازاں معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی اس سے مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین سے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی گئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حسب دستور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی مشرکین نے رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہمیں رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو ہذف کرنے کا حکم دیا لیکن عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث حضرت علی المرتضیٰؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی خدا کی قسم! میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا اس کے بعد صلح نامہ لکھا گیا۔ (بخاری، زرقانی، مشکوٰۃ، مسلم)

7 ہجری میں خیبر پر فوج کشی ہوئی یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اس کی تسخیر پر آمادہ ہوئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا کا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اس کے ہاتھ مقدر ہے"۔ صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ اس فخر کے شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا لیکن یہ دولت گراں مایہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔ صبح کو بڑے بڑے جانباز اور جانثار اپنا نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کا نام لیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو بلا کر ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی (کتاب المغازی) اس کے بعد سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو علم مرحمت فرمایا۔ غزوہ خیبر کے موقع پر جب حضرت علی المرتضیٰؓ کو پرچم عطا کیا گیا تو آپ نے عرض کیا "کیا میں ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں؟" سرور کائنات

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آہستہ آہستہ ان کے میدان میں جاؤ اور وہاں پہنچ کر انہیں قبول اسلام کی دعوت دو۔ نیز انہیں بتاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کون سے حقوق ان پر واجب الادا ہوں گے۔ اے علیؓ! اگر تمہاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لئے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔ (کتاب المغازی)

حضرت علی المرتضیٰؓ رخصت ہو کر قلعہ کے سامنے تشریف لے گئے اور جا کر اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔ یہودیوں کی طرف سے قلعہ سے جو شخص پہلے نکلا وہ یہودیوں کے سردار مرحب کا بھائی حارث تھا۔ اس نے آ کر دعوت مبارزت دی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ آپ نے پلک جھپکنے میں اس کا کام تمام کر دیا اور جو یہودی حارث کے ساتھ آئے تھے وہ لوٹ کر اپنے قلعہ میں چلے گئے۔ پھر ایک دوسرا یہودی جو طویل القامت اور بھرے ہوئے جسم کا جسکا نام عامر تھا وہ مقابلہ کیلئے نکلا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس پر کئی وار کئے لیکن اس کا کچھ نہ بگڑا۔ پھر آپ نے اس کی پنڈلیوں پر تلوار کا وار کیا وہ گھٹنوں کے بل گر پڑا اور آپ نے اس کو جہنم رسید کر دیا اور اس کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ایک اور یہودی میدان میں نکلا۔ اس کا نام یاسر تھا۔ اس نے رجزیہ اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔ یہ یہودیوں کے طاقتور اور بہادر سپاہیوں میں سے تھا۔ اس کے مقابلے کے لئے بھی شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ میدان میں آئے۔ حضرت زبیر بن عوامؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے کہا ''آپ میرے اور اس کے درمیان حائل نہ ہوں''۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ درمیان سے ہٹ گئے۔ چنانچہ حضرت زبیر بن عوامؓ رجز کہتے ہوئے اس کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ آپ نے تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا۔ بعد ازاں یہودیوں کا سردار مرحب اپنی تلوار ہوا میں لہراتا ہوا میدان میں نکلا۔ اس کے سر پر زرد رنگ کا یمنی خود تھا۔ اس نے یہ رجز پڑھتے ہوئے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی ''خیبر کے در و دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہتھیار سے مسلح ہوں۔ بہادر ہوں اور تجربہ کار ہوں، جب شیر مجھ پر حملہ کرتے ہیں تو میں بھڑک اٹھتا ہوں''۔

Marfat.com

اس کے مقابلے کیلئے عامر بن اکوع نکلے اور آپ نے یہ رجز پڑھا ''خیبر جانتا ہے کہ میرا نام عامر ہے۔ میں اسلحہ سے مسلح ہوں۔ بہادر ہوں اور خطرات میں کود جانے والا ہوں''۔ انہوں نے ایک دوسرے پر وار کئے۔ مرحب کی تلوار حضرت عامرؓ کی ڈھال پر لگی۔ عامرؓ نے جھک کر اس پر اپنی تلوار کا وار کیا۔ آپ کی تلوار زیادہ لمبی نہ تھی اور وہ آپ کے گھٹنے کی ہڈی پر جا لگی جس کے باعث وہ شہید ہو گئے۔ مرحب پھر دھاڑتا ہوا میدان میں آیا۔ رجز پڑھا اور مد مقابل کا مطالبہ کیا۔ اب اس کے غرور کو خاک میں ملانے کیلئے اسد اللہ حضرت علی المرتضیٰؓ تشریف لے آئے۔ آپؓ نے سرخ رنگ کا جبہ پہنا ہوا تھا اور یہ رجز پڑھ رہے تھے ''میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا۔ میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں''۔ یہ جواب سن کر مرحب گھوڑا دوڑاتا ہوا آپؓ کے قریب آیا اور بڑی تیزی اور ہوشیاری سے آپؓ پر وار کیا۔ آپؓ نے اپنی فطری دلیری، چستی اور شجاعت کے ساتھ اس کا وار خطا کر دیا۔ پھر ایک ایسا زوردار وار کیا کہ مرحب کا سر کٹ کر زمین پر آ رہا۔ لشکر اسلام نے جونہی یہ نظارہ دیکھا تکبیر کی آوازیں بلند کیں۔ یہودی بھی قلعے میں سے یہ تمام واقعہ دیکھ رہے تھے۔ مرحب کے قتل نے ان کے اوسان خطا کر دیئے تھے چنانچہ انہوں نے قلعے کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا اور اس خیال سے کہ قلعہ بہت مضبوط ہے مسلمان زیادہ سے زیادہ اس کا محاصرہ کر سکتے ہیں۔ بالآخر خود ہی تنگ آ کر محاصرہ اٹھا لیں گے۔ چپکے سے قلعے کے اندر بیٹھ گئے مگر مرحب کو قتل کرنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ بڑھ کر قلعے کے دروازہ پر پہنچ گئے اور اپنے نیزے کو زمین میں گاڑ دیا۔ (السیرۃ النبویہ، امتاع الاسماع)

لشکر اسلام نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ بیس روز تک مسلسل جاری رہا۔ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کو جوش آ گیا اور ایک حیرت انگیز قوت وصولت کے ساتھ ایک جست لگا کر خندق سے پار جا پہنچے اور قلعے کے دروازہ کو اس طاقت اور شجاعت کے ساتھ ہلایا کہ اس کا ایک کواڑ اکھاڑ لیا۔ اس کواڑ کو سپر بنا کر جنگ میں مصروف ہو گئے۔ قلعہ کا دروازہ کھل جانے سے لشکر اسلام بھی قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ جب تک جنگ

Marfat.com

جاری رہی حضرت علی المرتضیٰؓ کواڑ کو اسی طرح بائیں ہاتھ میں اٹھائے دائیں ہاتھ سے تلوار چلاتے رہے۔ فتح کے مکمل ہونے پر آپؓ نے وہ کواڑ پرے پھینک مارا (تاریخ ابوالفداء بروایت ابورافع) صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ کے ساتھ یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ اگلے سال عمرہ کر سکتے ہیں چنانچہ تقریباً ایک سال بعد ذوالقعدہ 7ھ میں شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے (بخاری، مسلم) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں آئے ہوئے تین دن گزر گئے اور چوتھے دن ظہر کا وقت آیا تو اہل مکہ نے سہیل بن حویطب بن عبدالعزیٰ کو بھیجا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں کہ ان کی مدت قیام تمام ہوگئی ہے لہٰذا مکہ معظّمہ سے واپس تشریف لے جائیں اس پر سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کوچ کا حکم دے دیا۔ حضرت حمزہؓ کی بچی عمارہ اپنی والدہ سلمیٰ بنت عمیس کے پاس مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لے آئے تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ ہم اپنے چچا کی یتیم بچی عمارہ کو ان مشرکین کے پاس کب تک چھوڑے رکھیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ جب روانہ ہوئے تو عمارہ ''میرے چچا!'' کہتی ہوئی پیچھے دوڑ کر آئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسے اٹھا لیا اور خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے حوالے کیا اور کہا کہ اپنے چچا کی بیٹی کا خاص خیال رکھنا۔ جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب اور حضرت زید بن حارثہؓ تینوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں درخواست کی کہ یہ بچی انہیں ملنی چاہیئے۔ حضرت زیدؓ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کا بھائی بنایا تھا اور حضرت حمزہؓ نے بچی کے بارے انہیں ہی وصی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی کہ بچی انہیں ملنی چاہیئے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے عرض کی یہ میرے چچا کی بیٹی ہے میں اس کا زیادہ حقدار ہوں یہ مجھے ملنی چاہیئے اور میرے گھر اس کی خالہ ہے اس لئے مجھے ملنی چاہیئے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کا اس طرح فیصلہ فرمایا کہ ''خالہ ماں کی قائم مقام ہے۔ اس لئے عمارہ

Marfat.com

بنت حضرت حمزہؓ کی کفالت وغیرہ کا حقدار حضرت جعفرؓ کو ہونا چاہیئے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی عزت افزائی اور تسلی کے لئے فرمایا "اے علی! آپ مجھ سے قریب تر ہیں اور میں آپ سے قریب تر ہوں"۔ (بخاری، ابن کثیر)

صلح حدیبیہ کے بائیس ماہ بعد شعبان کے مہینہ میں قریش اور ان کے حلیف قبیلہ بنی بکر نے ایک ایسی حرکت کی کہ جس کے باعث حدیبیہ کا معاہدہ صلح کالعدم ہو گیا۔ ابو سفیان کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس کو یقین ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مظلوم دوستوں کی امداد کے لئے فوری اقدام کریں گے۔ اس سے پیشتر کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر حملہ کریں بہتر ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کروں اور اس معاہدہ کی تجدید اور مدت میں اضافہ کی التجا بھی کروں۔ ابو سفیان مدینہ پہنچا۔ سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر گیا۔ مگر اس کی بیٹی نے استقبال نہ کیا۔ پھر وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست کا کوئی جواب نہ دیا تو حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے صاف صاف جواب ملنے پر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی "اے علیؓ! آپ سب سے زیادہ میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ میں ایک غرض کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ از راہِ صد لطف و کرم بارگاہ رسالت مآب میں میری سفارش کریں"۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا "اے ابوسفیان! بخدا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا عزم فرما لیتے ہیں تو ہماری یہ مجال نہیں ہوتی کہ ہم اس میں مداخلت کریں"۔ ابوسفیان کو چاروں طرف سے مایوسیوں کے اندھیروں نے اپنے حصار میں لے لیا تو وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کو کہنے لگا "اے ابوالحسنؓ! حالات بڑے سنگین ہو گئے ہیں مجھے کوئی نصیحت کرو تا کہ ان پیچیدہ حالات سے مجھے چھٹکارا نصیب ہو"۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا "میں تو تمہیں کوئی ایسی بات نہیں بتا سکتا جس سے اس مشکل سے تمہیں نجات نصیب ہو"۔ (سبل الہدیٰ)

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کی جب تیاری مکمل فرمالی تو حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے انہیں آگاہ کیا۔ یہ خط اس نے ایک عورت کو دیا کہ وہ اسے بڑی احتیاط کے ساتھ مکتوب الیہ تک پہنچا دے۔ حاطب کی اس حرکت کے بارے میں رب کائنات نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا۔ اس پر سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ اور حضرت مقداد بن الاسودؓ کو ارشاد فرمایا کہ ایک عورت مقام روضۃ الخاخ میں سفر کر رہی ہے اور اس کے پاس ایک مکتوب ہے وہ آپ لوگ اس سے لے کر یہاں لائیں۔ چنانچہ تینوں حضرات حسب الحکم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سواریوں کو دوڑاتے ہوئے روضۃ الخاخ جا پہنچے اور دیکھا کہ ایک عورت تیز سواری پر سفر کر رہی ہے۔ انہوں نے اسے روکا اور سواری سے اتار کر اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن اس میں سے وہ خط نہ نکلا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس عورت کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا ''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز غلط بیانی نہیں کی۔ تمہارے پاس یقیناً وہ خط ہے۔ بہتر ہے کہ وہ خط تم ہمارے حوالے کر دو ورنہ ہم تیرے ساتھ سختی سے پیش آئیں گے''۔ جب اس عورت کو یقین ہو گیا کہ معاملہ اب سنجیدہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنی مینڈھیاں کھولیں اور ان میں جو خط اس نے چھپا رکھا تھا نکالا اور حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے وہ خط لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیا۔ (السیرۃ الحلبیہ) 8ھ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا اور مظفر و منصور اس میں داخل ہوئے۔ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے قریب پہنچے تو اس وقت کعبہ شریف میں رکھے تمام بتوں کو توڑ کر اللہ کے گھر کو پاک کر دیا۔ آپ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی والا تھا'' تلاوت فرما رہے تھے اور چھڑی سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ جس بت کی طرف اشارہ ہوتا وہ منہ کے بل گر پڑتا۔ یہاں تک کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سب بت گرا دیئے۔ صرف کعبہ کی چھت پر بنی خزاعہ کا ایک بت باقی رہ گیا۔ یہ بت سطح زمین سے بہت اونچائی پر نصب

Marfat.com

تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو کندھے پر اٹھا کر فرمایا ''اے علی! اسے پھینک دو''۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے چھڑی کے ذریعے اسے پھینک دیا اور وہ پاش پاش ہو گیا۔ (بخاری، کتاب المغازی)

اہل مکہ کے لئے عفو عام کے اعلان سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مشرکین کو مباح الدم قرار دیا تھا اور ان کے بارے میں یہ حکم صادر کیا تھا کہ وہ جہاں بھی پائے جائیں ان کو تہ تیغ کیا جائے کیونکہ ان شقی القلب اور بد بخت لوگوں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اسلام کو قبول کرنے والوں کو اتنی اذیتیں پہنچائی تھیں کہ جن کا تصور کر کے دل کانپ کانپ جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک حویرث بن نقید بن وہب نامی ایک ایذا رسان اور ہجو گو بھی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فتح مکہ کے روز اسے قتل کر دیا۔ (ابن کثیر، حلبی، ابن حجر) فتح مکہ کے روز حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی ہمشیرہ حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے خاوند کے دو مشرک رشتہ دارون الحارث بن ہشام اور زہیر بن امیہ کو قتل کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ام ہانی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے لئے معافی چاہی اور بتایا کہ ''میں نے دونوں کو پناہ دے دی ہے''۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت سے فرمایا ''اے ام ہانیؓ! جس کو تو نے پناہ دے دی ہم نے بھی اس کو پناہ دے دی۔ پس اب حضرت علی المرتضیٰؓ ان کو قتل نہیں کریں گے''۔ (البدایہ والنہایہ، سیرت حلبیہ) رمضان 8 ھ میں فتح مکہ کے بعد شوال 8 ھ میں غزوہ حنین پیش آیا اس میں مشرکین کے ایک قبیلہ بنی ہوازن نے اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمان افواج کا مقابلہ کیا۔ جنگ کے ابتدائی مراحل میں بنی ہوازن کے یکدم حملہ کرنے کی وجہ سے اہل اسلام کی فوج کے قدم اکھڑ سے گئے۔ اگرچہ کچھ وقت کے بعد مسلمان افواج سنبھل کر پھر ثابت قدم ہو گئی تھیں تاہم اس وقت جبکہ مسلمان فوج منتشر ہونے کے مراحل میں تھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ عظامؓ ثابت قدم رہے اور متزلزل نہیں ہوئے ان میں حضرت علی المرتضیٰؓ بھی شامل تھے۔ (ابن ہشام، ابن کثیر)

رجب 9 ھ میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ سفر تبوک اختیار کرنے سے قبل نبی مکرم صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال اور خانگی امور کی نگرانی و انتظامی امور کے لئے حضرت علی المرتضیٰؓ کو مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی المرتضیٰؓ جہاد میں عدم شمولیت سے پریشان ہو کر عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جہاد پر تشریف لے جا رہے ہیں"۔ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو نیابت مدینہ کی فضیلت بخشتے ہوئے یوں اطمینان دلایا "اے علی! کیا آپ پسند نہیں کرتے کہ آپ میری طرف سے اس مرتبہ پر ہوں جس مرتبہ پر حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تھے۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کسی کو منصب نبوت نہیں ملے گا"۔ چنانچہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دیگر صحابہ کرامؓ کے ہمرکاب سفر تبوک پر روانہ ہو گئے اور حضرت علی المرتضیٰؓ جناب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی تک مدینہ منورہ میں اہل وعیال کی نگرانی کے ساتھ دوسرے امور نبٹاتے رہے۔ (مشکوٰۃ، بخاری، مسلم، ابن کثیر) سردار الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر یا غزوہ کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام اور وقتی خلیفہ مقرر فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح بیس سے زائد اسفار و غزوات میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قائم مقام اور نائب مقرر فرمائے جن میں نیابت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر خود بخود بغیر کسی فرمان کے ختم ہو جاتی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی غزوہ تبوک کے موقع پر نیابت بھی اسی ذیل میں آتی ہے۔ (منہاج السنّت، میزان الاعتدال) 9ھ ہی میں وادی رمل کی جنگ پیش آئی۔ اس میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے کمال شجاعت اور پامردی کا ثبوت دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور پھر حضرت عمرو بن العاصؓ کی سرکردگی میں لشکر روانہ کئے گئے مگر علاقہ دشوار گزار اور راستہ جنگلات سے اٹا ہوا تھا اور اس میں دشمن نے بے شمار خفیہ کمین گاہیں بنا رکھی تھیں جن میں دشمن کے سپاہی چھپ کر حملہ آور ہوتے تھے اس وجہ سے لشکر اسلام کو نمایاں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار سپہ سالار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی قیادت حضرت علی المرتضیٰؓ کے سپرد کی۔ آپ لشکر کو کسی دوسرے خفیہ راستہ سے رات کے وقت خاموشی کے ساتھ نکال کر لے گئے کہ دشمن کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

Marfat.com

اسے اس وقت پتہ چلا جب مسلمان نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن اب تک صرف کمین گاہوں کی وجہ سے بچا ہوا تھا۔ اب جب اسے باہر نکل کر لڑنا پڑا تو اس نے جی ہار دیا اور مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار اختیار کی۔ بے شمار مارے گئے اور بہت سے قیدی بنا لئے گئے۔ مسلمان کامیاب اور بامراد واپس لوٹے۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کی کامیابی اور واپسی کی خبر سنی تو صحابہ کرامؓ کے ہمراہ استقبال کو نکلے۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو از راہِ ادب سواری سے اتر آئے۔ لشکر اسلام بھی اپنے امیر کی متابعت میں پاپیادہ ہو گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علیؓ! آپ بدستور سوار رہیں''۔ یہ سن کر حضرت علی المرتضیٰؓ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ (ارمان سرحدی) 9ھ ہی میں غزوہ تبوک سے پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے 150 مجاہدین کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰؓ کو قبیلہ بنو طے کا فلس نامی بت توڑنے کیلئے بھیجا۔ یہ لوگ 100 اونٹ اور 50 گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس ایک بڑا سیاہ اور ایک چھوٹا سفید جھنڈا تھا۔ انہوں نے صبح ہوتے ہی حملہ کر کے اس بت کو منہدم کر دیا۔ اس مہم میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا جسے حضرت علی المرتضیٰؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ نکال کر راستہ ہی میں تقسیم کر دیا۔ (سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، محمد بن عبدالوہابؒ)

9ھ میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خود حج پر تشریف نہیں لے جا سکے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روانگی کے بعد سورۃ برات کی آیات کا نزول ہوا جن میں مشرکین مکہ سے سابقہ کئے گئے معاہدے کو ختم کرنے کا اعلان تھا۔ ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات قرآنی کے ابلاغ اور مزید چند ایک اہم اعلانات کے لئے حضرت علی المرتضیٰؓ کو اپنی سواری عنایت فرما کر مکہ مکرمہ روانہ فرمایا تا کہ آپ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق وہاں حج کے موقع پر لوگوں کو سورۃ برات کی آیات اور دیگر ضروری احکامات سے مطلع کریں۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے وہاں ابلاغ کا فریضہ انجام دیا۔ اس ضمن میں

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی معاونت فرمائی۔ مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے زوردار آواز سے اعلانات کرنے کی صورت میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی آواز قدرے متاثر ہوئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے اس ابلاغ میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے تعاون کیا۔

(ابن ہشام، مسند احمد، المستدرک حاکم، صحیح ابن حبان)

یمن کے علاقہ میں اسلام کی تبلیغ کافی عرصہ سے جاری تھی اور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یکے بعد دیگرے صحابہ کرامؓ کو تبلیغی مقاصد کے لئے بھیجتے رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان 10 ہجری میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو یمن جانے کا حکم دیا تو حضرت علی المرتضیٰؓ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی "یارسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نوعمر ہوں اور مجھے ایک ایسی قوم میں بھیجا جا رہا ہے جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں۔ قضا کے معاملات میں مجھے زیادہ واسطہ نہیں رہا، اگر اس قوم میں تنازعات کے فیصلے کرنے کی نوبت آئی تو میرے لیے یہ دشوار امر ہوگا" ہادیٔ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے سینہ پر اپنا دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی "اے اللہ! اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اسؓ کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر" اس کے بعد رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے سر مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دیکر کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ (ابن کثیر، زرقانی) اور ساتھ ہی فیصلہ کرنے کا ایک بنیادی قاعدہ ارشاد فرمایا کہ "اے علیؓ جب آپؓ کے سامنے دو فریق پیش ہوں تو ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کریں جب تک کہ دوسرے فریق کی بات نہ سن لیں۔"

حضرت علی المرتضیٰؓ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ یمن تشریف لے گئے۔ اہل یمن نے مقابلہ کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے آغاز جنگ سے قبل انہیں اسلام کی دعوت دی اور رب کائنات کے فضل و کرم سے تمام لوگ اسلام لے آئے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا اور قیام امن اور تبلیغ و اشاعت اسلام کی غرض سے انہیں مختلف علاقوں میں پھیلا دیا۔ غرض حضرت علی المرتضیٰؓ کی کوششوں سے لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے اور یوں تقریباً پندرہ یوم کے اندر

سارا یمن اسلام لے آیا۔ یمن میں اقامت کے دوران ایک دفعہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے حضرت ابوسعید الخدریؓ نے سوال کیا ''ہم صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہو جائیں اور اپنے اونٹوں کو کچھ آرام دے لیں کیونکہ وہ سفر کی وجہ سے کافی تھک چکے ہیں۔'' اس مطالبہ کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا: ''تمہارے لیے ان میں وہی حصہ ہو سکتا ہے جو باقی مسلمانوں کے لیے ہے۔'' (البدایہ والنہایہ) حضرت علی المرتضیٰؓ کا مطلب یہ تھا کہ تمام اونٹوں کو آپ استعمال نہیں کر سکتے بلکہ صرف ان اونٹوں کو استعمال کر سکتے ہیں جو آپ کے حصہ میں آئیں۔ یمن کے علاقہ سے کچھ اموال پوشاک ولباس کی صورت میں حاصل ہوئے جن کی تاحال تقسیم نہ ہوئی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی جانب سے مقرر کردہ نگران نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی اجازت کے بغیر یہ پوشاکیں اپنے ساتھیوں کو دے دیں اور انہوں نے زیب تن کر لیں۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپؓ نے فرمایا: ''یہ اموال ابھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نہیں پہنچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود انہیں تقسیم فرماتے تم لوگوں نے ایسا معاملہ کیوں کیا؟''

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے حکم دیا کہ ان پوشاکوں کو پہننے والے انہیں اتار ڈالیں۔ (ابن کثیر) اس سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی امانت و دیانت اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تربیت کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم 10 ہجری میں حج کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے تو لاتعداد جانثاران اسلام اس حج میں شرکت کی خاطر مکہ معظّمہ پہنچے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے لیے تشریف آوری کی اطلاع یمن میں ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے چند ساتھیوں کے ہمرکاب حج کی سعادت اور رہبر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کے لیے مکہ معظّمہ پہنچے اور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دی۔ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے دریافت کیا: ''اے علیؓ! آپ نے کس طرح احرام باندھا ہے'' حضرت علی المرتضیٰؓ نے عرض کیا: ''یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسی طرح احرام باندھا ہے جس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے باندھا ہے۔" (بخاری و مسلم) حجۃ الوداع میں حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے رہبر و محسن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع بہ موقع احکامات کی بجا آوری کرتے رہے۔ یوم النحر کو شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے 63 اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا کہ باقی اونٹ وہ ذبح کریں چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے سردار الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل درآمد کیا۔ (مشکوٰۃ، مسلم)

اس موقع پر منیٰ میں بعض احکام کی تبلیغ کے لیے خطبات دیئے گئے۔ رہبر کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو بعید افراد تک پہنچانے کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ نے معبر کے فرائض سرانجام دیئے۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ) اس طرح ایام منیٰ میں بعض اعلانات کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علی وسلم نے چند صحابہ کرامؓ کو منتخب فرمایا۔ ان میں سے ایک حضرت علی المرتضیٰؓ بھی تھے۔ (الاصابہ لابن حجر) حجۃ الوداع کے بعد سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اواخر ماہ صفر 11 ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری نے آگھیرا۔ اس دوران سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اقامت صلوٰۃ کے لیے تشریف لے جایا کرتے تو بعض دفعہ ضعف کی وجہ سے دو آدمیوں کے سہارا دینے کی ضرورت ہوتی۔ اس وقت ہادیٔ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دینے والوں میں ایک طرف حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ہوتے تھے اور دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰؓ بعض اوقات سہارا دیتے تھے۔ (ابن کثیر، مسلم) شافع روز جزا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران صحابہ کرامؓ وقتاً فوقتاً عیادت کے لیے حاضری دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خانہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی المرتضیٰؓ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ "اے ابوالحسنؓ! سردار الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج اقدس کیسا ہے؟" حضرت علیؓ نے جواب دیا "بحمد اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کافی بہتر ہے۔" (ابن کثیر، ابن ہشام، مسند امام احمد)

Marfat.com

حضرت علی المرتضیٰؓ کے بیان کے مطابق ایک دن ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا "اے علیؓ! ایک کاغذ لے آؤ تا کہ میں ایسی چیز تحریر کراؤں کہ میرے بعد میری امت گمراہی سے بچ جائے۔" حضرت علی المرتضیٰؓ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے خطرہ کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور جانا پسند نہ کیا اور عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے ارشاد فرمائیں میں اسے زبانی محفوظ کرلوں گا۔" حضرت علی المرتضیٰؓ کا فرمان ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، زکوٰۃ اور غلاموں سے حسن سلوک کے بارے وصیت فرمائی۔ (مسند احمد، طبقات ابن سعد، ابن کثیر) خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے کچھ دن قبل حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو کہا "میں گمان کرتا ہوں کہ شاید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر مسئلہ خلافت و امارت کے متعلق دریافت کریں۔ اگر یہ امارت ہم میں ہوگی تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے اور اگر یہ امارت و خلافت دوسروں میں ہوگی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو وصیت فرما دیں گے" اس کے جواب میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے کہا "اگر ہم نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ خلافت کے متعلق سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرما دیا تو پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ کبھی بھی ہمیں خلافت کا موقع نہیں دیں گے۔ اس لیے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ خلافت و امارت کے بارے میں ہرگز سوال نہیں کروں گا" (بخاری، ابن کثیر، تاریخ الخمیس)

12 ربیع الاول 11 ہجری کو سردار دو جہاں ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غسل اور تجہیز و تکفین کے متعلق حضرت علی المرتضیٰؓ کو وصیت فرما دی تھی چنانچہ انہوں نے وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین کا تمام بندوبست کیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا حادثہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے لیے حد درجہ روح فرسا اور المناک تھا مگر آپؓ نے اس نازک موقع پر معیاری صبر و استقامت اور مثالی قرار کا ثبوت دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے وقت حضرت

Marfat.com

علی المرتضیٰؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ نثار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے نبوت کا سلسلہ ختم ہوا، غیب کی خبریں بند ہوگئیں، آسمانی پیام رُک گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کا حکم نہ دیا ہوتا اور تڑپنے سے نہ روکا ہوتا تو میں اپنی آنکھوں کے آنسو ختم کر دیتا'' جس مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مدفون ہوئے۔ (شمائل ترمذی)

جن حالات میں حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے ان میں یہ مفسدین کسی کو امیر منتخب کیے بغیر واپس لوٹنا اپنے لیے مہلک سمجھتے تھے اور اس میں اختلاف الناس وفسادامت کے خطرات تھے چنانچہ مفسدین کا ایک گروہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ آپ ہماری بیعت قبول فرمائیں۔ مگر حضرت علی المرتضیٰؓ نے بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے بعد مہاجرین وانصار نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو مجبور کیا اور کہا کہ اس وقت آپؓ سے بہتر ہم میں اور کوئی نہیں ہے مگر حضرت علی المرتضیٰؓ نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے۔ آپؓ نے فرمایا ''میں امیر ہونے سے وزیر ہونا پسند کرتا ہوں۔ تم لوگ جسے خلیفہ منتخب کرو گے میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا۔'' (ابن اثیر)

آخر لوگوں کے بار بار اصرار اور خصوصاً اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجبور کرنے سے آپؓ نے خلافت کا منصب قبول کرلیا۔ مزید یہ کہ حالات ازحد نازک تھے۔ دارالخلافہ میں ہر طرف بدامنی اور انتشار تھا۔ باغیوں اور مفسدوں کا زور تھا امت اسلام کئی روز سے بغیر خلیفہ یتیموں کی سی زندگی گزار رہی تھی۔ چنانچہ یہ سوچ کر کہ اگر یہ صورت حال دیر تک رہی تو معلوم نہیں اس امت کا کیا حشر ہوگا اور وہ وسیع سلطنت جس کی بنیادوں میں ہزاروں صحابہ کرامؓ اور عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خون دیا تھا کس حال کو پہنچے گی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ مسجد میں تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے حضرت طلحہؓ ان کے بعد حضرت زبیرؓ پھر دوسرے صحابہ کرامؓ اور عام لوگوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ واقعہ 24 ذی الحجہ 35 ہجری جمعہ کے روز پیش آیا۔

اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ ''اہل علم کی اکثریت کی رائے ہے کہ مدینہ کے تمام انصار و مہاجرین نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی بیعت کر لی تھی اور آپؓ کی خلافت انہیں کی بیعت سے قائم ہوئی تھی۔'' (ازالۃ الخفاء)

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے مقرر کردہ عمال کو برطرف کر دیا ایک تو اس لیے کہ تمام فتنے کا باعث یہ امر تھا۔ کہ لوگ ان عاملوں سے ناراض تھے اور ان کی برطرفی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ دوسرے آپؓ نے سوچا کہ اس سے قیام امن میں مدد ملے گی۔ مگر اس سے پیشتر آپؓ نے ایک تفصیل خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد آپؓ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم کو ہادی بنا کر نازل کیا اور اس میں خیر و شر کو واضح طور پر بیان فرمایا۔ پس تم لوگ خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو اللہ تعالیٰ نے بہت سی اشیاء کو حرمت کا درجہ دیا ہے اور اس میں سب سے بڑی حرمت ایک مسلمان کی ہے۔ چنانچہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ عوام و خواص کے حقوق کی ادائیگی میں عجلت سے کام لو کیونکہ موت سر پر کھڑی ہے پس لوگ آپ کے سامنے ہیں اور پیچھے قیامت ہے جو آگے بڑھ رہی ہے اپنے آپ کو دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھیئے تا کہ منزل پر آسانی سے پہنچا جا سکے۔ آخرت لوگوں کے لیے چشم براہ ہے اس لیے جب تم خیر کا کام دیکھو تو اسے فوراً اختیار کرو اور شر کے کام سے فوراً کنارہ کش ہو جاؤ۔''

اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے سورۃ الانفال کی یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اور تم اس وقت کو یاد کرو جب تم زمین (مکہ معظمہ) میں تھوڑے تھے اور کمزور و ضعیف سمجھے جاتے تھے۔ تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک کر نہ لے جائیں۔ پس اس نے تمہیں پناہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت بخشی اور پاکیزہ اور طیب اشیاء تمہیں کھانے کو دیں تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو'' جن لوگوں کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان کے عہدوں سے معزول کیا تھا ان میں مشہور اموی گورنر حضرت معاویہؓ بھی تھے۔ جو عرصہ دراز سے ولایت شام کے عامل تھے۔ انہیں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا علم ہوا تو بہت دلبرداشتہ ہوئے اسی اثنا میں حضرت علی المرتضیٰؓ کا حکم پہنچا کہ تمہیں ولایت شام سے

Marfat.com

معزول کیا جاتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور اپنے اس فعل کا جواز خون عثمان غنیؓ کو بنایا۔ صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کی خون آلود قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد میں رکھ دیں۔ لوگ آتے تھے اور دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں بھی ایک عجیب بحرانی کیفیت تھی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے خلیفۃ المسلمین ہونے پر اہل مدینہ نے جب یہ دیکھا کہ وہی مالک الاشتر، وہی عبداللہ بن سبا، وہی کنانہ بن بشر وغیرہ جو کل تک قاتلان عثمانؓ میں سے تھے۔ آج حضرت علی المرتضیٰؓ کے اردگرد ہیں اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے کاروبار خلافت کے ہر مشورہ میں شریک ہیں تو صحابہ کرامؓ کے ایک وفد نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ:

''ہم نے اسلامی حدود کے تحفظ اور نفاذ کی شرط پر آپؓ سے بیعت کی تھی لیکن آپؓ کے گردو پیش وہ لوگ ہیں جو قابل مواخذہ ہیں۔ لہٰذا شریعت اسلامیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں سزا دی جائے اور ان سے قتل عثمانؓ کا قصاص لیا جائے۔'' اس پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا: ''ان لوگوں کو ان حالات میں بہت سے لوگوں کی مدد حاصل ہے اس لیے یہ چیز اس وقت ممکن نہیں حالات کے سازگار ہونے کے بعد یہ کام ہو سکے گا'' فتح الباری میں لکھا ہے کہ ''حضرت علی المرتضیٰؓ اس بات کے منتظر تھے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے والیوں اور وارثوں کی طرف سے باقاعدہ طور پر مقدمہ کی مرافعت کی جائے اور جب قاتلین کا خصوصی طور پر تعین ہو جائے تو پھر ان سے قصاص لیا جائے۔''

حضرت علی المرتضیٰؓ تمام صورت حال پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے آپؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو اتمام حجت کے طور پر ایک خط لکھا۔ ''مجھ سے انہی لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سے بیعت کی تھی۔ لہٰذا نہ تو حاضر کے لیے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق حاصل ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے۔ شوریٰ تو صرف مہاجرین اور انصار کے لیے ہے۔ اگر انہوں نے کسی آدمی کے انتخاب پر اتفاق کر لیا تو یہ اللہ کی اور

Marfat.com

پوری امت کی رضامندی کے لیے کافی ہے۔ اب اگر امت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض کی بنا پر خروج کرتا ہے تو مسلمان اسے حق کی طرف لوٹا دیں گے اور اس سے جنگ کی جائے گی کیونکہ اس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے۔ اے معاویہؓ! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو نفس سے ہٹ کر عقل سے کام لے گا تو مجھے حضرت عثمان غنیؓ کے خون سے بالکل بری الذمہ پائے گا اور جان جائے گا کہ میرا اس خون سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔" (نہج البلاغہ)

حضرت امیر معاویہؓ نے تین ماہ تک اس خط کا کوئی جواب نہ دیا کیونکہ ان کا مطالبہ تھا کہ پہلے مفسدین یعنی قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے اس کے بعد خلیفہ کی بیعت تسلیم کی جائے گی۔ تین ماہ گزرنے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے قبیصہ عبسی نامی ایک شخص کو سربمہر لفافہ دے کر حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس بھیجا۔ جب حضرت علی المرتضیٰؓ نے لفافہ کھولا تو اس میں سے سادہ کاغذ نکلا جس پر صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی المرتضیٰؓ نے نامہ بر سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں قاصد ہوں اس لیے مجھے جان کی امان دی جائے تو کچھ عرض کروں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا کہ ہاں تمہیں امان دی گئی نامہ بر نے کہا کہ شام کے لوگ سخت مشتعل ہیں اور خون عثمانؓ کا قصاص مانگتے ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے کئی ہزار شیوخ کو دیکھا ہے جو دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمان غنیؓ کی خون آلود قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں پر آنسو بہا رہے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے یہ سن کر فرمایا۔ "یہ لوگ مجھ سے خون عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہیں اے اللہ! میں اس سے بری ہوں تو عثمانؓ کے قاتلوں کو تباہ و برباد کر"

ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کی اصلاح کے لیے میدان میں نکلتے چنانچہ انہوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اپنے معتبر اور مشیر کار لوگوں کو سلطنت کے اطراف و جوانب بھیجا تاکہ لوگوں کو اپنی حمایت کے لیے آمادہ کریں۔ چنانچہ قیس بن سعد کو مصر میں، عثمان بن حنیف کو بصرہ میں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو کوفہ میں لشکر فراہم کرنے پر مامور کیا۔

اہل مدینہ بہت بڑی تعداد میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی امداد پر کمر بستہ ہو گئے فوجیں ترتیب دی جانے لگیں لشکر کا علم محمد بن حنیفہ کو دیا گیا اور لشکر کی ترتیب اس طرح کی گئی کہ دائیں بازو پر عبداللہ بن عباسؓ، بائیں بازو پر عمرو بن ابی سلمہؓ، اور اگلے دستہ پر ابولیلیٰ بن عمرو الجراح مقرر کیے گئے۔ روانگی سے قبل حضرت علی المرتضیٰؓ کو خبر ملی کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ قصاص عثمانؓ لینے آ رہی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے جھنڈے تلے بہت بڑی تعداد میں ان مسلمانوں کی فوج جمع ہے جو قصاص عثمانؓ کی خاطر مرنے مارنے کی قسم کھا چکے ہیں۔ اس صورت حال میں حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی جانب جانے کا ارادہ ملتوی کر کے حضرت عائشہؓ کی طرف جانے کا قصد کیا۔

جس وقت حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ حج کی غرض سے مکہ معظّمہ تشریف لے گئی تھیں۔ جب وہ حج کا فریضہ ادا کر کے واپس آنے لگیں تو راستے میں انہیں حضرت عثمان غنیؓ کی المناک شہادت کی اطلاع ملی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی حضرت علی المرتضیٰؓ سے دلبرداشتہ ہو کر مدینہ منورہ سے چلے آئے تھے اور عمرہ کی غرض سے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر جماعت بھی ان کی متابعت میں مکہ معظّمہ چلی گئی تھی۔ ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کا قتل ظلماً اور ناحق ہوا ہے۔ قاتلین عثمانؓ سے اولین فرصت میں قصاص لینا ضروری ہے اور انہیں یہ گمان تھا کہ یہ مفسدین حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے ساتھ بظاہر مل گئے ہیں اور یہ ان کی سیاسی طور پر ایک حفاظتی تدبیر ہے حالانکہ بباطن یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰؓ کے وفادار نہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ سے کہا تھا کہ آپؓ سب سے پہلا کام یہ کیجیے کہ قاتلین عثمانؓ کو پکڑیے اور انہیں سزائیں دیجیے۔ مگر حضرت علی المرتضیٰؓ کا استدلال یہ تھا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں مزید یہ کہ چشم دید گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اصل قاتلوں کا سراغ ملنا مشکل امر ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس جواب کو سن کر جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ملاقات کی تو انہیں خون عثمان غنیؓ کا قصاص لینے پر آمادہ کیا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو آپؓ نے پوری کوشش کی کہ معاملات نرمی اور آسانی سے سلجھ جائیں اور تلوار مسلمانوں کے درمیان حائل نہ ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے نام ایک خط میں لکھا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ لوگ ہی میری طرف بڑھے تھے میں نے انہیں اپنی بیعت کی طرف نہیں بلایا تھا وہ خود ہی میری بیعت کے لیے آئے تھے اور میں نے بیعت قبول کر لی۔ تم دونوں بھی میری طرف بڑھے تھے اور تم دونوں نے میری بیعت کر لی تھی۔ لوگوں نے میری بیعت نہ کسی کے خوف سے نہ کسی نفع کے لالچ میں کی تھی۔ پس اگر تم نے بھی میری بیعت اپنی مرضی سے کی تھی تو لوٹ آؤ تم آؤ ہم اپنے درمیان مدینہ کے ان لوگوں کو حکم بنا لیں جو مجھ سے بھی الگ ہیں اور تم سے بھی الگ ہیں۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو حضرت علی المرتضیٰؓ کا یہ خط موصول ہوا مگر وہ اپنے مطالبے پر قائم رہے۔ بعض لوگوں نے مکہ کے عوام اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت علی المرتضیٰؓ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کے معاملہ میں دیر فرما رہے ہیں۔ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جذبات کا اندازہ اس تقریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے ایک مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کی۔ آپؓ نے فرمایا: ''افسوس ہے کہ اطراف و جوانب کے شہروں اور جنگلوں اور مدینہ منورہ کے غلاموں نے مجتمع ہو کر بلوہ کیا اور اس شہید عثمانؓ کی اس لیے مخالفت کی کہ وہ نوجوانوں کو حاکم مقرر کرتا تھا حالانکہ اس کے پیشرو بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ پس جب وہ لوگ اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل نہ دے سکے۔ تو اس کی دشمنی پر کمربستہ ہو گئے اور بدعہدی کی جس خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اسے بہایا۔ جس شہر کو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ بنایا تھا اس میں خونریزی کی جس مہینہ میں کشت و خون ممنوع تھا اس میں خون بہایا۔ جس کا مال لینا جائز نہ تھا۔ اس کو لوٹ لیا اللہ کی قسم! حضرت عثمان غنیؓ کی ایک انگلی بلوائیوں جیسے تمام لوگوں سے افضل ہے اور بے شک بلوائی جس وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت پر کمربستہ تھے وہ اس سے پاک تھے۔'' (ابن خلدون)

اس تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک شہادت عثمان

Marfat.com

غیؓ ہر نوعیت سے بڑا دلدوز واقعہ تھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچی تھیں کہ جس قدر جلد ممکن ہو قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔ اس لیے وہ راستے ہی سے مدینہ منورہ آنے کی بجائے مکہ معظمہ پلٹ گئیں تا کہ لوگوں کو خون عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے تیار کریں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تقریر نے لوگوں پر بہت اثر کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عامر حضرمی جوش میں آ گئے اور با آواز بلند کہا کہ ''سب سے پہلے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے والا میں ہوں'' ان کے علاوہ حضرت سعید بن العاص، ولید بن عتبہ اور بعض دوسرے لوگ بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی امداد پر کمر بستہ ہو گئے۔ بنو امیہ کا ایک گروہ جو شہادت عثمانؓ کے بعد مکہ مکرمہ آ گیا تھا۔ خون عثمانؓ کا بدلہ لینے والوں میں پیش پیش تھا۔ ادھر بصرہ اور یمن سے بھی کمک پہنچ گئی جس میں چھ لاکھ دینار اور چھ سو اونٹ تھے۔ مہروان بن الحکم بھی حضرت عائشہ سے آملا۔ مغیرہؓ بن شعبہ بھی اکابر لشکر میں تھے۔

(ابن کثیر)

صلاح و مشورہ کے بعد طے ہوا کہ مدینہ منورہ کی طرف جانے کی بجائے بصرہ کا رخ کیا جائے بعض لوگوں نے شام کی طرف کوچ کا مشورہ دیا مگر اکثریت نے اس سے اختلاف کیا انہوں نے کہا کہ حضرت امیر معاویہؓ وہاں موجود ہیں اور صورت حال پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ البتہ بصرہ میں آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس رائے پر اتفاق کرنے کے بعد کوچ کا نقارہ بجا اور ندا دینے والے نے ندا دی کہ ''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اکابر صحابہ کرام حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ خون عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے بصرہ تشریف لے جا رہی ہیں۔ جو شخص اسلام سے ہمدردی رکھتا ہے وہ ان کے ساتھ مل جائے۔ اگر اس کے پاس سواری نہیں ہوئی تو اسے سواری دے دی جائے گی''۔ اس آواز پر چھ سو آدمی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکر میں آ ملے اس طرح سولہ سو آدمیوں کا لشکر حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قیادت میں بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بھی بہت سے لوگ لشکر میں شامل ہو گئے اور یوں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکریوں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اونٹ پر رکھے ہوئے ایک ہودج میں بٹھایا گیا جس کا نام ''عسکر'' تھا۔

Marfat.com

اطلاعات ملنے پر حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے ایک بڑے لشکر کے ساتھ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اور خطرہ تھا کہ میدان کارزار گرم نہ ہو جائے۔ اسی لیے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خواہش تھی کہ گفت وشنید کے لیے کوشش کر کے صلح کی کوئی صورت نکالی جائے۔ چنانچہ اس غرض سے حضرت علی المرتضیٰؓ نے کوفہ کے ایک بزرگ صحابی حضرت قعقاع بن عمروؓ کو اہل جمل یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ اصل حالات کا پتہ چلائیں اور معلوم کریں کہ لوگ کیا چاہتے ہیں اور کس ارادہ سے بصرہ آئے ہیں۔ حضرت قعقاع بن عمروؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور بصرہ تشریف لانے کا مقصد دریافت کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہمارا مقصد اصلاح بین المسلمین ہے۔ حضرت قعقاع بن عمروؓ نے کہا: ''کیا ہی اچھا ہوا گر آپؓ زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کو بھی بلا لیں تا کہ اس بارے میں ان سے بھی بات ہو جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان دونوں کو بلا لیا۔

حضرت قعقاع بن عمروؓ نے ان سے کہا: ''میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہاں تشریف لانے کی غرض پوچھی ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اصلاح بین المسلمین آپؓ دونوں حضرات کو اس سے اتفاق ہے؟'' ان دونوں حضرات نے یک زبان ہو کر کہا کہ ''ہمیں اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔'' حضرت قعقاع بن عمروؓ نے کہا ''فرمایئے وہ اصلاح کیا ہے جو آپ چاہتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اچھی بات ہے تو ہم بھی اس سے اتفاق کریں گے۔''

ان حضرات نے کہا ''حضرت عثمان غنیؓ مظلوم شہید کیے گئے ہیں لہٰذا جب تک ان کے قاتلوں کو سزا نہیں دی جائے گی۔ ملک میں نہ تو امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی معاملات درست ہو سکتے ہیں۔'' حضرت قعقاع بن عمروؓ نے کہا ''آپؓ حضرات کا مطالبہ بالکل درست ہے لیکن اس کے لیے سکون اور اطمینان کی ضرورت ہے جب فضا سازگار ہو جائے گی اور اشتعال و ہیجان کی کیفیت میں نظم و سکون ہو جائے گا تو آپؓ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے گا۔ اگر آپؓ لوگ لڑیں گے تو وسیع پیمانے پر خونریزی ہوگی اور بہت بڑا

فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اور پھر اور بہت سے لوگ بھی آمادہ فساد ہو جائیں گے۔ سو چو اس صورت میں اصلاح کیسے ہو گی؟"

اس مرحلے پر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت قعقاع بن عمروؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت قعقاع بن عمروؓ نے کہا کہ "اس کا ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ صبر و تحمل اور صلح کا راستہ اختیار کیا جائے۔ آپؓ لوگ اہل خیر میں سے ہیں۔ آپؓ کو فتنہ و فساد میں نہیں پڑنا چاہیے ورنہ ہم دونوں پر ابتلا آئے گا اور دونوں کو نقصان ہو گا" حضرت عائشہ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو حضرت قعقاع بن عمروؓ کی یہ رائے پسند آئی اور سب نے بالاتفاق حضرت قعقاع سے کہا کہ "آپؓ کی رائے بہت صحیح ہے حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس جاؤ اگر انہوں نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا تو ابھی صلح ہو جائے گی۔"

جب حضرت قعقاع بن عمروؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپؓ کو ساری روداد سنائی تو آپؓ کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ غرض دونوں گروہ اتفاق و اتحاد کی اس صورت میں بہت خوش ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس موقع پر ایک تقریر فرمائی اور کہا "بے شک اللہ پاک نے اہل اسلام کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اَن کے جانشین حضرت ابوبکر صدیقؓ پر جمع فرمایا۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور پھر حضرت عثمان غنیؓ پر جمع فرمایا۔ تاہم عثمان غنیؓ کے عہد میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو دنیا کے طالب تھے اور اللہ پاک کی نعمتوں اور اہل فضل و کرم پر کڑھنے والے تھے۔ ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ اسلام ختم کر کے اسلام سے پہلے والے حالات پیدا کر دیئے جائیں" (طبری، ابن کثیر) حضرت علی المرتضیٰؓ نے اہل اسلام کو جمع کر کے صلح کا مژدہ سنایا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکر کی طرف چلنے کا حکم دیا تاکہ صلح کی گفتگو کر لی جائے اس کے ساتھ ساتھ دور اندیشی کے پیش نظر اور فریق دوم کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے یہ حکم بھی دیا کہ اگر ہمارے لشکر میں ایک بھی ایسا شخص ہو جو حضرت عثمان غنیؓ کے محاصرین کے ساتھ شامل تھا تو وہ الگ ہو جائے۔ یہ صورت حال اس گروہ کو ناگوار گزری جو اسلام کا شیرازہ منتشر کرنا چاہتا تھا۔ جس نے لوگوں کو بھڑکا کر حضرت

عثمان غنیؓ کی شہادت پر مجبور کیا تھا اور جو حضرت علی المرتضیٰؓ کی ممانعت کے باوجود ان کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ اس گروہ میں اہل مصر کی خاصی تعداد تھی چانچہ ان کے اکابرین نے عبداللہ بن سباء کی سرکردگی میں نئی صورت حال پر غور وخوض کیا اور کہا کہ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے درمیان صلح ہوگئی تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ بلکہ ان کی یہ صلح ہمارے خون پر ہوگی۔ مختلف سبائی سرغنوں نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ بعض نے کہا کہ سب مل کر حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو حضرت عثمان غنیؓ کے پاس پہنچا دو کسی نے کہا کہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ مگر عبداللہ بن سباء نے کہا کہ اگر تم خیریت چاہتے ہو تو میری بات مانو اور وہ یہ کہ ان لوگوں میں شامل ہو کر چپکے سے انہیں ایک دوسرے سے لڑا دو، مفسدین کے گروہ نے عبداللہ بن سباء کی اس رائے کو ازحد پسند کیا اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ اگر حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ میں صلح ہو جائے تو پیشتر اس کے کہ اس کا اعلان ہو کسی طریقے سے ان کے لشکروں کو ایک دوسرے سے لڑا دیا جائے۔ (ابن خلدون)

حضرت علی المرتضیٰؓ اپنا لشکر لے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قریب چلے گئے۔ باغی پہلے سے آپؓ کے لشکر میں موجود تھے۔ دونوں طرف سے نمائندے سر جوڑ کر بیٹھے فضا پوری طرح صلح کے لیے ہموار تھی۔ کسی کے دل میں صلح کے بارے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا۔ غرض کہ ہر شخص کے نزدیک صلح یقینی تھی علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے ''سب حضرات صلح پر تیار ہو گئے اور رات کو ایسے چین اور اطمینان کی نیند سوئے کہ اس سے قبل کبھی اطمینان کی نیند نہیں سوئے تھے۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف ہنگامہ آرائی کی تھی اور ان کو شہید کیا تھا انہوں نے اس سے زیادہ بدترین رات کبھی نہیں گزاری تھی'' ساری رات بے آرامی میں وہ کیا کرتے رہے؟ ساری رات باہم مشورہ کرتے رہے اور بالآخر انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ صبح منہ اندھیرے جنگ چھیڑ دی جائے اور اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ یہ منصوبہ صیغہ راز میں رہے۔ رات کی تاریکی ابھی چھٹنے نہ پائی تھی کہ ان فتنہ پردازوں اور شورش پسندوں نے اپنے خفیہ منصوبہ کے مطابق اہل جمل پر یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکر پر اچانک حملہ کر

دیا۔ اس اچانک حملہ سے اہل جمل نے یہ سمجھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے لشکر نے صلح کی شرائط سے اتفاق کرنے کے باوجود دھوکہ سے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ یہی خیال حضرت علی المرتضیٰؓ کے لشکر کے لوگ اصحاب جمل کے متعلق کرنے لگے اصل صورت حال کیا تھی دونوں گروہ اس سے بے خبر تھے چنانچہ دونوں کے لوگ اپنی اپنی مدافعت میں لڑنے لگے اور یوں میدان صلح میدان کارزار بن گیا۔ صبح ہوتے ہی سینکڑوں آدمی کھیت رہے۔ ان حالات کے باوجود حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ دونوں نے اپنے اپنے لشکروں میں اعلان کروادیا کہ کوئی شخص بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرے اور نہ ایک دوسرے کے مال واسباب پر ہاتھ ڈالے۔ سورج طلوع ہوتے ہی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فوج نے ام المومنینؓ کو اونٹ پر سوار کر کے لشکر کے قلب میں کھڑا کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اونٹ پر بیٹھ کر اپنے لشکر کو لڑانے لگیں۔ آپؓ زرہ پوش ہودج میں تشریف فرما تھیں۔

نامرتبہ شناس اور دشمنان اسلام سبائی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھے اور آپؓ کو محبوس کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بنوضبہ کے بہادر جوان اس اونٹ کی حفاظت میں لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے۔ بکر بن وائل، ازد اور بنوضبہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اونٹ کی نکیل پکڑی ہوئی تھی۔ وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ وہ گرا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اونٹ کی حفاظت میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ (طبری، مستدرک)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی استقامت اور ان کی فوج کی سرفروشی دیکھ کر حضرت علی المرتضیٰؓ نے خیال کیا کہ اس طرح تو یہ جنگ کبھی ختم نہ ہوگی اور معلوم نہیں کتنے مسلمانوں کا خون بہہ جائے گا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے سوچا کہ جب تک اونٹ نہ بٹھایا جائے گا یہ خون ریزی نہیں رک سکتی۔ لہٰذا حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دو کیونکہ اس کی بقا میں مسلمانوں کی فنا ہے''۔ چنانچہ ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری۔ اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی لڑائی کا

زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اونٹ بیٹھتے ہی آپؓ کے بھائی محمد بن ابوبکرؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ قریب پہنچے محمد بن ابوبکرؓ نے اپنی بہن حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہودج اتارا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے خیریت دریافت کی اور اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی افسوس کے کلمات کہے۔ اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو صفیہ بن الحارث کے مکان پر بغرض قیام و آرام روانہ کر دیا۔ (طبری) پھر حضرت علی المرتضیٰؓ میدان جنگ میں گئے۔ دونوں طرف کے شہدا کو دیکھا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف شہید ہونے والوں میں بعض اکابر صحابہ کرامؓ نظر آئے جیسے عبدالرحمان بن عتابؓ، طلحہؓ اور کعب بن ثورؓ، قاضی بصرہ، انہیں دیکھ کر حضرت علی المرتضیٰؓ کو بہت رنج ہوا اور فرمایا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ ہمارے مدمقابل عام لوگ ہیں حالانکہ ان میں ایسے ایسے اکابرین موجود تھے۔ پھر آپؓ کے حکم سے لاشیں اکٹھی کی گئیں۔ دونوں طرف سے شہدا کی نماز جنازہ خود حضرت علی المرتضیٰؓ نے پڑھائی اور پھر انہیں دفن کروادیا۔ (ابن اثیر) اس جنگ میں طرفین کے لوگ حتی الامکان ایک دوسرے کی گردن، سر اور چھاتی پیٹ پر وار کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ ہاتھوں پیروں پر حملہ کرتے تھے تاکہ جہاں تک ہو مسلمانوں کی جانیں محفوظ رہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں آدمیوں کے ہاتھ اور پیر کٹ کر میدان جنگ میں بھر گئے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان تمام کٹے ہوئے اعضا کو جمع کیا اور ایک بڑے گڑھے میں دفن کروادیا۔ اسی جنگ جمل میں اسلام کے دو نامور سپوتوں اور عشرہ مبشرہ کے دو صحابی حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت زبیرؓ کو روایات کے مطابق عمرو بن جرموز نے نماز میں شہید کیا۔ ابن جرموز حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے بعد ان کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے حضرت زبیرؓ کی تلوار پر حسرت کی نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:

"اس نے بار بار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں اے ابن صفیہ کے قاتل! تجھے خوشخبری ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔" (مسند احمد)

Marfat.com

اسی طرح حضرت طلہؓ کو عین معرکہ جنگ میں ایک نامعلوم تیر انداز کا تیر آکر لگا جو ان کے لیے قضا ثابت ہوا۔ جنگ جمل میں سبائیوں کی افتراء پردازی اور بہتان طرازی نے مسلمانوں میں گروہ بندی کو جنم دیا۔ جنگ جمل کے نتیجہ کے طور پر دس ہزار افراد کام آئے (طبری) یہ درست ہے کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کا مطالبہ صرف خون عثمان غنیؓ کے قصاص تک کا تھا اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس مطالبہ کی نوعیت ایک بڑی جنگ تک پہنچ جائے گی اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰؓ کو اس خونریزی کی توقع تھی یہی وجہ ہے کہ جب میدان جنگ میں حضرت قعقاع بن عمروؓ نے فریقین میں صلح کی بات چیت چلائی تو دونوں فریقین جلد ہی صلح پر رضامند ہو گئے۔ (ابن اثیر، ابن کثیر) جنگ جمل سبائیوں کی سازش کا نتیجہ تھی جس سے ان حضرات کے قصاص کے مطالبہ نے ایک خونریز جنگ کی شکل اختیار کر لی اور امت مسلمہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ جیسے اکابر صحابہ سے محروم ہوگئی۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کے خلاف نہ تھیں۔ طلب قصاص کے معاملہ میں ان کا رویہ اس بات کی مکمل شہادت دیتا ہے۔ اس ضمن میں علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ

''حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور ان کے دیگر ساتھیوں نے کبھی بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت کو غلط نہ کہا تھا اور نہ ہی ان پر کوئی ایسی جرح کی جس سے ان کا مقصد حضرت علی المرتضیٰؓ کو معیار خلافت سے گرانا ہو اور نہ ان کے مقابلہ میں انہوں نے کسی اور کی بیعت کی۔ یہ صحیح طور پر ثابت شدہ ہے کہ وہ بصرہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے نبرد آزما ہونے یا ان کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنے یا ان کی بیعت توڑنے کے لیے نہیں گئے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی اگر ان کا مقصد ہوتی تو وہ سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ سے الگ اپنا کوئی خلیفہ بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے وہ حضرات تو بصرہ اس شگاف کو بند کرنے کے لیے گئے تھے۔ جو حضرت عثمان غنیؓ کے ظلماً شہید کر دیئے جانے سے اسلام میں پیدا ہو گیا تھا'' اسی طرح شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری'' میں لکھا ہے کہ:

''کسی محدث نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے

Marfat.com

ساتھیوں نے خلافت کے معاملہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے کوئی جھگڑا یا تنازعہ کیا ہو اور نہ ہی انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں سے کسی کو مسند خلافت پر بٹھایا جائے۔ ان کا تمام تر مطالبہ محض یہی تھا کہ قاتلین عثمان غنیؓ سے جس قدر جلد ممکن ہو قصاص لیا جائے'' اور یہ حضرات قصاص عثمان غنیؓ کے مطالبہ میں اکیلے نہیں تھے بلکہ علامہ ابن کثیر کے مطابق ''مکہ میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور امہات المومنین اس مطالبہ کے حق میں تھیں۔'' (البدایہ والنہایہ)

صاحب ''خلافت وملوکیت'' کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اصحاب جمل کی طرح حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے کو جائز اور ضروری سمجھتے تھے اور ان کا اپنا یہی خیال تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو ظلماً شہید کیا گیا ہے لہٰذا ان کے قاتل کیفر کردار کو پہنچنے چاہییں لیکن ان دونوں میں فرق محض اتنا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک تاخیر قصاص میں مصلحت تھی جب کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک تعجیل قصاص وقت کی ضرورت اور تقاضا تھا۔ واقعہ جمل کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ بصرہ شہر میں داخل ہوئے۔ لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور اپنی خلافت کی بیعت لی کیونکہ اس وقت تک اہل بصرہ نے ان کی بیعت نہیں کی تھی۔ چند روز بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ بصرہ سے حجاز کی طرف روانہ ہوئیں تو اس موقع پر حضرت علی المرتضیٰؓ تشریف لائے اور جس مکان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ قیام پذیر تھیں آپؓ اجازت لے کر داخل ہوئے اور سلام کہا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سلام کا جواب فرمایا اور مرحبا کہا۔ اس سے پہلے حضرت علی المرتضیٰؓ نے بعد از معرکہ جمل بصرہ کے لوگوں میں اعلان فرمایا کہ ''حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حق میں واقعہ جمل کے بعد بھی وہی سابق اکرام واحترام باقی ہے جو اس سے قبل تھا اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔'' (نہج البلاغہ)

حضرت علی المرتضیٰؓ نے دوران خلافت اپنے اوقات تین شعبوں میں تقسیم کر دیئے تھے... جنگی، سیاسی اور مذہبی۔ آپؓ نے اپنا فرض سمجھا کہ نماز میں لوگوں کی امامت کریں۔ لوگوں کو وعظ ونصیحت کریں دین کی باتیں سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ خدائے بزرگ وبرتر کو مسلمانوں کی کونسی بات پسند ہے اور کون سی ناپسند۔ آپؓ کبھی منبر پر بیٹھ کر

Marfat.com

اور کبھی کھڑے ہو کر وعظ فرماتے ۔ لوگوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جاتے ان کی خیریت پوچھتے اور کاروبار کے بارے دریافت فرماتے ۔ جو شخص دین یا دنیا سے متعلق کوئی ضروری بات پوچھتا اس کو بتاتے ۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے صرف گفتگو اور وعظ ہی کے ذریعے لوگوں کو ہدایت نہیں کی بلکہ ان کو اپنی سیرت اور اپنا کردار پیش کر کے تعلیم بھی دی اور تربیت بھی کی ۔ آپؓ ان کے امام تھے ان کے خلیفہ تھے ، ان کے معلم تھے اور ان کے لیے نمونہ اور رہنما تھے ۔ حضرت علی المرتضیٰؓ لوگوں کے پاس اس وقت بھی پہنچتے جب وہ زندگی کے کاروبار میں منہمک ہوتے ۔ چنانچہ بازاروں کا گشت لگاتے ، لوگوں کو اللہ سے ڈراتے ، ان کو روز حساب کی یاد دلاتے ، خرید و فروخت کے مواقع پر ان کی نگرانی فرماتے ۔ خلافت کے رعب داب کے حوالے سے بہت احتیاط کرتے ۔ جب کوئی چیز خود خریدنا ہوتی تو بازار میں ایسے شخص کو تلاش کرتے جو آپؓ کو پہچانتا نہ ہو ۔ پھر اسی سے خریداری کرتے ۔ یہ آپؓ کو بالکل پسند نہیں تھا کہ دکاندار آپؓ کو امیر المومنین سمجھ کر کوئی رعایت کرے ۔

حضرت علی المرتضیٰؓ فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے ، ضرورت مندوں اور مستحقین کو تلاش کر کے ان کو سوال سے بے نیاز کر دیتے مگر خود انتہائی سادہ زندگی گزارتے ۔ آپؓ کی خوراک وہ ہوتی تھی جو کسی غریب ترین شخص کی ہو سکتی ہے ۔ یہ آپؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی مدینہ منورہ سے دور کسی اور شہر میں رہتا تھا ۔ اس کا اونٹ مر گیا ۔ اس نے سوچا کہ میں مدینہ منورہ جا کر امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تا کہ وہ مجھے بیت المال سے اونٹ دے دیں ۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ اعرابی ایک لمبا سفر طے کر کے مدینہ منورہ پہنچا ۔ جب وہ اعرابی امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کے دروازے پر پہنچا تو اس کو حضرت امام حسینؓ ملے ۔

حضرت امام حسینؓ نے اس اعرابی کو مسجد کے حجرے میں بٹھا دیا اور فرمایا کہ ”میں آپ کے لیے کھانا تیار کرا کر ابھی لاتا ہوں ۔“ چنانچہ حضرت امام حسینؓ نے بہت اچھا کھانا اس اعرابی کے سامنے لا رکھا ۔ اعرابی کھانے کو دیکھ کر کہنے لگا ”میں اس وقت تک یہ [illegible] کھانا بالکل نہیں کھاؤں گا جب تک کہ اس غریب آدمی کو اپنے ساتھ

Marfat.com

کھانے میں شریک نہ کرلوں جو کہ مسجد کے صحن میں سوکھی روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھا رہا ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا: ''وہی تو امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔ وہ اپنا معمول کا کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ اور یہ پر تکلف کھانا وہ بالکل نہیں کھائیں گے۔''

اعرابی یہ بات سن کر ازحد حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ اس قدر عظیم الشان سلطنت کے حاکم اس قدر سادہ زندگی گزارتے ہیں اور ایسی سادہ غذا پر گزارا کرتے ہیں جس کو عام غریب بھی کھانا پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد اعرابی امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ آپؓ نے اس کو بیت المال سے ایک اچھی نسل کا اونٹ دے کر رخصت کیا۔

حسن خطابت کے ساتھ ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسن تحریر کے بھی شہنشاہ تھے۔ جنگ صفین سے واپسی پر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے لخت جگر حضرت امام حسنؓ کے نام ایک وصیت نامہ لکھا جس میں انہیں اخلاقیات کی ایسی نادر و نایاب تعلیم فرمائی کہ زندگی کا کوئی نشیب و فراز ایسا نہ چھوڑا جس کے بارے میں اپنے فرزند کو تلقین نہ فرمائی ہو۔ دنیا کے اخلاقی ادب میں اس وصیت نامہ کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کا ہر لفظ اور ہر جملہ فکر انگیز بھی ہے اور معنی خیز بھی بلکہ ہر جملہ ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے جو رہتی دنیا تک ہر انسان کے لئے راہ عمل اور نصاب حیات متعین کرتا ہے۔ ''نہج البلاغہ'' میں اس وصیت نامہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاہم اس میں کچھ جملے مشعل فکر و عمل کے طور پر لکھنا ضروری ہیں۔

مدینۃ الحکمت کے باب عظیم حضرت علی المرتضیٰؓ اپنے فرزند حضرت امام حسن کو لکھتے ہیں: ''فرزند! دل کو موعظت سے زندہ کر، زہد سے مار، یقین سے موت دے، حکمت سے روشن کر، موت کی یاد سے اس پر قابو پا، فانی ہونے کا اس سے اقرار لے، مصائب یاد دلا کر اسے ہوشیار بنا، زمانے کی نیرنگیوں سے اسے ڈرا، بچھڑ جانے والوں کو چھوڑ دے، تو نیکیوں کی تبلیغ کرے گا تو نیکوں میں ہو جائے گا، خدا کے معاملات میں ملامت کرنے والوں سے نہ ڈر، حق کے لئے مصائب کے طوفان میں کود پڑ''۔

Marfat.com

"فرزند! یقین کر کہ دنیا کا قیام اللہ کے اس ٹھہرائے ہوئے قانون پر ہے کہ انسان کو تکالیف بھی ملتی ہیں اور پھر آخرت میں اس کی جزا دی جاتی ہے جس کا ہمیں علم نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہنما بنا اور نجات کے لئے انہی کو قطب نما تصور کر۔ کسی پر ظلم نہ کر کیونکہ دوسرے کا ظلم تو اپنے آپ پر نہیں چاہتا۔ غور کر اللہ تعالیٰ نے طلب کی اجازت دے کر اپنی رحمت کے خزانوں کی کنجیاں تیرے حوالے کر دی ہیں۔ تو جب چاہے دعا کر کے اس کی نعمتوں کے دروازے کھلوا لے۔ اگر اجابت دعا میں دیر ہو تو مایوس نہ ہو کیونکہ قبولیت دعا کا انحصار نیت کی صحت پر ہے۔ کبھی قبولیت دعا میں اس لئے دیر ہوتی ہے کہ سائل کو زیادہ بخشش دی جائے یا پھر محرومی ہی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے"۔

"فرزند! غصہ پی جایا کر، میں نے غصے کے جام سے زیادہ میٹھا جام کوئی نہیں دیکھا، ظالم کے ستم سے تنگ دل نہ ہو کیونکہ وہ خود اپنا نقصان اور تمہارا نفع کر رہا ہے۔ سچا دوست وہی ہے جو پیٹھ پیچھے دوستی کا حق ادا کرے۔ پردیسی وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔ احمق سے دوستی توڑنا عقلمند سے دوستی جوڑنے کے برابر ہے۔ جو اپنی حیثیت پر رہتا ہے اس کی عزت باقی رہتی ہے"۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کو نثر پر جتنی قدرت حاصل تھی نظم میں بھی اس سے کم نہ تھی۔ علامہ بلاذری "انساب الاشراف" میں لکھتے ہیں کہ "علیؓ ابن ابی طالب تمام صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر شاعر اور سب سے زیادہ فصیح تھے"۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰؓ فن حرب میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ لڑائی کے ہر داؤ پیچ سے بخوبی واقف تھے۔ آداب جنگ کے عنوان سے آپؓ کا ایک خطبہ "نہج البلاغہ" میں درج ہے جس سے آپؓ کی فن حرب میں مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: "میدان جنگ میں جو زرہ پوش ہیں انہیں آگے بڑھاؤ اور جو بے زرہ ہیں انہیں پیچھے رکھو۔ میدان کارزار میں استقامت اور ثابت قدمی سے تلواریں سروں سے دُور چلی جاتی ہیں۔ نگاہیں نیچی رکھو کیونکہ آنکھوں کا نیچے رکھنا قوت قلب کی زیادتی اور سکون دل کا باعث ہے۔ آوازوں کو خاموش کر دو کیونکہ متانت و سکون خوف کو دُور کر دیتے ہیں۔ اپنے پرچم کو اس کی جگہ سے حرکت نہ

Marfat.com

دو۔ اللہ کی قسم! اگر تم شمشیر دنیا سے بچ گئے تو شمشیر آخرت سے سلامت نہ رہو گے۔ جنت نیزے کی انی کے نیچے ہے اور جہاد کی طرف سے جانے والا اس تشنہ لب کی مانند ہے جو پانی پر پہنچ جائے''۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت سے کچھ عرصہ قبل ایک شخص آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ اس وقت مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے موجود تھے۔ اس نے از روئے خیر خواہی عرض کیا ''آپؓ اپنی حفاظت کا انتظام فرمائیں کیونکہ بعض لوگ آپؓ کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپؓ حفاظتی تدبیر کے طور پر اپنا کوئی نگران مقرر فرما لیں تو بہتر ہوگا''۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے ارشاد فرمایا ''ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے حفاظت کے لئے لگے ہوئے ہیں۔ جب تقدیر غالب آتی ہے تو وہ اس شخص سے الگ ہو جاتے ہیں جبکہ اجل ایک مضبوط ڈھال ہے''۔ (طبقات ابن سعد)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰؓ کو شہادت کی پیشین گوئی کئی روایات میں پائی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے بھی حضرت علی المرتضیٰؓ کے مدینہ سے خارج ہونے کے وقت آپؓ سے کہا تھا کہ آپؓ عراق جا رہے ہیں شاید وہاں آپؓ پر تلوار سے وار کیا جائے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا تھا ''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ بات معلوم ہے مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوگا''۔ (مسند الحمیدی، الاصابہ، الاستیعاب)

جنگ نہروان کے بعد مکہ مکرمہ میں تین خارجی جمع ہوئے اور انہوں نے ایک منصوبہ تیار کیا اور اس کو پورا کرنے کے لئے اپنی جانوں کو فدا کرنے کا عہد کیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ زندہ ہیں تو امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے ہمارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اس لئے ان کی شہادت ضروری ہے۔ اس پر انہوں نے آپس میں اس طور پر معاہدہ کیا کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو شہید کرنے کا ذمہ لیا جبکہ برک بن عبداللہ نے حضرت معاویہؓ اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو شہید کرنے کی ذمہ داری لی اور سترہ (17) رمضان المبارک کی تاریخ طے کی کہ ان تینوں کے شہروں میں

Marfat.com

پہنچ کر ان پر حملہ صبح کی نماز کے وقت کیا جائے گا۔ چنانچہ اس منصوبہ پر عمل کرنے کے لئے پختہ عہد کر کے یہ لوگ کوفہ، شام اور مصر کی طرف چل دیئے۔ (طبری، مروج الذہب، ابن اثیر، تاریخ الخلفاء)۔

عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ پہنچا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ فجر کی نماز کے لئے بہت سویرے اٹھتے تھے اور نماز کی طرف جاتے ہوئے لوگوں کو الصلوٰۃ کے ساتھ ندا کرتے چلے جاتے تاکہ لوگ نماز کے لئے جاگ جائیں۔ جیسے ہی حضرت علی المرتضیٰؓ مسجد کی طرف تشریف لائے ابن ملجم جو اپنی مخصوص تلوار کے ساتھ اندھیروں میں چھپا بیٹھا تھا اس نے آپؓ کے سر مبارک پر زور سے تلوار چلائی جو سر مبارک میں گہری چلی گئی۔ خون بہہ نکلا جس سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی ریش مبارک تر بتر ہو گئی۔ لوگوں نے ابن ملجم کو پکڑ لیا۔ (طبری، مروج الذہب، البدایہ والنہایہ)

حضرت علی المرتضیٰؓ کو اٹھا کر گھر کی طرف لایا گیا اور عبدالرحمٰن بن ملجم کو بھی پکڑ کر آپؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؓ نے اس سے چند سوال کئے اور فرمایا ''اس کو آرام سے رکھا جائے اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دی جائے''۔ (ابن سعد)

اس موقع پر آپؓ نے لوگوں کو وصیت فرمائی کہ اگر میں اس زخم کی وجہ سے انتقال کر جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قاتل کو قصاص میں قتل کر دینا لیکن اگر میں جانبر ہو گیا تو پھر اس معاملہ میں خود غور و فکر کروں گا۔ اس کے بعد آپؓ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت حسنؓ سے فرمایا: ''قاتل سے قصاص لیتے وقت ایک ضرب لگانا کیونکہ اس نے مجھے ایک ہی ضرب لگائی ہے اور اس کا مثلہ نہ کرنا کیونکہ سپہ سالار اعظم نے اس سے منع فرمایا ہے''۔ (ابن اثیر، ابن خلدون)

زخم کاری لگا تھا اور خنجر بھی زہر آلود تھا۔ لہٰذا زہر کا اثر سارے جسم میں سرایت کر گیا۔ ابن ملجم نے بھی کہا ''میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ پر ایسا وار کیا ہے کہ اگر پورے شہر والوں پر ایسا وار ہوتا تو سب مر جاتے۔ بخدا! میں نے اپنے خنجر کو ایک ماہ تک زہر میں بجھایا''۔ (طبری)

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس موقع پر اپنے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ کو

Marfat.com

چند نہایت ضروری وصیتیں فرمائیں۔ آپؓ نے فرمایا ''بیٹا! میرے بعد امت مسلمہ کو اتحاد و اتفاق کا سبق دینا اور کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے امت میں انتشار پیدا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو'' (ابن کثیر) اس کے بعد کچھ اور وصیتیں فرمائیں اور حضرت حسینؓ اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ کو بھی وصیتیں کیں۔ زہر لمحہ بہ لمحہ اپنے اثرات دکھا رہا تھا۔ چنانچہ 17 رمضان المبارک 40 ہجری کو آپؓ پر حملہ ہوا اور تین روز موت و حیات کی کشمکش کے بعد 20 رمضان المبارک 40 ہجری پیر کی رات کو آپؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد آپؓ کے غسل اور کفن کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ آپؓ کے صاحبزادگان حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور آپؓ کے برادر زادے عبداللہ بن جعفر طیارؓ نے آپؓ کو غسل دیا اور کفن پوشی کی۔ آپؓ کا کفن تین کپڑوں پر مشتمل تھا جس میں قمیص نہیں تھا۔ (طبقات ابن سعد)

اس کے بعد نماز جنازہ کی تیاری ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (المستدرک) جنازہ سے فراغت کے بعد دفن کا مسئلہ پیش آیا۔ آپؓ کو کوفہ میں قبل از نماز فجر دفن کر دیا گیا۔ شہادت کے وقت آپؓ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی جبکہ آپؓ کی خلافت کی مدت چار سال اور نو (9) ماہ ہے۔

(ابن سعد، ابن کثیر)

حضرت عبیدہؓ بن الجراح

وہ پاکیزہ رو، خوش شکل، لاغر اندام اور سبک رفتار شخصیت تھے، بے حد خوش اخلاق، منکسر المزاج اور شرم و حیا کے پیکر تھے۔ لیکن جب کوئی سخت معاملہ پیش آتا یا کوئی کٹھن گھڑی سامنے آتی تو وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی مانند نظر آتے تھے۔ وہ رونق وصفائی اور تیزی اور کاٹ میں تلوار کی دھار کے مشابہ تھے۔

یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امین حضرت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح قریشی تھے۔

حضرت ابوعبیدہ السابقون الاولون میں سے تھے۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلمان ہونے کے دوسرے دن انہی کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

ہجرت کر جانے کے باوجود مشرکین قریش نے مسلمانوں سے معاندانہ روش اور دشمنی جاری رکھی حتیٰ کہ 2 ہجری کو میدانِ بدر میں حق و باطل کا عظیم معرکہ برپا ہوا۔ دونوں طرف سے جنگ شباب پر تھی باطل کی کوشش تھی کہ وہ حق کا چراغ بجھا دے لیکن جس چراغ کو اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اندر روشن کیا تھا وہ باطل سے کب بجھنے والا تھا۔

حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح اس معرکہ میں شریک بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ آپ کا والد عبداللہ کفار کی جانب سے لڑ رہا تھا۔ بیٹے کے اسلام لانے پر وہ سخت برگشتہ و مضطرب تھا تمام رشتوں کو بھلا کر وہ بیٹے کا جانی دشمن بن گیا تھا۔ اب

اسے موقعہ ملا تھا کہ بیٹے سے اس کے اسلام قبول کرنے کا بدلہ لے سکے۔ وہ تاک تاک کر آپؓ کو نشانہ بنا رہا تھا لیکن ہر بار بیٹے نے درگزر سے کام لیا۔ جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آتا تو اسلامی حمیت نسبتی رشتے پر غالب آ گئی۔ آپؓ نے ایسا وار کیا کہ باپ کو خون میں نہلا دیا۔ اسلامی جوش اور مذہبی وارفتگی کی ایسی مثال تھی جو چشم فلک نے شاید اس سے قبل نہ دیکھی ہو گی۔ ان عظیم جذبوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بے حد پسند فرمایا اور سورۃ مجادلہ میں یوں ارشاد فرمایا:

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے''۔

آپ کا اسم پاک عامر کنیت ابو عبیدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ لقب امین الامت تھا۔ دادا کا نام الجراح تھا لہٰذا باپ کے نام کی نسبت دادا کے اسی نام سے زیادہ شہرت پائی۔ ساتویں پشت میں آپ کا سلسلہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی کی ستائیس بہاریں دیکھ چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان بعثت فرمایا۔ توحید کی آواز نے مشرکین قریش میں ہل چل مچا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ در پردہ لوگوں کو دعوت حق دیتے تھے۔ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کی باتوں کا بے حد اثر ہوا زیادہ سوچ بچار سے کام نہیں لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یقین تھا کہ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ حق ہے۔ ان دنوں ابھی محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف نہیں لے گئے تھے کہ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اسی دن حضرت عثمانؓ بھی آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا سنہری طوق گلے میں پہن لیا۔

Marfat.com

جب کوئی شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا تھا تو تمام لوگ اس کے دشمن بن جاتے تھے اور تعلق اور رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ظلم و استبداد کے دروازے کھول دیتے تھے منشاء و مقصود یہ ہوتا تھا کہ اذیتوں سے تنگ آ کر بت پرستی کی طرف واپس لوٹ آئے مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ دین حق میں شامل ہونے کے بعد مصائب و آلام کا برداشت کرنا اس پر آسان ہو جاتا تھا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح پر بھی انہوں نے مشق ستم کی دو مرتبہ ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ آخری مرتبہ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینہ کی جانب جب ہجرت کی تو وہاں حضرت کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت الہدم کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا بھائی چارہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معاذ سے کرا دیا۔

تمام غزوات میں آپؓ نے بڑی گرم جوشی و جاں فروشی سے شرکت کی۔ غزوہ احد میں عبداللہ بن قیہ کے حملہ سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور زخمی ہو گیا۔ زرہ کی دو کڑیاں رخسار مبارک صلی اللہ علیہ وسلم میں کھب گئی تھیں۔ شدید تکلیف تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی تیزی سے اپنے ہادی و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے۔ دوسری طرف سے حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح بھاگتے ہوئے آئے جیسے ہوا میں اڑ رہے ہوں۔

"میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں مجھے اجازت دیں کہ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گال سے زرہ کے حلقے نکالوں"۔

حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح نے ملتجیانہ انداز میں حضرت ابوبکر صدیق سے کہا پہلے حالانکہ اس سعادت سے وہ خود بہرہ ور ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے زرہ کے ایک حلقہ پر اپنے دانت رکھ کر پوری طاقت و قوت سے اسے باہر کھینچا۔ اس میں آپ کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ زرہ کے دوسرے حلقے کو دانتوں سے زور لگا کر باہر نکالا تو دوسرا دانت بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو گیا۔

زرہ کے حلقے نکلنے کی دیر تھی کہ خون بہہ نکلا۔ حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن

Marfat.com

سنان جو اس وقت پاس کھڑے تھے اس خون کو پیتے اور زخم پر منہ رکھ کر چوستے تھے۔
قریب کھڑے دوسرے عشاق نے پوچھا:
"مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سنان! تم خون پیتے ہو"۔
"ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون اقدس شربت کی طرح پیتا ہوں"۔
غزوہ احزاب اور بنو قریظہ میں بھی آپؓ نے مثالی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا یہی آرزو تھی کہ کسی طرح محبوب صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ یہی واحد طریقہ تھا۔

ربیع الاوّل 6 ہجری میں سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بنو ثعلبہ کی سرکوبی کے لئے ذی القصہ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ کی ماتحتی میں چالیس سرفروش تھے بنی ثعلبہ و انمار اور محارب کی بستیاں بے آب و گیاہ ہو گئیں تو انہوں نے مدینے کے مویشی لوٹ لینے کا فیصلہ کیا جو مدینے سے سات میل دُور بیضا کے مقام پر چرتے تھے۔ ان کی سرکوبی مقصود تھی۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح تعمیل ارشاد میں مغرب کی نماز کے بعد ذی القصہ کی طرف چل پڑے۔ راتوں رات منزل مقصود پر پہنچ گئے جب صبح کا چہرہ ابھی زیادہ تاباں نہیں ہوا تھا کہ آپ نے بنی ثعلبہ پر حملہ کر دیا۔ وہ خوف اور ڈر سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے صرف ایک شخص ہاتھ لگا جس نے اسلام قبول کر لیا اور مہم میں کچھ اونٹ اور دوسرا مال و اسباب ہاتھ لگا جسے آپ نے لا کر بارگاہ نبوت میں پیش کر دیا۔

رجب المرجب 8 ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مجاہدین پر آپ کو امیر بنا کر قریش کے قافلہ کی حفاظت اور قبیلہ جہینہ کو روکنے کے لئے بھیجا۔ حکم سیف البحر تک جانے کا تھا کیونکہ جہینہ قبیلہ ساحل سمندر پر آباد تھا۔ مدینہ سے یہ مقام پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ اس سریہ میں حضرت عمر اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابہ بھی موجود تھے۔ بوقت روانگی امیر العسکر کو بطور توشہ کھجوروں کی ایک تھیلی عطا کی گئی جس میں آپ نے تمام مجاہدین کو ایک ایک مٹھی خرما دے دیئے۔ جب راستے میں کھانے کے لئے چیز نہ رہی تو لشکری اپنی کمانوں سے درختوں کے پتے توڑ کر کھاتے

Marfat.com

تھے۔ اس لحاظ سے اس کا جیش الخبط (لشکر برگ) نام پڑ گیا جب سمندر کے کنارے پر مجاہدین اسلام پہنچے تو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ سب صبر و شکر و رضا کے پیکر بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جانثاروں کے لئے سمندر کی لہروں کو حکم دیا اس نے ایک بہت بڑی مچھلی کو ساحل پر پھینک دیا اس کی لمبائی ساٹھ گز تھی اور اس کی آنکھ کے حلقے میں تیرہ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح اونٹ پر سوار اس مچھلی کی پسلی کے نیچے سے گزر گئے۔ اس لحاظ سے اسے سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں۔ اٹھارہ دن تک مجاہدین شکم سیر ہو کر مچھلی کا گوشت کھاتے رہے۔ اس کی چربی کو جسم پر مل کر نہاتے رہے یہاں تک کہ خوب توانا ہو گئے اور کامیاب و کامران مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

جمادی الآخر 8 ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مجاہدین پر حضرت عمرو بن العاص کو امیر مقرر فرما کر ذات السلاسل کی طرف بھیجا۔ وہاں جب پہنچے تو پتہ چلا کہ غنیم کی تعداد بہت زیادہ ہے کمک کے لئے لکھ بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو سو مجاہدین پر امیر بنا کر بھیجا ان میں حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عظیم ہستیاں شامل تھیں۔ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں حضرت عمرو بن العاص کو سپہ سالاری کا حق نہ تھا۔ لیکن آپ نے اصرار نہیں فرمایا اور جس مقصد کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے اسے سرانجام دینے کے بعد مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

بیعت رضوان کے موقعہ پر جب مسلمانوں اور کفار میں معاہدہ تحریر ہوا تو آپ نے اس پر بطور گواہ دستخط ثبت فرمائے۔

ایک مرتبہ یمن سے وفد آیا اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی تعلیم کے لئے کسی کو ہمراہ فرما دیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمایا تو حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: "ہر امت کا امین ہوتا ہے۔ یہ امین الامت ہیں۔ انہیں تمہارے ساتھ کرتا ہوں"۔

Marfat.com

ایک مرتبہ آپ کو اہل بحرین سے جزیہ کی رقم وصول کر کے لانے پر مامور فرمایا۔
آپ جب واپس تشریف لائے تو اس روز نماز فجر میں انصار کا غیر معمولی ہجوم تھا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا:
"شاید تم لوگوں کو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے کی خبر ہو گئی ہے"۔
"جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔
"بشارت ہو آج تمہیں خوش کر دوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور
پھر گویا ہوئے:
"لیکن اللہ کی قسم میں تمہارے فقر و افلاس سے نہیں ڈرتا۔ خوف ہے کہ پہلی
امتوں کی طرح تم پر دنیا کشادہ ہو جائے گی اور جس طرح ان کی باہمی مناقشت اور حسد
و طمع نے ہلاک کر دیا تھا تمہیں بھی ہلاک کر دے گی"۔
حجۃ الوداع میں آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اس کے تین ماہ
بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر جب سقیفہ بنو ساعدہ میں انتخاب خلیفہ کا مسئلہ
زیر بحث آیا تھا تو اس وقت حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑا اہم کردار ادا کیا تھا
انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:
"تم نے امداد اعانت کا وعدہ کیا تھا لہٰذا اس پر حرف نہ آنے دو"۔
اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی خلافت کے لئے پیش کیا
لیکن ہر دو بزرگوں نے آگے بڑھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ
مبارک پر بیعت کر لی۔
عہد صدیقی میں ملک شام پر کئی اطراف سے لشکر کشی کی گئی۔ حمص کی طرف
حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، دمشق کی جانب حضرت یزید بن سفیان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، سوئے اردن حضرت شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حسنہ کو اور بطرف
فلسطین حضرت عمرو بن العاص کو روانہ کیا گیا۔ لیکن ان سب پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو سپہ سالار اعظم تعینات کیا گیا۔ عرب کی سرحد سے باہر قدم قدم پر رومیوں

Marfat.com

سے آمنا سامنا ہوا لیکن آپؓ نے ان کو مار بھگایا۔ ان کی کثرت کا اندازہ لگا کر خلیفہء الرسول حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کمک کے لئے لکھ بھیجا۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولید کو عراقی مہم چھوڑ کر شام جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اسلامی فوج کو یکجا ہونے کا حکم دیا اور پھر متحدہ فوج نے بصرےٰ فحل اور اجنادین کو فتح کرنے کے بعد دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

اسی دوران میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خالق کے پاس تشریف لے گئے تو ان کی جگہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ انہی دنوں دمشق کے بطریق کے ہاں ایک لڑکے نے جنم لیا۔ اس خوشی میں لوگوں نے خوب شرابیں پی کر بدمستی کی اور بے سدھ پڑ کر سو رہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمع چند جانبازوں کے فصیل شہر پھاند کر اندر داخل ہو گئے اور دروازے کھول دیئے اور فوج اندر داخل ہو گئی۔ اس آفت ناگہانی کا صرف ایک ہی حل تھا کہ سپہ سالار اعظم حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح سے صلح کی درخواست کریں اور آپ اس وقت دوسری طرف تھے اور اس صورت حال کا علم نہ تھا کہ مسلمان شہر کے اندر داخل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے صلح قبول کر لی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح کی فوجوں کی جب دمشق کے بازار کے وسط میں ملاقات ہوئی تو حقیقت حال منکشف ہوئی۔ چونکہ حضرت عبیداہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصالحت کر چکے تھے اس لئے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی۔ کسی کے ماتھے پر بل تک نہ پڑا کیونکہ اسلامی تعلیم اور اطاعت سردار کا یہی تقاضا تھا۔

رومیوں کو بڑا دکھ تھا کہ دمشق ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ انہوں نے فوجوں کو اردن کے شہر میں جمع کیا لیکن مسلمانوں کے رعب و دبدبہ اور عزم و جاں نثاری کے جذبوں کو دیکھ چکے تھے لہٰذا گفت و شنید کے لئے اپنا قاصد براہ راست حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا۔

رومی قاصد حیران و پریشان اسلامی لشکر میں پھر رہا تھا۔ ہر شخص کو ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے دیکھ کر بڑا پریشان ہوا۔ افسر اور ماتحت میں کوئی تمیز نظر نہیں آتی تھی جو

Marfat.com

کہ ان کے ہاں بڑی نمایاں تھی۔ آخر کار اس نے ایک مسلمان سے پوچھا۔

''تمہارا سردار کون ہے؟''

''سامنے زمین پر بیٹھے ہیں''۔

انگلی کے اشارے سے اسے بتایا تو وہ اور ورطہ حیرت میں ڈوب گیا یقین نہیں آتا تھا کہ اسلامی فوجوں کا سپہ سالار اعظم ایک عام آدمی کی طرح زمین پر بیٹھا ہو گا۔ مزید تسلی کرنے کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

''کون ہو؟'' آپ نے پوچھا۔

''میں رومی قاصد ہوں'' اس نے جواب دیا۔

''کس لئے آئے ہو؟'' آپ نے دریافت کیا۔

''ہمیں مصالحت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہمارا سردار کہتا ہے کہ اگر آپ یہاں سے چلے جائیں تو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے''۔

''ہرگز نہیں'' حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو ٹوک فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا اور خوں ریز معرکے کے بعد اردن فتح کر لیا۔

حمص اور دوسرے شہر فتح کرتے کے بعد آپ لاذقیہ پہنچے۔ یہ بڑا مضبوط و مستحکم شہر تھا اس کو فتح کرنے کے لئے آپ نے میدان میں پوشیدہ غار کھدوائے اور بظاہر محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہو گئے۔ اہل شہر نے دیکھا تو اطمینان کا سانس لیا اور کاروبار کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ لیکن آپ اسی شب واپس آ کر ان پوشیدہ غاروں میں چھپ گئے اور صبح جب لوگ اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ شہر میں داخل ہو کر اسلام کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مسلسل شکستیں کھانے کے بعد رومیوں نے ہرقل شاہ روم سے فریاد کی تو اس کی غیرت جاگ اٹھی۔ پوری قوت سے مسلمانوں کو پسپا کرنے کے لئے اس نے تمام ممالک کو فوجیں بھیجنے کے لئے لکھ بھیجا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان امڈ پڑا۔

حضرت عبیدہ الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار پھر تمام افواج اسلامی کو

دمشق میں جمع ہونے کے لئے کہا۔ صلاح مشورہ کے بعد طے پایا کہ یرموک میں مورچہ بندی کی جائے۔ ان حالات میں مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت ممکن نہ تھی لہٰذا ان سے وصول شدہ جزیہ کی ایک ایک کوڑی تک واپس کر دی۔ یہ حسن سلوک اور انصاف دیکھ کر وہ رو رو کر مسلمانوں کی واپسی کے لئے دعائیں کرنے لگے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صورت حال سے مطلع کیا گیا اور امداد طلب کی تو مدینہ کا ہر شخص جذبہ جہاد سے لبریز ہو گیا اور جنگ پر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ بہر کیف تھوڑی سی کمک روانہ کر دی گئی۔ یرموک کے قریب ہی دو لاکھ سے زائد رومیوں کا لشکر خیمہ زن تھا اگرچہ تعداد میں وہ مسلمانوں سے سات گنا زیادہ تھے لیکن مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ چاہتے تھے کہ بھرم رہ جائے۔ ان کے سپہ سالار اعظم باہان نے مصالحت کے لئے قاصد بھیجا جب جارج اسلامی لشکر میں آیا تو مغرب کی نماز شروع ہوئی۔ عجب روح پرور نظارہ تھا وہ بے حد متاثر ہوا۔ بعد از نماز قاصد نے حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعدد سوالات کئے اور مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اسے واپس جانے کے لئے فرمایا وہ جانا نہیں چاہتا تھا تو کہا:

"اس طرح رومیوں کو بدعہدی کا گمان ہو گا۔ مسلمان کبھی بدعہدی نہیں کرتا لہٰذا تم واپس جاؤ اور کل جو سفیر آئے اس کے ساتھ چلے آنا"۔

15 ہجری اور رجب المرجب کا مہینہ تھا کہ معرکہ یرموک پیش آیا۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ دل کھول کر داد شجاعت دی گئی۔ جب رومیوں کے ستر ہزار افراد واصل جہنم ہو چکے اور مسلمانوں کے تین ہزار مجاہدین مقام شہادت پر فائز ہوئے تو رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور فتح کا سہرا مسلمانوں کے سر بندھا۔

جزیرہ جو عراق کا حصہ تھا مگر اس کی سرحد شام کے ساتھ ملی ہوئی تھی ہنوز فتح نہیں ہوا تھا اور وہاں سے خطرہ کسی وقت بھی جنم لے سکتا تھا چنانچہ وہاں بھی رومیوں کے پاؤں جم نہ سکے اور فتح و کامرانی نے حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم چومے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق کے والی مقرر ہوئے تھے کہ خلیفۃ

Marfat.com

المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے معزول کر دیئے گئے۔ بوقت رخصتی حضرت خالد بن ولید نے ارشاد فرمایا۔

''لوگو! تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ امین الامت تمہارا والی ہے''۔ اس کے جواب میں حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ہوئے۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے''۔

18 ہجری میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپؓ نے شام سے چار ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے بھجوا دیئے۔ آپ نے اشاعت اسلام میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔ ان گنت لوگ آپ کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

اسی سن ہجری میں طاعون کی وبا پھیلی۔ شام میں اس کا بڑا زور تھا۔ بے شمار لوگ لقمہ اجل بن گئے کئی مشہور و نامور ہستیاں اس کا شکار ہو گئیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم ہوا تو بڑے فکر مند ہوئے اور بطرف ملک شام روانہ ہوئے۔ مقام سرخ پر حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے سرداروں نے آپ کا استقبال کیا۔ طاعون کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ مشاورت سے طے پایا کہ فی الحال لوگوں کو یہاں سے کہیں اور منتقل ہو جانا چاہیئے۔ اس ضمن میں منادی کرا دی گئی۔ حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقدیر کے بڑے قائل تھے۔ خلیفۃ المومنین سے عرض کیا۔

''آپ تقدیر سے بھاگتے ہیں'' اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ''ہاں تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس آ کر حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا۔ آپ اپنے خلیفہ کا اشارہ پا گئے۔ جواباً لکھا۔

''جو مقدر میں ہے پورا ہو گا''

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاکیداً لکھا کہ فوجوں کو مرطوب مقامات سے ہٹا کر کسی بلند اور صحت بخش مقام کی طرف لے جاؤ چنانچہ آپ نے فوجوں کو جابیہ منتقل کر دیا۔

Marfat.com

مرض طاعون اندرونی طور پر حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنا اثر کر چکا تھا، لہٰذا جابیہ پہنچے تو اس مرض میں مبتلا ہو گئے جب مرض بڑھ گیا تو حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

"صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔ پہلے بہت سے صلحا روزگار اس میں جاں بحق ہوئے ہیں اور اب عبیدہ اپنے اللہ سے اس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے"۔

جب نماز کا وقت آیا تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کی اور جب نماز ختم ہوئی تو آپؓ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر اٹھاون برس تھی اور آپؓ کو اردن کے شہر ملیسان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ

اس وقت جب نور نبوت نے مکہ کے در و بام اور اس کے گلی کوچوں کو روشنی کا لباس پہنا دیا تھا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی وقاص ابھی ایک کم سن نوجوان تھے، شباب سے بھرپور اور ناز و نعمت کے پروردہ۔ وہ بڑے رقیق اور نازک احساسات کے مالک والدین کے انتہائی فرمان بردار اور اپنی والدہ سے غیر معمولی محبت رکھنے والے تھے۔

باوجود اس کے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ابھی اپنی عمر کی 17 ویں بہار کا استقبال کر رہے تھے، اپنے وجود میں پختہ عمر والوں کی سی بردباری و دانش مندی اور بوڑھوں جیسی توانائی و دُور اندیشی سمیٹے ہوئے تھے۔ ان کو بچگانہ کھیلوں سے کوئی رغبت نہیں تھی جن سے ان کے ہم سن نوجوان غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتے اور بڑے شوق سے حصہ لیتے تھے۔ اس کے برعکس وہ اپنی کوششیں صرف تیروں کی تیاری، کمانوں کی درستگی اور تیر اندازی کی مشق میں صرف کیا کرتے تھے۔ ان کی ان مصروفیات اور ان میں غیر معمولی انہماک دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ شاید وہ خود کو مستقبل میں کسی عظیم الشان کارنامے کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ وہ اپنی قوم کی اس بدعقیدگی اور زبوں حالی پر انتہائی بے چینی اور بے اطمینانی محسوس کر رہے تھے، جس میں وہ مبتلا تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا وہ کسی مضبوط، دُور اندیش اور مہربان ہاتھ کے منتظر ہیں جو غیب سے برآمد ہو کر لوگوں کو ان تاریکیوں سے نکال دے جن کے اندر وہ ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

ان حالات میں اللہ عز و جل کی مشیت نے ساری انسانیت کو اس مہربان اور کارساز ہاتھ سے نوازنا چاہا اور وہ ہاتھ تھا سرور کائنات محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

ہاتھ، جس کی مٹھی میں وہ ستارہ روشن تھا، وہ کوکب درخشاں تھا جس کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔ یعنی کتاب الٰہی قرآن عظیم۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق اور ہدایت کی اس پکار کے بلند ہوتے ہی کسی تاخیر کے بغیر لبیک کہی۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے مردوں میں ان کا تیسرا یا چوتھا نمبر تھا۔ بسا اوقات وہ بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہا کرتے تھے کہ ''سات روز تک میں اسلام کا تیسرا حصہ تھا''۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے پناہ مسرت حاصل ہوئی اس لئے کہ ان کے اندر شرافت و مردانگی کی ایسی علامت پائی جاتی تھی جو اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ عنقریب یہ ہلال بدر کامل بن کر آسمان شہرت پر جگمگائے گا اور حسب نسب کے لحاظ سے ان کو معاشرے میں جو بلند مرتبہ حاصل تھا وہ مکہ کے نوجوانوں کو اس بات پر ابھار رہا تھا کہ وہ بھی ان کے راستے کو اپنائیں اور خود کو ان کے سانچے میں ڈھالیں اور ان ساری باتوں کے علاوہ ان کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، کیونکہ ان کا تعلق بنو زہرہ سے تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اپنے اس رشتے پر فخر کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے سامنے سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

''یہ میرے ماموں ہیں۔ ایسا اگر کسی کا ماموں ہو تو مجھے دکھائے''۔

لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام کا معاملہ اتنی آسانی اور سہولت کے ساتھ نہیں گزر گیا بلکہ اس کی وجہ سے انہیں سخت آزمائش کے دور سے گزرنا پڑا۔ ہم یہ بات حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی پر چھوڑتے ہیں کہ اس انوکھی آزمائش کی تفصیلات سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔

''میرے قبول اسلام سے تین دن پہلے کی بات ہے، میں نے ایک رات خواب

دیکھا کہ میں تہ بہ تہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہوں اور اس اثنا میں کہ میں ان تاریکیوں سے باہر آنے کے لئے ان کی موجوں میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں، اچانک ایک چاند میرے سامنے نمودار ہوا۔ میں اس کی طرف چل پڑا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چند آدمی آگے آگے اسی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے دیکھا، وہ زید بن حارثہ، علی بن ابی طالب اور ابوبکر صدیق تھے، میں نے ان سے پوچھا۔

"آپ لوگ یہاں کب سے ہیں؟"

انہوں نے کہا "ہم ابھی آئے ہیں"۔

جب دن کو مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور پر اسلام کی دعوت تبلیغ کا کام کر رہے ہیں تو میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ مجھے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائے۔ میں فوراً ان کی تلاش میں نکل پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے جیاد کی گھاٹی میں ملے اور اس وقت عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔ ان تین آدمیوں کے سوا جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا، کوئی اور مجھ سے پہلے اسلام نہیں لایا تھا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دلچسپ داستان کے اگلے حصے سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میرے قبول اسلام کی خبر سنتے ہی میری ماں سخت ناراض ہوئی۔ میں ایک اطاعت شعار اور خدمت گزار لڑکا تھا۔ مجھے ان سے بے پناہ محبت تھی۔ اس نے اپنے انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سعد! یہ کیسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ جس نے تم کو تمہارے ماں باپ کے دین سے برگشتہ کر دیا ہے۔ خدا کی قسم، تم اپنے اس نئے دین کو ترک کر دو، ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ کر خود کو ہلاک کر لوں گی۔ اس وقت تمہارا سینہ شدت غم سے شق ہو جائے گا، ندامت و پشیمانی کے نارے اپنے کئے پر کف افسوس ملو گے اور لوگ تم کو ہمیشہ اس پر عار دلاتے رہیں گے"۔

میں نے کہا "ماں ایسا نہ کرو کیونکہ میں کسی بھی قیمت پر اپنے دین کو ترک نہیں

Marfat.com

کر سکتا"۔ لیکن وہ اپنی دھمکی پوری کرنے پر اڑ گئی اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ آخر کئی روز کی مسلسل فاقہ کشی کی وجہ سے اس کا جسم دبلا ہو گیا، ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور اعضا ڈھیلے پڑ گئے۔ میں تھوڑی دیر کے بعد اس کے پاس جا کر کہتا رہا کہ کچھ کھا لو، مگر وہ شدت سے انکار کرتی رہی اور قسم کھا کر کہتی تھی۔ یا تو تم اپنا دین چھوڑ دو ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ کر جان دے دوں گی۔

اس وقت میں نے اس سے کہا۔

"ماں! بے شک میں تیرے ساتھ شدید محبت رکھتا ہوں۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تیری محبت سے زیادہ ہے۔ تو یہ بات اچھی طرح سن لے۔ خدا کی قسم اگر تیری ہزار جانیں ہوں اور وہ سب ایک ایک کر کے تیرے اندر سے نکل جائیں تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا"۔

جب اس نے میرا اٹل فیصلہ سنا اور میرے استقلال کو دیکھا اور اس کو یقین ہو گیا کہ میں اپنے دین کو کسی حال میں چھوڑنے والا نہیں ہوں تو آخر وہ اپنی ضد سے باز آ گئی اور کھانے پر مجبور ہو گئی۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق اپنا یہ قول نازل فرمایا۔

"اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ"۔

آپ کا نام سعد، ابو اسحٰق کنیت، والد کا نام مالک اور ابو وقاص کنیت، والدہ کا نام حمنہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن نضر بن کنانہ القرشی زہری۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے خوف سے عموماً مکہ کی ویران و سنسان گھاٹیوں میں چھپ کر معبود حقیقی کی پرستش و عبادت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک گھاٹی میں چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصروف عبادت تھے۔ اتفاق سے کفار کی ایک جماعت ادھر آ نکلی، اور اسلام کا مذاق اڑانے لگی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بے بسی کی زندگی میں بھی جوش آ گیا اور اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس زور سے ماری کہ ایک کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اسلام کی حمایت

Marfat.com

میں یہ پہلی خونریزی تھی جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

مکہ میں جب کفار کے ظلم وستم سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا۔ اس حکم عام کی بنا پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کی راہ لی اور اپنے بھائی عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں فروکش ہوئے جنہوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی و طمانیت نصیب ہوئی۔ تاہم قریش مکہ کی حملہ آوری کا خطرہ موجود تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بینی کر کے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساٹھ یا اسی سواروں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ غرض دورہ کرتے ہوئے حجاز کے ساحلی علاقہ میں قریش کی ایک بڑی تعداد سے مڈبھیڑ ہوئی۔ چونکہ محض تجسس مقصود تھا، اس لئے کوئی جنگ پیش نہ آئی مگر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہاں تاب تھی، انہوں نے ایک تیر چلا ہی دیا۔ چنانچہ یہ اسلام کا پہلا تیر تھا جو راہ خدا میں چلایا گیا۔

دوسری دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر قیادت آٹھ مہاجرین کی ایک جماعت تجسس کے لئے روانہ ہوئی چنانچہ یہ مقام خرار تک گئے اور واپس آئے مگر کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اس کے بعد عبداللہ بن الجحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دشمن کی خبر گیری پر مامور ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن الجحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سربمہر فرمان دیا تھا کہ دو روز سفر کرنے کے بعد کھول کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں۔ انہوں نے حسب ہدایت دو روز کے بعد پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جو نخلستان ہے وہاں پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کا پتہ چلائیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو فرمان کا مضمون سنا کر کہا۔

Marfat.com

''میں کسی کو مجبور نہیں کرتا جس کو شہادت منظور ہو وہ ساتھ چلے ورنہ واپس جائے''۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام دوسرے ساتھیوں نے جوش کے ساتھ سمعاً وطاعتہً کہا لیکن کچھ دُور جانے کے بعد عتبہ بن رضوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اونٹ جو مشترکہ طور پر دونوں کی سواری میں تھا گم ہو گیا اور اس طرح وہ دونوں پیچھے رہ گئے۔

عبداللہ بن انجحش نے نخلستان میں پہنچ کر قریش کے ایک قافلہ سے جنگ کی اور مال غنیمت اور چند قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے، چونکہ یہ وہ مہینہ تھا جس میں رسماً جنگ ممنوع سمجھی جاتی تھی، اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔ مسلمانوں نے بھی عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی لیکن وحی الٰہی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف کر دیا۔

لوگ تم سے ماہ حرام کی نسبت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا (جائز ہے) کہہ دو اس میں لڑنا بڑا گناہ اور خدا کی راہ میں روکنا اور اس کا نہ ماننا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور اس کے اہل کو اس سے نکال دینا خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ کشت و خون سے زیادہ بُرا ہے۔

قریش فدیہ لے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے آئے لیکن اس وقت تک عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رضوان اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کچھ پتہ نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک یہ دونوں صحیح سلامت پہنچ نہ جائیں تمہارے قیدی رہا نہ ہوں گے۔ غرض جب یہ دونوں جانثار واپس آ گئے تو مشرکین چھوڑ دیئے گئے۔

جس روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے انتہائی خیر و برکت کا دن تھا۔ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بھائی حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو موقف اختیار کیا وہ بڑا قابل دید تھا۔

Marfat.com

حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ایک کم سن جوان تھے ان کی عمر حد بلوغت سے کچھ ہی متجاوز تھی۔ جنگ کے لئے روانگی سے قبل جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان مجاہدین کا جائزہ لے رہے تھے، حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ڈر سے آپ رضی اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے چھپنے کی کوشش کے باوجود وہ خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں آنے سے نہیں بچا سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور واپس کر دیا۔ واپسی کا حکم سن کر وہ رونے لگے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترس کھا کر ان کو جنگ میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

اجازت مل گئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش خوش ان کے پاس گئے اور اپنے ہاتھ سے ان کی کمر میں تلوار باندھی، پھر دونوں بھائی جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کرنے کے لئے روانہ ہوئے اور جب جنگ ختم ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خون شہادت میں لت پت میدان میں چھوڑ کر اللہ سے ان کے اجر کی امید لئے تنہا مدینہ واپس لوٹے۔

جنگ احد میں جب مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بکھر گئے، یہاں تک کہ اس وقت آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہ گئے تھے، جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈٹ کر اپنی کمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت اور حفاظت کرتے رہے۔ اس وقت ان کی کمان سے نکلا ہوا ہر تیر اپنے صحیح نشانے پر لگتا اور کسی نہ کسی کے لئے فرشتہ اجل ثابت ہوتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس شان سے تیر اندازی کرتے دیکھا تو یہ کہہ کر ان کو مزید تیر اندازی پر اکسایا۔

"تیر چلاؤ سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں"۔

معرکہ بدر سے مستقل جنگوں کی ابتدا ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی وقاص نے اس جنگ میں غیر معمولی شجاعت و جان بازی کے جوہر دکھائے اور سعید بن العاص سرخیل کفار کو تہ تیغ کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی ذوالکتفیہ نامی

Marfat.com

تلوار پسند آ گئی تھی۔ تلوار لئے ہوئے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے چونکہ اس وقت تک تقسیم غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادر عزیز حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس غرض غمگین وملول واپس آئے، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد سورۃ انفال نازل ہوئی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر تلوار لینے کی اجازت دے دی۔

3 ہجری میں غزوہ احد پیش آیا۔ گھاٹی کو قبل از حکم رسول چھوڑ دینے کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور ناگہانی حملہ کے باعث اکثر غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ثابت قدم اصحاب کی صف میں تھے جن کے پائے استقلال کو اخیر وقت تک لغزش نہ ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، اس لئے جب کفار کا نرغہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش کے تیر دیتے جاتے اور فرماتے: "اے سعد! تیر چلا میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں"

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے تیز و تند حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نشانہ بنانے کا حکم دیا، لیکن اس وقت ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیل ارشاد کے لئے ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہیں تھا ابن صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی کے ساتھ برہنہ ہو کر گر گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیر اندازی اور مشرک کی بدحواسی پر بے اختیار ہنس پڑے، یہاں تک کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔

اسی طرح طلحہ بن ابی طلحہ کے حلق میں تاک کر ایسا تیر مارا کہ زبان کتے کی طرح نکل پڑی اور وہ تڑپ کر واصل جہنم ہوا۔

غزوہ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں بھی شریک تھے پھر 10 ہجری میں سرور

Marfat.com

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد فرمایا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمرکاب تھے لیکن مکہ پہنچ کر سخت علیل ہو گئے، یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو زندگی سے مایوس ہو کر عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں مالدار آدمی ہوں لیکن ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں ہے۔ اس لئے اگر اجازت ہو تو اپنا دو ثلث مال کار خیر میں لگا دوں"۔

ارشاد ہوا "نہیں"۔

پھر عرض کی "دو ثلث نہیں تو نصف سہی"۔

حکم ہوا "نہیں صرف ایک ثلث اور یہ بھی بہت ہے تم اپنے وارثوں کو مالدار و تونگر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال نہ پھیلاتے پھریں۔ تم جو کچھ بھی خدا کی رضا جوئی کے لئے صرف کرو گے اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہو اس کا بھی ثواب پاؤ گے"۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ سے اس قدر محبت تھی، کہ مکہ میں مرنا بھی پسند نہ تھا۔ بیماری جس قدر طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر ان کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکبار دیکھ کر پوچھا "روتے کیوں ہو؟"

عرض کی "معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین کی خاک نصیب ہو گی، جس کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہمیشہ کے لئے ترک کر چکا تھا"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے تشفی دیتے ہوئے ان کے قلب پر ہاتھ رکھ کر تین دفعہ دعا فرمائی۔

"اے خدا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحت عطا کر! سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحت عطا کر"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے وہ اس مریض بستر مرگ کے لئے آب حیات ثابت ہوئے دعا قبول ہوئی اور وہ صحیح و تندرست ہوئے۔ ساتھ ہی یہ بشارت سنائی "اے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تم اس وقت تک نہ مرو گے جب تک تم سے ایک قوم کو نقصان اور دوسری قوم کو نفع نہ پہنچ لے"۔

یہ پیشین گوئی عجمی فتوحات کے ذریعہ پوری ہوئی، جن میں عجمی قوم نے آپ کے

Marfat.com

ہاتھوں سے نقصان اور عرب قوم نے فائدہ اٹھایا۔

مکہ سے واپس آنے کے بعد اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جمہور کا ساتھ دیا خلیفہ اوّل کے ہاتھ پر بلا توقف بیعت کر لی۔

خلیفہ اوّل نے سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعی حق کو لبیک کہا اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جانشین کر کے رحلت گزین عالم جاوداں ہوئے۔ اس وقت اندرونی مہمات کا فیصلہ ہو کر شام و عراق پر فوج کشی کی ابتدا ہو چکی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند نشین ہونے کے ساتھ ہی تمام عرب میں جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی اور ان حملوں کا انتظام زیادہ وسیع پیمانہ پر قائم کر دیا۔ خصوصاً عراق کی فوج کشی پر سب سے پہلے توجہ کی۔

اہل عرب اور ایرانیوں میں نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی، ایرانیوں نے بار بار عربوں کے اختلاف اور کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر تمام عرب کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ خصوصاً عراق کے عرب اور سرحدی علاقوں پر مستقل قبضہ جما لیا تھا، لیکن عرب بھی دب کر رہنے والے نہ تھے، جب موقع ملتا بغاوت کر دیتے تھے، چنانچہ پوران دخت کے زمانہ میں جب طوائف الملوکی کے باعث ایرانی حکومت کا نظام ابتر ہو گیا تو سرحدی قبائل کو پھر شورش کا موقع ملا اور مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی جمعیت فراہم کر کے عراق کی سرحد حیرہ اور ابلہ کی طرف غارت گری شروع کر دی۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ مثنیٰ نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ عراق پر حملہ آوری کی اجازت طلب کی۔

چونکہ عام عرب میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی اس لئے اس کے ایک وسیع خطہ کا کسی دوسری حکومت کے زیر اقتدار رہنا مذہبی اور قومی نقطہ نگاہ سے نہایت خطرناک تھا۔ اس بنا پر خلیفہ اوّل نے مثنیٰ کو اجازت دے دی اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف اللہ کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کیا۔ انہوں نے حملہ کر کے بہت سے سرحدی مقامات فتح کر لئے لیکن چونکہ دوسری طرف شام کی مہم بھی درپیش تھی اور وہاں

Marfat.com

کمک کی بہت زیادہ ضرورت تھی اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مثنیٰ کو اپنا جانشین بنا کے شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ لیکن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیف اللہ کا جانا تھا کہ عراق کی مہم دفعتاً سرد پڑ گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سند پر قدم رکھا تو پھر نئے سرے سے عراق کی مہم پر توجہ مبذول فرمائی اور حضرت ابوعبیدہؓ کو ایک فوج گراں کے ساتھ ابن طرف روانہ فرمایا انہوں نے ایرانیوں کو متفرق معرکوں میں شکست دے کر تمام متصل علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر صف آرائی کی، چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا اس لئے ایرانی سپہ سالار بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تو تم اس پار اتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شجاعت کے نشے میں خود دریا کے پار اتر کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کو افسوسناک شکست ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمک بھیج کر فوج کو ازسرنو مستحکم کر دیا اور مثنیٰ شیبانی کو سپہ سالار کی خدمت سپرد کر دی۔ انہوں نے معرکہ بویب اور دوسری جنگوں میں دشمن کو پے در پے شکستیں دے کر عراق کے ایک وسیع خطہ پر قبضہ کر لیا۔

ایرانیوں کو اب تک مسلمانوں کی جارحانہ قوتوں کا اندازہ نہ تھا، ان فتوحات نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ اراکین سلطنت نے حکومت کیانی کو محفوظ رکھنے کے لئے نئی تدبیریں اختیار کیں۔ پوران دخت نے جو ایک عورت تھی تخت سے اُتر کر خاندان کسریٰ کے اصلی وارث یزدگرد کو تخت نشین کیا اور تمام ملک میں اتحاد، اتفاق اور جوش و خروش کی آگ بھڑکا دی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بھی بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی اور مثنیٰ کو مجبوراً عرب کی سرزمین میں ہٹ آنا پڑا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان واقعات سے مطلع ہو کر تمام عرب میں پُرجوش اور جادو بیان خطیب پھیلا دیئے کہ وہ اپنی پُرتاثیر تقریروں سے قبائل عرب کو جنگ میں شریک ہونے کے لئے آمادہ کریں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دارالخلافت کی طرف جنگ آزما بہادروں کا ایک طوفان امڈ آیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہد صدیقی سے ہوازن کے عامل

Marfat.com

تھے۔ انہوں نے اپنے اثر سے ایک ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ہر ایک تیغ و تفنگ کا ماہر تھا۔ غرض فوج توقع سے زیادہ فراہم ہوگئی لیکن سب سے زیادہ دقت یہ تھی کہ اس عظیم الشان لشکر کی سربراہی کے لئے کوئی شخص موزوں نظر نہ آتا تھا۔

عوام کے اصرار سے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیار ہو گئے لیکن اہل الرائے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مانع ہوئے کہ آپ کا جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ لوگ اس گومگو میں تھے کہ دفعتہً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر کہا ''میں نے پالیا'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''کون؟'' بولے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام حاضرین اس انتخاب پر پھڑک اٹھے اور سب نے متفقہ طور پر تائید کی۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لشکر کو آراستہ کر کے منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے یہاں تین مہینے تک قیام رہا پھر وہاں سے چل کر مشراف میں خیمہ زن ہوئے۔ مثنیٰ مقام ذی قار میں آٹھ ہزار نبرد آزما سپاہیوں کے ساتھ ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن داعی اجل نے ملاقات کا موقع نہ دیا اور وہ اپنے بھائی کو سپہ سالار اعظم سے ملنے کی ہدایت کر کے راہی عالم جاوداں ہوئے۔ مثنیٰ نے حسب ہدایت مشراف میں آ کر ملاقات کی اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کئے۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوج کا باقاعدہ جائزہ لیا جو کم و بیش تیس ہزار تھی پھر میمنہ وغیرہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے اور مقام کا نقشہ فرد و گاہ ڈھنگ لشکر کا پھیلاؤ اور رسد کی کیفیت وغیرہ سے دربار خلافت کو مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ مشراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ پر اس طرح مورچے جمائیں کہ پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور سامنے دشمن کا ملک ہو، چنانچہ وہ یہاں سے روانہ ہو کر عذیب میں عجمیوں کے قلعوں پر قبضہ کرتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے۔

Marfat.com

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

وہ ان آٹھ خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔

وہ ان دس نیک بخت اشخاص میں سے ایک تھے جنہیں جنت کی بشارت سے نوازا گیا۔ وہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک تھے جنہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

وہ ان مخصوص علماء صحابہؓ میں سے ایک تھے جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتویٰ دینے کا مجاز قرار دیا گیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا نام عبد عمرو تھا۔ مگر قبول اسلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ تو یہ ہیں عبدالرحمٰن بن عوف۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارارقم میں داخل ہونے سے قبل اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کے صرف دو دن بعد مشرف بہ اسلام ہوئے اور خدا کی راہ میں ابتلا و آزمائش کے سارے مراحل سے گزرے جن سے السابقون الاولون کو گزرنا پڑا تھا لیکن وہ آزمائشیں ان کے پائے ثبات کو ذرا بھی متزلزل نہ کر سکیں بلکہ وہ نہایت صدق و خلوص کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے اور دوسرے بہت سے اہل ایمان کی طرح وہ بھی اپنے دین کو کفار قریش سے بچانے اور آزادی کے ساتھ اس پر عمل کرنے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور بعد میں جب رسول اللہ اور آپ کے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم

ملا تو وہ مسلمانوں کے اس پہلے قافلے میں شامل تھے جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کا قصد کیا تھا۔

مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم کیا اور اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رشتہ اخوت میں منسلک کیا تو حضرت سعد بن ربیع نے ان سے کہا:

"میرے بھائی! میں مدینہ کا سب سے مالدار شخص ہوں میرے پاس اس وقت دو باغ اور دو بیویاں ہیں۔ تم دیکھ لو دونوں میں سے کون سا باغ تمہیں پسند ہے تاکہ میں اس سے تمہارے حق میں دست بردار ہو جاؤں اور دونوں میں سے کس عورت کو اپنے حبالۂ نکاح میں لینا چاہتے ہو تاکہ میں تمہارے لئے طلاق دے کر اس سے الگ ہو جاؤں"۔

جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انصاری بھائی سے کہا۔ "اللہ تعالیٰ آپ کو مال و دولت اور اہل و عیال میں برکت دے آپ صرف مدینہ کے بازار تک میری رہنمائی فرما دیں ..... چنانچہ حضرت سعدؓ بن ربیع نے ان کو بازار کا راستہ دکھا دیا اور انہوں نے وہیں سے اپنی تجارت کا آغاز کر دیا۔ وہ ضرورت کی چیزیں خریدتے بیچتے رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کاروبار میں انہیں نفع حاصل ہوتا رہا اور وہ اس میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہے اور کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے پاس اتنی رقم جمع ہو چکی تھی جس کا بطور مہر ادا کر کے وہ کسی عورت سے نکاح کر سکیں۔

نکاح کے بعد جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے کپڑوں پر شادی کے موقع پر استعمال کی ہوئی خوشبو کے اثرات اور اس کے داغ دھبوں کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عبدالرحمٰن یہ کیا ہے؟"

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے شادی کر لی ہے" انہوں نے

Marfat.com

عرض کیا۔

"بیوی کو مہر کیا دیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔

ایک نواۃ سونا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!" انہوں نے جواب دیا۔

"ولیمہ کرو چاہے ایک بکری ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت دے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں:

"اس کے بعد دنیا اپنی پوری برکات وفوائد کے ساتھ اس طرح میری طرف متوجہ ہوگئی اور میری تجارتی کامیابیوں کا حال یہ ہوگیا کہ اگر میں کسی پتھر کو اٹھاتا تو مجھے اس بات کی توقع ہوتی تھی کہ اس کے نیچے سے مجھے سونے یا چاندی کا کوئی ٹکڑا ملے گا"۔

غزوہ بدر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد فی سبیل اللہ کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے دشمن خدا عمیر بن عثمان کعبی کو اس کے کیفر کردار تک پہنچایا اور غزوہ احد کے موقع پر جب بہت سے لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کر لی تھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پائے استقلال میں جنبش تک نہیں ہوئی اور وہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ میدان کارزار میں ڈٹے رہے اور جب معرکہ جنگ سے سرخرو اور کامران واپس لوٹے تو ان کے جسم پر بیس سے زیادہ زخم آئے جن میں سے بعض اتنے گہرے تھے کہ ان میں آدمی کا ہاتھ چلا جاتا تھا۔

لیکن دیکھا جائے تو ان کا جہاد بالنفس ان کے جہاد بالمال کے سامنے ہیچ نظر آتا ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فوجی دستہ تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مالی تعاون کی اپیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں ایک فوجی دستہ بھیجنا چاہتا ہوں تم لوگ اس کے لئے مالی تعاون پیش کرو"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فی الفور اپنے گھر گئے اور بہ سرعت واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس چار ہزار کی رقم ہے۔ میں

اس میں سے دو ہزار روپے اپنے رب کو قرض دے رہا ہوں اور باقی دو ہزار اپنے اہل و عیال کے لئے چھوڑ دیا ہے"۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"جو کچھ تم نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اس میں تم کو برکت دے اور جو کچھ تم نے بچوں کے لئے چھوڑا ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ تم کو برکت سے نوازے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کا قصد فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری غزوہ تھا تو اس وقت جس طرح افرادی قوت کی ضرورت تھی مالی وسائل کی احتیاج اس سے کسی طرح کم نہیں تھی کیونکہ ایک طرف رومی فوج کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور وہ ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھی اور دوسری طرف مدینہ میں قحط کا زمانہ تھا۔ مسافت طویل اور سامان سفر قلیل تھا۔ خصوصاً سواریوں کی تو ایسی قلت تھی کہ بہت سے مسلمان ایسے تھے جو غزوہ میں شریک ہونا چاہتے تھے مگر ان کے پاس سواریاں نہیں تھیں۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت پُرسوز الفاظ میں بڑی حسرت کے ساتھ سواری کے لئے درخواست کرتے اور آپ سے عرض کرتے کہ ہم کو بھی اپنے ساتھ لے لیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو صرف اس وجہ سے واپس کر دیتے کہ آپ کے پاس زائد سواریاں نہیں تھیں جو ان کو دیتے۔ لہٰذا مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر شریک جہاد ہونے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ان لوگوں کے نام "بکائین" اور اس لشکر کا نام "جیش العسرۃ" پڑ گیا۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اللہ سے اجر و ثواب پانے کی نیت سے اس کی راہ میں مال خرچ کریں۔ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اپیل پر لبیک کہنے کے لئے تیزی سے لپکے۔ خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان معاونین کی صف اوّل میں شامل تھے۔ انہوں نے دو سو اوقیہ کی خطیر رقم بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن عوف ایسا کر کے ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے اور جب

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم نے بچوں کے لئے کچھ چھوڑا ہے تو جواب دیا ہاں میں نے ان کے لئے جو کچھ چھوڑا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے جو میں نے خرچ کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ سوال کیا۔

"کتنا؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"خیر اور اجر کا وہ وعدہ برحق جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے"۔

لشکر تبوک روانہ ہوا۔ قیام تبوک کے دوران اللہ عز وجل نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو ایک ایسے شرف سے نوازا جو تمام مسلمانوں میں سے صرف انہیں کے لئے مخصوص تھا۔ ہوا یہ کہ نماز کا وقت ہو گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت موجود نہیں تھے۔ آخر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی امامت میں نماز کھڑی ہو گئی۔ ابھی پہلی رکعت ختم نہیں ہوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور نمازیوں کے ساتھ شامل ہوئے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا فرمائی۔

کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی فضل و شرف کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص سرور عالم امام الانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے شرف سے مشرف ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف امہات المومنین کی ذاتی ضروریات اور ان کے نجی کاموں کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ وہ ان کی تمام حاجتیں پوری کرتے۔ جب وہ سفر میں نکلتیں تو یہ ان کے ہمرکاب ہوتے۔ جب وہ لوگ حج کے لئے جاتیں تو یہ ان کے ہمراہ ہوتے۔ ان کے کجاؤں پر قیمتی پردوں کا نظم کرتے اور ان کی پسندیدہ جگہوں پر ان کے قیام کا بندوبست کرتے تھے۔ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دل و جان سے خدمت کرنا اور ان کے نزدیک پورے طور پر ان کا قابل اعتماد ہونا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی وہ خصوصیت ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر و ناز کریں کم ہے۔

عامۃ المسلمین اور امہات المومنین کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حسن

Marfat.com

سلوک کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہوں نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار درہم میں فروخت کی اور وہ ساری رقم انہوں نے بنو زہرہ کے ضرورت مند مسلمانوں مہاجرین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج میں تقسیم کر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی جو دعا فرمائی تھی وہ زندگی بھر ان کے اوپر سایہ فگن رہی۔ یہاں تک کہ وہ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہو گئے۔ ان کا تجارتی کاروبار برابر ترقی کرتا اور اس کا دائرہ لگاتار وسعت اختیار کرتا رہا۔ ان کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا جو دوسرے شہروں سے اہل مدینہ کے لئے گیہوں، آٹا، کپڑے، برتن اور خوشبو وغیرہ اشیائے ضرورت لے کر مدینے پہنچتے اور وہاں کی پیداوار کا وہ فاضل حصہ دوسرے علاقوں میں لے جاتے تھے جو ان کی ضرورت سے بچ رہتا۔

ایک بار ان کا ایک تجارتی قافلہ جو سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا مدینہ پہنچا۔ جی ہاں وہ قافلہ سات سو اونٹوں پر مشتمل تھا جن کی پیٹھوں پر خوراک کے ذخیرے ضروریات زندگی کے سامان اور وہ تمام چیزیں لدی ہوئی تھیں جن کی ضرورت لوگوں کو اکثر پڑتی ہے۔ جیسے ہی وہ قافلہ مدینے میں داخل ہوا پوری زمین ہل گئی۔ گلیاں گونج اٹھیں اور ہر طرف چیخ و پکار اور شور و غل سنائی دینے لگا۔ شور سن کر حضرت عائشہؓ نے پوچھا یہ کیسا ہنگامہ ہے؟ جب ان کو بتایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا سات سو اونٹوں پر مشتمل ایک تجارتی قافلہ گندم، آٹا، سامان خوراک لے کر پہنچا ہے تو انہوں نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں جو کچھ دیا ہے اس میں برکت دے۔ یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھسٹتے ہوئے جنت میں جائیں گے''۔

اونٹوں کے بیٹھنے سے پہلے کسی نے ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچاتے ہوئے ان کو جنت کی خوش خبری سنائی۔ یہ مژدہ جان فزا سنتے ہی وہ اڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دریافت کیا۔

Marfat.com

''اماں! کیا خود آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا؟''
تو انہوں نے فرمایا: ''ہاں''۔

یہ سن کر وہ بے حد خوش ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کر کے بولے ''اماں جان! اگر ہو سکا تو میں کھڑا ہو کر جنت میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا۔ میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ پورا قافلہ اس کے اوپر لدے ہوئے سامانوں اس کے کجاؤں اور ٹاٹوں سمیت اللہ کی راہ میں دے رہا ہوں''۔

اس روشن تابناک اور مبارک دن سے ..... جس دن سے ان کو دخول جنت کی خوش خبری دی گئی تھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال کمانے اور اسے خدا کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی طرف غیر معمولی شوق اور جذبے کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ اب وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے خفیہ اور اعلانیہ دائیں اور بائیں ہر طرف مال خرچ کرنے لگے۔ انہوں نے چالیس ہزار درہم صدقہ کے طور پر دیے۔ پھر دو سو اوقیہ سونا خیرات کیا۔ پھر مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے پانچ سو گھوڑے اور دوسرے مجاہدین کے لئے ڈیڑھ ہزار اونٹ فراہم کئے اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے غلاموں اور لونڈیوں کی ایک بڑی تعداد کو غلامی کے بندھن سے آزاد کر دیا اور اس وقت اصحاب بدر میں سے جتنے صحابہ کرامؓ زندہ تھے ان میں سے ہر ایک کیلئے چار چار سو دینار کی وصیت کی۔ چنانچہ ان حضرات نے وصیت کے مطابق وہ رقم لے لی۔ اس وقت ان کی تعداد ایک سو تھی اور انہوں نے امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سے ہر ایک کے لئے کثیر رقم کی وصیت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اکثر ان کے لئے دعا کرتے ہوئے فرماتی تھیں۔

''اللہ تعالیٰ ان کو چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے''۔

انہوں نے اپنے ورثا کے لئے اس قدر مال چھوڑا کہ اعداد ان کا شمار کرنے سے قاصر ہیں۔ انہوں نے ایک ہزار اونٹ سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔ وفات کے وقت موجود ان کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو کل ترکے کا 1/32 ملا جس کی مالیت اسی ہزار تھی۔ انہوں نے سونے اور چاندی کے جو ڈھیر ترکے میں چھوڑے تھے انہیں

وارثوں کے درمیان تقسیم کرنے کے لئے کلہاڑیوں سے کاٹنا پڑا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔

یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی وجہ سے تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال میں برکت کے لئے کی تھی لیکن یہ مال نہ تو ان کو کسی قسم کے مالی فتنے میں مبتلا کر سکا نہ ان کے رویے میں کسی تبدیلی کا سبب بن سکا لوگ جب ان کو ان کے غلاموں کے درمیان دیکھتے تو ان کے اور غلاموں کے درمیان تمیز نہیں کر پاتے تھے۔ ایک دن ان کے سامنے کھانا لایا گیا۔ اس روز وہ روزے سے تھے تو انہوں نے کھانے کو دیکھ کر بڑی حسرت کے ساتھ کہا۔

جب مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کئے گئے اور وہ مجھ سے بہت بہتر تھے تو ان کو کفن دینے کے لئے ہم لوگوں کو صرف اتنا کپڑا میسر آسکا کہ جب اس سے ان کا سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور جب پاؤں کو چھپایا جاتا تو سر کھلا رہ جاتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو غیر معمولی خوش حالی اور فراخی سے نوازا۔ مجھے تو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہمارے اعمال کا بدلہ دنیا میں نہ دے دیا گیا ہو۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگے اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی خیر و سعادت سے معمور اور انتہائی قابل رشک تھی۔

آخری آرام گاہ تک لے جاتے ہوئے ان کے جنازے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کندھا دیا۔

ان کی نماز جنازہ ذوالنورین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور ان کے جنازے کی مشایعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی اور ان الفاظ میں ان سے اپنی عقیدت کا اظہار فرمایا۔

"آپ نے دنیا میں سے اس کے عمدہ حصے کو اپنایا اور اس کے خراب حصے کو چھوڑ کر گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے"۔

Marfat.com

حضرت زبیر بن عوامؓ

چھوٹا سا بچہ ایک جوان آدمی سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس نے نوجوان کو ایسی ضرب لگائی کہ اس شخص کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے اس بچے کی ماں سے شکایت کی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ سوال کیا ''تم نے زبیر کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل؟''

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی شجاع اور شیر دل خاتون تھیں۔ وہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سخت محنت اور مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زدوکوب سے بھی گریز نہیں کرتیں تھیں۔ نوفل بن خویلد ایک دن بھتیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹتا دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سختی سے روکا کہ اس طرح تم بچے کو مار ڈالو گی۔ انہوں نے بنو ہاشم سے بھی کہا کہ وہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بچے پر سختی سے روکیں۔ جب اس بات کا چرچا عام ہوا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں کے سامنے رجز پڑھی جس کا مطلب تھا ''میں اس (زبیر) سے بغض رکھتی ہوں۔ اس نے غلط کہا، میں اس کو اس لئے پیٹتی ہوں کہ عقلمند ہو اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے''۔

ایک دن مکہ میں ایک وحشت اثر خبر پھیل گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے اور کچھ کا کہنا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔ بنو ہاشم سخت غیظ و غضب کے عالم میں تھے۔ ابھی کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ نوعمر زبیر کے کانوں میں بھی اس خبر کی بھنک پڑ گئی۔

اس سولہ سالہ کشیدہ قامت اور قوی الجثہ نوجوان کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے والہانہ محبت تھی، یہ خبر سنتے ہی تڑپ کر اٹھا۔ کھونٹی سے تلوار اتار کر اس کا نیام زمین پر پٹخ دیا اور شمشیر بکف مکہ کی گلیوں میں کود گیا۔

اس کا رُخ مکہ کے بالائی حصے میں واقع سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس کی جانب تھا۔ اس وقت جوش غضب سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ وہ نہایت تیزی سے گلیاں طے کر رہا تھا۔ جلد ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ مبارک پر پہنچ گیا اور یہ دیکھ کر مسرت کی انتہا نہ رہی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خیر و عافیت کے ساتھ وہاں رونق افروز ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شمشیر بکف نوجوان کو دیکھ کر متبسم ہو گئے اور فرمایا ''زبیر! خیر تو ہے اس وقت تم شمشیر برہنہ سونت کر کیسے آ رہے ہو؟''

زبیر نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، میں نے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے ہیں''۔

ارشاد ہوا! ''اچھا تو یہ بات ہے اور اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟''

زبیر نے بے ساختہ عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم میں اہل مکہ سے لڑ مرتا''۔ اس کا جواب سن کر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جذبہ فدویت کی تحسین فرمائی اور اس کے حق میں دعائے خیر کی بلکہ اس کی تلوار کو بھی دعا دی کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہ حق اور رسول برحق کی حمایت میں بلند ہوئی۔

سیدنا حضرت ابو عبداللہ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العوام تاریخ اسلام کی ایک عظیم الشان شخصیت ہیں۔ ان کو بارگاہ نبوت سے ''حواری رسول'' کا لقب عطا ہوا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے انہیں جنت کی بشارت دی۔ اس طرح وہ اصحاب عشرہ مبشرہ میں شمار ہوئے۔ ان کی جلالت قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں ارکان دین میں سے ایک رکن قرار دیا کرتے تھے۔

Marfat.com

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے تھے جس پر آفتاب اسلام کی شعاعیں دعوت حق کی ابتدا ہی میں پڑنے لگی تھیں۔ ان کی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسلام کی خاتون اوّل تھیں۔ والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آغاز عہد نبوت میں مشرف بہ ایمان ہو گئی تھیں اور انہوں نے بااختلاف روایت آٹھ بارہ یا سولہ برس کی عمر میں ہی دعوت حق پر لبیک کہا۔ سابقون اولون میں وہ ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ جب تک وہ اسلام نہیں لائے تھے اپنے چچا کی شفقتوں کا مرجع تھے لیکن جونہی انہوں نے دعوت حق قبول کی چچا کا رویہ بدل گیا اور اس نے ان پر سخت مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ وہ اپنے بھتیجے کو چٹائی میں لپیٹ دیتے، آگ سلگا کر اس کی دھونی دیتے اور کہتے کہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آ۔ لیکن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر بار یہی کہتے، ''ہرگز نہیں ہرگز نہیں اب میں کبھی کافر نہ ہوں گا''۔

جب چچا کی ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر حبش کی ہجرت اختیار کی۔ کچھ عرصہ وہاں گزار کر مکہ واپس آ گئے اور تجارت کا شغل اختیار کیا۔ کچھ مدت بعد خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ اس وقت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شام سے مکہ کی طرف واپس آ رہے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ حسن اتفاق سے راستہ میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے شرف نیاز حاصل ہو گیا۔ اس موقع پر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کچھ سفید کپڑے ہدیۃً پیش کئے اور پھر مکہ تشریف لے گئے۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہوں نے اپنی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بیوی حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت کی اور کچھ مدت قبا میں قیام پذیر رہے۔ وہیں ایک ہجری میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضرت ابوعبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک

Marfat.com

کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی اس لئے یہود مدینہ نے مشہور کر رکھا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور ان کا سلسلہ نسل منقطع کر دیا ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے فرط انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ مسلمانوں کو زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اس ولادت باسعادت نے یہودیوں کے دجل و تلبیس کا پردہ چاک کر دیا تھا۔

قیام مدینہ کے ابتدائی چند سالوں میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معاش کا انحصار زراعت پر رہا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو نضیر میں ایک نخلستان اور ایک دوسری جگہ کچھ زمین عطا فرمائی تھی۔ ان کی آمدنی واجبی سی تھی اس لئے بڑی تنگ دستی سے گزر ہوتی تھی۔ بعد میں انہوں نے زراعت کے ساتھ تجارت بھی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت دی اور وہ نہایت آسودہ حال ہو گئے۔

ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر معرکے میں کمال درجے کی استقامت اور بے جگری سے داد شجاعت دی۔ کئی موقعوں پر خود ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت اور جذبہ فدویت کی برملا تعریف و تحسین فرمائی۔ حق و باطل کا معرکہ اوّل بدر کے میدان میں برپا ہوا تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شمشیر دشمن کی صفوں پر برق بے اماں بن کر گری اور انہیں درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ جدھر جھک پڑتے دشمن کا دل کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ اس دن ان کے سر پر زرد عمامہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس پر پڑی تو فرمایا: ''آج مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ بھی زرد عمامے باندھ کر آسمان سے اترے ہیں''۔ حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عین ہنگامہ کارزار میں جنگجو مشرک ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر للکارا۔

''کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا

''کیا تو اس کے مقابلہ کے لئے جاتا ہے؟''

Marfat.com

انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں"۔

اسی اثناء میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی جو قریب ہی بیٹھے تھے اور جوش غضب سے کسمسا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابن صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو جاؤ اور اس مشرک کے مقابلے پر جاؤ"۔

حضرت زبیر تیر کی طرح اس پر جھپٹے اور اس سے گتھم گتھا ہو گئے۔ دونوں بڑے شہ زور تھے اور ایک دوسرے کو ٹیلے سے گرانے کی کوشش کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں میں سے جو پہلے گرے گا وہ مارا جائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دعا فرمائی۔ چند ہی لمحے بعد دونوں لڑھکتے ہوئے نیچے اس طرح گرے کہ مشرک نیچے تھا اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے اوپر۔ پلک جھپکتے کی دیر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تلوار سے مشرک کی گردن اڑا دی۔

اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ قریش کے نامی بہادر عبیدہ بن سعید بن عاص سے ہوا۔ وہ سر تا پا لوہے میں غرق تھا۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اس نے للکار کر کہا "میں ہوں ابو ذات الکرش"۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی برچھی سے اس پر حملہ کیا اور تاک کر اس کی آنکھ میں برچھی ماری جس سے وہ مر گیا۔

جب حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو ذات الکرش کو ہلاک کر چکے تو اپنی برچھی کو اس کی لاش پر بائیں اڑا کر بڑی مشکل سے اس طرح نکالا کہ برچھی کا پھل مڑ گیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ برچھی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ سے مانگ لی اور تا وفات اپنے پاس رکھی۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو تلوار بدر کے میدان میں چمکی وہ بھی اس برچھی کی طرح یادگار بن گئی۔ آپ نے یہ تلوار اس طرح چلائی کہ اس میں دندانے پڑ گئے۔ اس تلوار میں چاندی کا کام تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد یہ

Marfat.com

تلواران کے جلیل القدر فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں آئی۔

غزوہ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلوار کے ایک یا دو زخم کاندھے پر آئے۔ ایک زخم اتنا شدید تھا کہ اس کے مندمل ہونے پر وہاں گڑھا سا بن گیا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ بچپن میں اس گڑھے میں اپنی انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا۔

غزوہ احد میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان چودہ ثابت قدم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے ایک تھے جو شروع سے اخیر تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنے رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ احد کے دن طلحہ ابی طلحہ مشرکین کا علمبردار تھا۔ اس نے میدان جنگ میں آکر مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف گئے اور جست لگا کر اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ پھر اس کو زمین کی طرف دھکیل کر اونٹ سے گرا دیا اور اپنی تلوار سے اس کو ذبح کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف فرمائی اور فرمایا: ''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اگر زبیر اس کے مقابلے کے لئے نہ نکلتا تو میں خود اس کے مقابلے پر جاتا''۔

اثنائے جنگ میں ایک موقع پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شمشیر مقدس بنیام سے کھینچی اور فرمایا: ''کون ہے جو آج اس کا حق ادا کرے''۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو دجانہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین مرتبہ اس خدمت کے لئے اپنے آپکو پیش کیا۔ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمائی، تاہم حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذبہ فدویت تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رہ گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد میں زخم لگے اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ کہیں وہ پلٹ نہ پڑیں۔ فرمایا: ''کون ان کے تعاقب میں

Marfat.com

جاتا ہے؟"

صحابہ میں سے ستر آدمی اس کام کے لئے آمادہ ہوئے ان میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔

غزوہ خندق کے موقع پر مشرکین کا ایک سیلاب عظیم مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر اس لشکر کا مقابلہ کیا۔ مشرکین کا محاصرہ تقریباً تین ہفتے جاری رہا۔

ایک دن نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی نے اپنی لشکرگاہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کو مقابلے کے لئے للکارا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھپٹ کر اس کے مدمقابل ہوئے اور اپنی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس موقع پر ان کی تلوار میں ایک دندانہ پڑ گیا۔ نوفل کو جہنم واصل کرنے کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ رجز پڑھتے ہوئے واپس ہوئے۔

"میں وہ شخص ہوں جو اپنی بھی حفاظت کرتا ہوں اور نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کرتا ہوں"۔

یہود بنی قریظہ اور مسلمانوں میں باہم خیر سگالی کا معاہدہ تھا لیکن جنگ خندق کے موقع پر یہودیوں کی نیت بدل گئی اور وہ مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کے منصوبے بنانے لگے۔ اہل حق کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان غداروں کے فاسد عزائم کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا: کون بنی قریظہ کی خبر لاتا ہے؟

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر عرض کی: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاتا ہوں"۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اپنے الفاظ دہرائے اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے آپ کو اس پُرخطر کام کے لئے پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جذبہ فدویت سے بہت خوش ہوئے۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت

ہے: ''غزوہ احزاب میں عمر بن ابی سلمہ اور میں عورتوں کے ساتھ کر دیئے گئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ زبیر گھوڑے پر سوار دو یا تین مرتبہ بنی قریظہ کی طرف گئے اور واپس آئے۔ جب (شام کو) میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا، ابا جان میں نے آپ کو، بنی قریظہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا''۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''بیٹا تم نے مجھے دیکھا تھا؟''

میں نے کہا: ''ہاں''۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کون بنو قریظہ کی خبر لاتا ہے۔ میں گیا جب واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں''۔

اکثر اہل سیرت کا بیان ہے کہ ''فداک ابی وامی'' کے الفاظ لسان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العوام اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی وقاص کے سوا کسی اور کے لئے نہیں نکلے۔

غزوہ احزاب کے فوراً بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ بنی قریظہ میں شریک ہوئے اور پھر ذیقعد 6ھ میں بیعت رضوان کا عظیم شرف حاصل کیا۔ اواخر 6ھ یا شروع 7ھ میں خیبر کی جنگ پیش آئی تو اس میں بھی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال درجے کی جانبازی اور سرفروشی کا مظاہرہ کیا۔ جب رئیس خیبر مرحب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا قوی ہیکل اور جنگجو بھائی یاسر غضب ناک ہو کر میدان میں آیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلے کے لئے بڑھے ان کا قد و قامت یاسر کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ آج یاسر کے ہاتھ سے نہیں بچیں گے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینے سے آئی تھیں۔ انہوں نے بے قرار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جگر گوشہ شہید ہو گا''۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں انشاء اللہ وہ دشمن پر غالب آئے گا''۔ چنانچہ تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یاسر کو قتل کر دیا۔

Marfat.com

8ھ میں جب دس ہزار ''قدوسیوں'' کا لشکر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوا تو اس میں
پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ امتیاز حاصل ہوا کہ وہ مہاجرین کے علمبردار
ہوئے اور خاص علم نبوی انہیں تفویض کیا گیا۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر
اللہ تعالیٰ عنہ سے فتح مکہ کے بارے میں روایت ہے کہ: ''ایک فوج آئی جس کی تعد
دوسرے تمام دستوں سے کم تھی۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب تھے
علم نبوی زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العوام کے پاس تھا''۔

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے آخری
سب سے چھوٹے دستے میں تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی دستے میں ر
افروز تھے۔ مؤرخ ابن سعد کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب ہر طرف امن وسکون ہو
تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الاسود کندی
گھوڑوں پر سوار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اس موقع پر انہیں یہ عظیم سعادت نصیب
ہوئی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گرد صاف کی۔

11ھ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت زبیر
اللہ تعالیٰ عنہ پر کوہ الم ٹوٹ پڑا اور انہوں نے شکستہ دل ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ دو
سال انہوں نے نہایت خاموشی سے گزارے، لیکن فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
عہد خلافت میں ان کے خون نے جوش مارا اور وہ اپنے کم سن فرزند عبداللہ کو ساتھ لے
جہاد فی سبیل اللہ کے لئے شام پہنچ گئے۔

اس وقت شام کی فیصلہ کن جنگ یرموک کے میدان میں لڑی جا رہی تھی۔ حضرت
زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جنگ میں حیرت انگیز جرأت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔

صحیح بخاری میں ان کے فرزند عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب
رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ یرموک میں زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''آپ
شدت کیوں نہیں کرتے تاکہ ہم بھی شدت کریں''۔

انہوں نے کہا ''اگر میں شدت کروں گا تو تم جھوٹے ثابت ہو گے'' (یعنی
ساتھ نہ دے سکو گے)۔

Marfat.com

لوگوں نے کہا ''ایسا نہیں ہوسکتا''۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفار پر (ایک شدید) حملہ کیا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے آگے نکل گئے لیکن ان کا ساتھ کوئی مسلمان نہ دے سکا۔ جب واپس آنے لگے تو کفار نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور ان کے کندھے پر دو زخم لگائے۔

فتح شام کے بعد مجاہدین اسلام نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں مصر پر چڑھائی کی اور وہاں کے مشہور شہر فسطاط کا محاصرہ کرلیا چونکہ فسطاط کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور مجاہدین کی تعداد بہت قلیل تھی اس لئے حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین سے مدد مانگ بھیجی۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار ہزار فوج حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن العوام، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن صامت، حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اسود کندی اور حضرت مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مخلد کی سرکردگی میں روانہ کی اور حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ ''ان میں سے ہر افسر ایک ہزار سوار کے برابر ہے اس لئے اس فوج کو آٹھ ہزار سمجھنا''۔

مصریوں کا دفاع اس قدر مضبوط تھا کہ اس فوج کے پہنچنے کے باوجود قلعہ سات ماہ تک فتح ہونے میں نہ آیا۔ ایک دن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت جوش آیا اور وہ سیڑھی لگا کر شمشیر بدست قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے۔ چند اور مجاہدین نے بھی ان کا ساتھ دیا اور فصیل پر پہنچ کر ایک فلک شگاف نعرہ تکبیر بلند کیا۔ نیچے کی فوج نے بھی نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ عیسائی سراسیمہ ہو گئے اور اسی اثناء میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام اسلامی لشکر اندر گھس آیا۔ عیسائیوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور امان طلب کی۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فسطاط پر اسلامی علم لہرا دیا۔

فسطاط کی فتح کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سکندریہ کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا۔ سکندریہ کا قلعہ اپنے زبردست انتظامات کی وجہ سے ناقابل تسخیر متصور ہوتا تھا۔ اسلامی فوجیں مدت سے اس کا محاصرہ کئے پڑی تھیں۔ آخر ایک دن حضرت زبیر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ اور مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مخلد نے فوج کے چند مضبوط دستے اپنے ہمراہ لئے اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ دشمن کے لئے اطاعت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

23ھ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت پیا۔ آپؓ نے اپنی شہادت سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی وقاص کے نام مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان چھ بزرگوں سے آخر وقت راضی رہے تھے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ ان چھ میں سے ایک کو میرے بعد منصب خلافت پر فائز کیا جائے۔ ان سب نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حاکم بنایا۔ انہوں نے ہر شخص سے انفرادی رائے لینے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فیصلہ دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس انتخاب کو فوراً تسلیم کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش ہو گئے۔ لیکن عامۃ المسلمین میں ان کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدت نکسیر کی وجہ سے حج سے معذور ہو گئے تو لوگوں کے مطالبہ پر انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج اور اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس موقع پر انہوں نے قسم کھا کر لوگوں سے یہ بھی کہا کہ بے شک زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم لوگوں میں بہتر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے زیادہ محبوب تھے۔

35ھ میں مفسدین نے مدینہ منورہ پر اپنی حکومت قائم کر لی اور بارگاہ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ اس نازک موقع پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بڑے فرزند عبداللہ کو بارگاہ خلافت کی حفاظت پر مامور فرمایا۔ لیکن ایک دن باغی دوسری طرف سے دیوار پھلانگ کر کاشانہ خلافت میں داخل ہو گئے اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالنورین کو نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالا۔

Marfat.com

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر المومنین کی مظلومانہ شہادت سے سخت صدمہ ہوا۔ ادھر مفسدین کی شقاوت قلبی کا یہ عالم تھا کہ امیر المومنین کی تجہیز و تکفین کے بھی روادار نہ تھے۔ آخر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چند دوسرے مسلمانوں نے جان پر کھیل کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کی تجہیز و تکفین کی۔ پھر رات کے وقت پوشیدہ طور پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور مضافات مدینہ میں خش کوکب کے مقام پر سپرد خاک کر دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی المرتضیٰؓ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کے عہد خلافت کے اوائل) میں حالات و واقعات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ قصاص عثمان رضی اللہ تعالیٰ ہ کے سلسلے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں اصلاح کا علم بلند کر دیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ ام المومنین کے پُر جوش حامیوں میں تھے۔ مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق لڑائی کے آغاز سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی دنیا بدل گئی۔ وہ میدان جنگ سے کنارہ کش ہو کر بصرہ روانہ ہو گئے۔ ایک شخص عمرو بن جرموز نے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کا تعاقب کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بصرہ پہنچ کر اپنے غلاموں کو سامان و اسباب کے ساتھ روانہ ہونے کی ہدایت کی اور خود بصرہ کی آبادی سے دُور نکل آئے، اس وقت ابن جرموز گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب پہنچا اور پوچھا: ''ابو عبداللہ آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟''

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ''لوگ ایک دوسرے کا خون بہانے پر تلے ہوئے تھے''۔

ابن جرموز: ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور اب میں اس ہنگامے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانا چاہتا ہوں''۔

ابن جرموز نے کہا: ''تو چلئے میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں''۔

Marfat.com

کچھ دُور جانے کے بعد ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھنے کے لئے ٹھہر گئے۔ ابن جرموز نے کہا "میں بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا"۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میں تمہیں امان دیتا ہوں کیا تم بھی میرے حق میں ایسا ہی کرو گے؟"

ابن جرموز نے کہا: "یقیناً"۔

اس عہد و پیمان کے بعد دونوں گھوڑوں سے اتر کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جونہی سجدے میں گئے عمرو بن جرموز نے غداری کر کے ان کی گردن پر تلوار کا وار کیا اور حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس تن سے جدا کر دیا۔

شہادت کے وقت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر چونسٹھ برس کی تھی۔ اپنی جائے شہادت وادی السباع ہی میں دفن کئے گئے۔ حضرت زبیر نے اپنی زندگی میں مختلف اوقات میں سات شادیاں کیں۔ بوقت شہادت حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیچھے چار بیویاں نو لڑکے اور نو لڑکیاں چھوڑیں۔

سیدنا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فضائل و مناقب کے آسمان کے مہر و درخشندہ ہیں، ہر وہ شرف اور اعزاز جو دور رسالت کے کسی مسلمان کا طرہ افتخار ہو سکتا تھا انہیں حاصل ہوا۔ ان کے تقدم فی الدین کی یہ شان تھی کہ بارہ یا سولہ برس کی عمر میں اس وقت حق کو تھاما جب ایسا کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا، اسی پُر آشوب دور میں سب سے پہلے سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں تلوار بلند کی، راہ حق میں ہر قسم کے مصائب سہے، دو ہجرتوں کی سعادت حاصل کی۔ بدر سے تبوک تک ہر غزوے میں حیرت پامردی اور سرفروشی کا ثبوت دیا۔ راہ حق میں اتنے زخم کھائے کہ جسم کا کوئی ظاہری اور پوشیدہ حصہ ایسا نہ تھا جو زخموں کے نشان سے خالی ہو، حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان لقب حاصل کیا، بیعت رضوان سے سعادت اندوز ہوئے۔ لسان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی نوید پائی۔ جہاد شام و مصر میں عدیم المثال شجاعت و شہامت کا مظاہرہ کیا۔ جام شہادت پیا تو وہ بھی اس شان سے کہ سر سجدے میں اور زبان پر تکبیر۔

Marfat.com

حضرت سعید بن زیدؓ

غروب آفتاب کے قریب مکہ کی آبادی سے باہر گوشہ تنہائی میں ایک شخص بڑی درد بھری آواز میں باآواز بلند شعر پڑھ رہا تھا جس کا ترجمہ تھا:

میں نہ عزیٰ پر ایمان رکھتا ہوں نہ اس کی بیٹیوں پر اور نہ بنی طسم کے بتوں پر۔
جب خدائی کے کام تقسیم ہو گئے
تو میں ایک اللہ پر ایمان لاؤں یا ہزار خداؤں پر۔

شعر پڑھنے کے بعد وہ پاک شخص تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر اشعار پڑھنے لگا جن میں خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت و کبریائی کا ذکر تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

میں نے اس ذات کے آگے اپنا سر جھکایا
جس کے آگے صاف اور شیریں پانی والے بادلوں نے اپنی گردن جھکا دی
اور میں نے اپنا سر
اس کے آگے جھکا دیا جس کے آگے بھاری چٹانوں کو اٹھانے والی زمین نے سر جھکایا اس نے اس زمین کو بچھا دیا اور جب دیکھا کہ وہ پانی پر مضبوطی سے جم گئی ہے تو اس نے اس پر پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔

یہ عظیم ہستی زید تھے جن کا تعلق قریش کے نامور قبیلہ بنو عدی سے تھا۔ وہ عمرو بن نفیل کے فرزند اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے۔

کعب بن لوی پر ان کا نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ زید

Marfat.com

عقیدہ توحید میں بہت سخت تھے ان کو نہ صرف بت پرستی اور شرک سے اجتناب تھا بلکہ وہ بتوں پر کی ہوئی قربانی مردار اور خون کو بھی حرام سمجھتے انہیں کے متعلق رسول عربی صلی اللہ علیہو سلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ زید بن عمرو کی مغفرت فرمائے۔ اس پر رحم کرے۔ اس کی وفات دین ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی اور قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھے گا۔

بت پرستی اور رسوم جاہلیت کی اعلانیہ مذمت کرنا اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی طرف بلانا ایسا کام نہ تھا کہ قریش انہیں برداشت کر لیتے۔ وہ زید کے سخت دشمن ہو گئے اور ان کی ایذا رسانی پر کمر باندھ لی اس معاملہ میں ان کے چچا خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ انہوں نے زید کو اس قدر ستایا کہ وہ تنگ آ کر مکہ سے نکل گئے اور حرار میں مقیم ہو گئے تاہم کبھی کبھی چھپ چھپا کر کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آ جاتے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب میں دختر کشی کا عام رواج تھا۔ زید کو اس لرزہ خیز ظلم سے شدید نفرت تھی انکو جب کسی شقی القلب باپ کے ارادہ کا علم ہوتا تو فوراً اس کے پاس جاتے اور لڑکی کو اپنی سرپرستی میں لے لیتے اس طرح انہوں نے بیسیوں معصوم بچیوں کی جانیں بچائیں اور ان کے جوان ہونے تک کفالت کی۔ جب وہ جوان ہو جاتیں تو اس کے باپ سے کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو اس کو لے سکتے ہو ورنہ میرے پاس ہی رہنے دو میں اس کے اخراجات برداشت کروں گا۔

زید نے دین ابراہیمی کی تلاش میں شام موصل اور جزیرہ تک کا سفر کیا اور وہاں کے یہودی اور نصرانی علماء سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا کیونکہ ان لوگوں کے خیالات بھی مشرکین مکہ کے عقائد سے مشابہت رکھتے تھے اس پر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ''الٰہی تو گواہ رہیو کہ میں دین ابراہیم پر ہوں''۔ وہ یہ بھی کہتے تھے: ''اے اللہ اگر میں یہ جانتا کہ تیری عبادت کا کون سا طریقہ تجھے پسند ہے تو میں اسی طریقہ سے عبادت کرتا۔ پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر سجدہ کرتے''۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل کسی نے بلادلخم میں زید کو قتل کر ڈالا۔

زید کی زوجہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت بعجہ تھا جن کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ انہیں کے

Marfat.com

بطن سے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنم لیا تھا اور جب ہوش سنبھالا تو گھر میں ہمیشہ خدائے واحد اور دین ابراہیمی کا ذکر سنا۔ موحد باپ کی تربیت نے ان کے دل میں توحید سے گہرا لگاؤ پیدا کر دیا۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد جونہی دعوت حق کا آغاز فرمایا سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لپک کر آگے بڑھے اور دین حنیف کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ان سے پہلے صرف گنتی کے چند اصحاب سعادت اندوز اسلام ہوئے تھے۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خطاب تھیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی فطرت صالح سے نوازا تھا۔ اپنے شوہر کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہو گئیں اور یوں دونوں میاں بیوی اللہ کے ان پاکباز بندوں میں شامل ہو گئے (جنہیں حق تعالیٰ نے سابقون الاولون کا خطاب دے کر کھلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے) بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خطاب سے پہلے صرف چھبیس آدمی ایمان لائے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ستائیسویں مسلمان تھیں اور حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھائیسویں۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں میاں بیوی کو قرآن حکیم سے عشق تھا۔ وہ کلام الٰہی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الارت کو وقتاً فوقتاً اپنے گھر بلاتے رہتے تھے۔

حق کے نام لیواؤں کے لئے یہ سخت ابتلا کا دور تھا۔ مشرکین قریش اہل حق پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے میں شرافت اور انسانیت کی حدیں پھلانگ گئے تھے یہاں تک کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چند جانثاروں کے ہمراہ حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی الارقم کے گھر پناہ گزین ہو گئے تھے جو کوہ صفا کے دامن میں ایک وسیع اور محفوظ احاطہ تھا۔ اس وقت تک حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شجاع بھائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب رشتہ میں ابوجہل کے بھانجے ہوتے تھے۔ ان کی والدہ ابوجہل کی چچازاد بہن تھیں اور شجاعان قریش میں شمار ہوتے تھے۔ ابوجہل نے انہیں سخت اشتعال دلایا یہاں تک کہ وہ تلوار کھینچ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اس کام کو میں انجام دوں گا۔

Marfat.com

یہ کہہ کر شمشیر بدست حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے راستے میں ان کے قبیلہ کے ایک صاحب نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مل گئے وہ دولت ایمان سے بہریاب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیور دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے پوچھا:

''عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کدھر کا قصد ہے؟''

''بس آج اس شخص کا خاتمہ کرنے جاتا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالتا ہے''۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب نے جواب دیا۔

عمر! خدا کی قسم تمہارے نفس نے تم کو دھوکے میں ڈال دیا ہے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا بنو عبد مناف تمہیں زندہ چھوڑیں گے''۔

''مجھے کسی کا خوف نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی صابی ہو گئے ہو۔ کیوں نہ پہلے تمہارا ہی سر اڑا دوں''؟ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

''تم مجھ کو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے گھر والوں کی تو خبر لو''۔ حضرت نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''میرے کون سے گھر والے؟'' عمر رضی اللہ تعالیٰ نے حیرانگی سے پوچھا۔

تمہاری بہن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بہنوئی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سن کر سخت غصہ آیا۔ سیدھے سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید کے گھر پہنچے۔ اس وقت حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الارت بھی حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر موجود تھے اور دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلاوت قرآن کی آواز سنی تو ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا۔ دروازے پر زور سے دستک دی۔ تینوں پرستاران حق سمجھ گئے کہ یہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو گھر کے پچھلے حصے میں چلے گئے اور حضرت

Marfat.com

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کلام پاک کے اجزاء جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھولا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا: ''یہ کیسی گنگناہٹ تھی جو ابھی میں نے سنی ہے؟''

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا تم نے کچھ نہیں سنا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت غضب ناک ہو کر بولے: ''نہیں میں نے سنا ہے خدا کی قسم مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں بے دین ہو چکے ہو میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھاتا ہوں''۔

یہ کہہ کر وہ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لپٹ گئے ان کے لمبے بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شوہر کو پٹتے دیکھ کر بے تاب ہو گئیں اور بھائی کے ہاتھ سے انہیں چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوش غضب میں آ کر لکڑی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چہرے پر دے ماری جس سے وہ لہولہان ہو گئیں لیکن استقلال کا یہ عالم تھا کہ اسی حالت میں بولیں:

''ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار کر لی ہے تو جو کچھ کر سکتا ہے کر لے۔ اسلام کا نقش ہدایت ہمارے سینے سے کبھی نہیں مٹ سکتا''۔

خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبہوت ہو گئے ان کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا بولے:

''اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ''۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ''ہمیں ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے''۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا''۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اب کچھ امید بندھی کہ شاید ان پر کلام الٰہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا: ''ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے جب تک تم

Marfat.com

غسل کر کے بدن پاک نہ کرو اس کلام پاک کو نہیں چھو سکتے"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرآن کے اوراق لا کر سامنے رکھ دیئے۔ اس وقت سورۃ طٰہٰ ان کے سامنے آئی اسے ہی پڑھنا شروع کیا۔ ابھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی پڑھی تھی کہ جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ دل سے کفر و شرک کی ظلمت چھٹنے لگی۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے ان پر رقت طاری ہوتی جاتی تھی اور پھر بے اختیار کلمہ شہادت ان کے لبوں پر مچل گیا۔

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الارت جو اندر چھپے ہوئے تھے اب باہر نکل آئے اور مسرت بھرے لہجے میں کہا: "اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! مبارک ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمرو بن ہشام یا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت انکساری کے ساتھ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ مجھے جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازہ کھولنے میں تامل کیا، شیر خدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جوش آ گیا۔ انہوں نے تلوار سونت لی اور کہا: "عمر آتا ہے تو آئے اگر اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے تو خدا کی قسم اس کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔

اس پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دروازہ کھول دو"۔

حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "عمر کس نیت سے آئے ہو"۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلال نبوت سے کپکپا اٹھے، سر جھکا کر نہایت دھیمے لہجہ میں کہا: "اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے"۔

یہ الفاظ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرط مسرت سے بے خود ہو گئے، پھر اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہاجرین اوّلین کے ساتھ مدینے پہنچے اور حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر قیام کیا۔ ہجرت میں ان کہ اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ کچھ عرصہ بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک زرقی انصاری کا اسلامی بھائی بنایا۔

2 ہجری میں بدر کے میدان میں حق و باطل کا معرکہ پیش آیا تو حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید ان تین سو تیرہ نفوس قدسی میں سے ایک تھے جو اپنی بے سروسامانی کے باوجود کفر سے بھڑ گئے۔

بدر کے بعد دوسرے تمام غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ احد، خندق، خیبر، حنین اور طائف ہر معرکے میں انہوں نے کمال درجے کی سرفروشی اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ 6 ہجری میں بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر ایک دستہ فوج کے افسر تھے۔ غزوہ تبوک میں طویل سفر کی سختیاں ہنسی خوشی برداشت کیں۔ غرض قبول اسلام کے بعد کوئی شرف ایسا نہیں تھا جو انہیں حاصل نہ ہوا ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب ایران اور روم سے کشمکش کا آغاز ہوا تو حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام جانے والے لشکر میں ایک سرفروش کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ عہد صدیقی میں اجنادین کا ہولناک معرکہ پیش آیا، نوے ہزار رومی جنگجو ایک نامور سردار دردان کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے جن کی تعداد صرف بیس ہزار کے لگ بھگ تھی، جن میں حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ سر سے کفن باندھ کر لڑے اور اس کے بعد مسلمانوں نے دمشق کا رُخ کیا۔

اسی زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی اور

خلافت فاروقی کا آغاز ہوا۔ اس وقت دمشق کا محاصرہ جاری تھا۔ اثنائے محاصرہ میں ہرقل نے ایک بڑی فوج اہل دمشق کی مدد کے لئے روانہ کی۔ سپہ سالار اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فوج کی نقل وحرکت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو محاصرے پر چھوڑا اور باقی فوج کے ساتھ دمشق سے ایک منزل دُور رومیوں کی امدادی فوج کے مقابل ہوئے۔

اسلامی فوج کی صف بندی کرتے وقت انہوں نے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید کو رسالہ کا افسر مقرر کیا، رومی لشکر نے حملہ کر دیا تو سب سے پہلے مسلمانوں کا رسالہ اس کی زد میں آیا۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی جرأت اور استقامت کے ساتھ رومیوں کے پُرجوش حملے کو روکا۔ اس اثناء میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں کے میسرہ پر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میمنہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور اسلامی رسالہ ان کے دباؤ سے آزاد ہو گیا۔ اس وقت حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومیوں پر اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ ان کی تمام صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ اپنے سینکڑوں آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ لڑائی ''یوم مرج الصفر'' کے نام سے مشہور ہے۔ اسلامی لشکر مظفر و منصور واپس دمشق آ گیا اور تھوڑی ہی مدت کے بعد مسلمان قنسرین اور بعلبک کو مفتوح کر کے حمص کی طرف بڑھے جو شام کا ایک اہم شہر تھا اور جہاں رومیوں نے ایک زبردست لشکر جمع کر رکھا تھا۔ اس وقت شام کا ایک نامی جنگجو مریس، حمص کا حاکم تھا۔ اس نے پہلے تو شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن جب ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں نے اسے شکست دی تو وہ قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اس کو فتح کرنے کے لئے بار بار حملے کئے لیکن اہل حمص نے سخت مزاحمت کی اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ بالآخر مسلمانوں نے ایک جنگی منصوبہ بنایا اور اس کے مطابق تھوڑے سے سوار اور معمولی سامان پیچھے چھوڑ کر سارا لشکر دمشق کا محاصرہ اٹھا کر ایک منزل دُور چلا گیا۔

حاکم حمص مریس نے سمجھا کہ مسلمان بد دل اور مایوس ہو کر پسپا ہو گئے ہیں چنانچہ وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر قلعہ سے باہر نکلا اور مسلمانوں کی لشکر گاہ پر ہلہ بول

Marfat.com

دیا۔ مسلمان سواروں نے معمولی مقابلہ کیا اور پھر پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ رومیوں کے دل بڑھ گئے اور انہوں نے تیزی سے مسلمانوں کا پیچھا کیا۔ اس طرح مسلمانوں کی چال کامیاب ہوگئی۔ بڑی اسلامی فوج نے دمشق سے کافی دُور خفیہ مورچے قائم کر لئے تھے جونہی رومی لشکر اس کی زد میں آیا، مجاہدین اسلام ان پر برق بے اماں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ رومی جان توڑ کر لڑے لیکن جب حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سردار مرلیس کا کام تمام کر دیا تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔

حمص کی فتح کے بعد یرموک کی خونریز جنگ پیش آئی جس نے شام کی قسمت کا بڑی حد تک فیصلہ کر دیا۔ اس لڑائی میں حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج کے افسر تھے وہ ایسی شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ جہاد کا حق ادا کر دیا۔

علامہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ نے الفاروق میں لکھا ہے کہ اثنائے جنگ میں رومیوں نے اچانک مسلمانوں کے میسرہ پر حملہ کیا۔ ابتداء میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن افسر جمے رہے، انہیں میں حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے میں گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے، رومی ان کی طرف بڑھے تو وہ شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے دوسرے مجاہدوں کی جانبازی کا یہ نتیجہ ہوا کہ رومیوں کے بڑی دل کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اسی زمانے میں سپہ سالار اسلام حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الجراح نے سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا لیکن ان کے دل میں شوق جہاد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ انہوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الجراح کو لکھا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ تو جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں لہٰذا یہ خط پہنچتے ہی میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے۔ پھر دمشق کی امارت سے استعفیٰ دے کر میدان جہاد میں پہنچ گئے۔

فتح شام کے بعد حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ آ کر گوشہ نشین ہو گئے۔

23 ہجری میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجوسی فیروز لولوء کے ہاتھوں زخمی ہوئے تو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے گھر میں تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہیں بیٹھے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حضرت

Marfat.com

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے فرمایا: ''دیکھو میں نے کلالہ کے متعلق کچھ نہیں کہا اور کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، جو عرب اس وقت قید میں ہیں وہ سب آزاد ہیں''۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے ''اگر آپ کسی مسلمان کو خلیفہ نامزد کر دیں تو مسلمان آپ پر اعتماد کریں گے''۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''میں تو صرف ان چھ شخصوں کے اندر خلافت کو رکھوں گا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت تک راضی رہے اور جن میں بار خلافت اٹھانے کی صلاحیت بھی تھی''۔

آپ نے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید کو محض اس لئے خلافت کے لئے نامزد نہیں کیا کہ وہ ان کے اپنے خاندان بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے کسی صاحب کا تعلق بنو عدی سے نہیں تھا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن زید نے باقی تمام زندگی نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ گزاری۔ اس دوران میں ملکی سیاست میں کئی اتار چڑھاؤ آئے لیکن وہ ہر قسم کے ہنگاموں سے کنارہ کش رہے۔ تاہم 35 ہجری میں امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلومانہ شہید ہوئے تو وہ خاموش نہ رہ سکے اور ظالموں کی برملا مذمت کی۔ اس زمانہ میں وہ کوفہ میں مقیم تھے ان واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! خدا کی قسم میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے کے جرم میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تم نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں، اگر ان کی وجہ سے کوہ احد پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہے''۔

حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نواح مدینہ میں عقیق کے مقام پر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی جگہ انہوں نے تقریباً اسی سال کی عمر میں 52 ہجری میں جمعہ کے دن وفات پائی تاہم انہیں مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔

Marfat.com

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ

نام طلحہ، کنیت ابو محمد، والد کا نام عبید اللہ بن عثمان جبکہ والدہ کا نام صعبہؓ بنت عبداللہ بن مالک بن نضر تھا۔ حضرت طلحہؓ کے ایک لڑکے محمد تھے۔ انہی کے نام سے آپ کی کنیت ابو محمد ہوئی تھی۔ آپؓ اپنے والد کے ساتھ جنگ جمل میں شہید ہو گئے تھے۔

حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کے بیٹے حضرت موسیٰ بن طلحہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد محترم کو غزوۂ احد میں ''طلحۃ الخیر''، غزوۂ تبوک میں ''طلحۃ الفیاض'' اور غزوۂ حنین میں ''طلحۃ الجواد'' کا لقب عطا فرمایا تھا۔

ایک شخص حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہہ رہا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اس شخص کو منع کیا کہ میرے بھائیوں کی غیبت مت کرو۔ جب وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا تو آپؓ نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا مانگی: اے میرے رب! وہ باتیں جو یہ شخص کہہ رہا ہے اگر تیری مرضی کے خلاف ہیں تو میری آنکھوں کے سامنے اس پر بلا نازل فرما دے تا کہ لوگوں کو عبرت ہو۔ یہ ابھی اٹھے بھی نہ تھے کہ ایک اونٹنی مجمع کو چیرتی ہوئی آئی اور اس شخص کو تھوتنی سے پکڑ کر پیر رکھ کر مار ڈالا۔ یہ سبق تھا کہ پاک ہستیوں پر سب وشتم کے الفاظ استعمال کرنے والوں پر عذاب نازل ہوتا ہے۔

ایک دفعہ ایک اعرابی نے معلم کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ کے کیا معنی ہیں؟'' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ اس نے دوبارہ، سہ بارہ پھر عرض کی۔ رسول رحمت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اتنے میں حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ آ گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ سائل کہاں ہے جو مَنْ قَضٰی تَحَبَہٗ کے معنی دریافت کرتا تھا؟'' وہ شخص دوڑا ہوا آیا اور عرض کی ''یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں''۔ ہادیٔ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَنْ قَضٰی تَحَبَہٗ یہ شخص ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے والے شخص کو بتایا۔

حضرت طلحہؓ کی عمر کا سولہواں سال تھا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبی ہونے کا اعلان فرمایا اور خاص خاص لوگوں کو چپکے چپکے اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ سب سے پہلے اللہ کے چار نیک بندوں کو اسلام قبول کرنے کی عزت حاصل ہوئی یہ تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لانے کے بعد خود بھی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور قریش کے کئی بڑے بڑے لوگوں کو مسلمان بنا لیا۔ ان میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

خود حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا شروع کیا، میں اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں ملک شام کے شہر بصرہ گیا۔ وہاں ایک گرجے میں ایک عیسائی درویش کو دیکھا جو لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ آج کل مکہ سے بھی کوئی شخص یہاں آیا ہے؟ میں فوراً اس کے پاس گیا اور کہا کہ میں مکہ سے آیا ہوں۔ درویش نے پوچھا، کیا احمدؐ نبی ظاہر ہو چکے ہیں؟ میں نے کہا، کون احمدؐ؟ درویش نے کہا: ''احمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ ہماری کتابوں کے مطابق یہی ان کے ظاہر ہونے کا زمانہ ہے۔ وہ دنیا میں آخری نبی ہیں۔ تم واپس جا کر فوراً اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دینا۔

میں بصرہ سے مکہ واپس آیا اور لوگوں سے پوچھا کہ کیا میری غیر حاضری میں کوئی

Marfat.com

خاص واقعہ پیش آیا ہے؟

لوگوں نے مجھے بتایا کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) نے ان کا دین قبول کر لیا ہے۔

میں یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے؟

انہوں نے کہا: ''ہاں، وہ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ کے سچے دین کی طرف بلاتے ہیں، تم بھی ان کی دعوت قبول کر لو۔''

اب میں نے جو کچھ عیسائی درویش سے سنا تھا انہیں سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور (ایک دن) مجھے ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے آپؐ سے درخواست کی ''اے اللہ کے نبی! مجھے اپنے دین میں داخل کر لیں۔''

آپؐ نے میری درخواست قبول فرمالی اور میں ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے صرف سات آدمی اسلام لائے تھے لیکن سچی بات یہ ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے اسلام لانے والوں کی صحیح تعداد بتانا بہت مشکل ہے کیونکہ بہت سے لوگوں نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا۔ ہاں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اونچے رتبے والے نیک انسانوں میں شامل ہیں جو اسلام کی دعوت کے پہلے تین سالوں کے اندر اسلام لائے۔

مکہ کے کافروں کو اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ اس کے دشمن بن جاتے اور اس کو طرح طرح سے ستاتے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا اور بڑے بھائی عثمان بن عبیداللہ کو جب معلوم ہوا کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو ان کو سخت غصہ آیا۔ انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کو ایک رسی سے باندھ کر بہت پیٹا تاکہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں اور اپنے باپ دادا کے مذہب کی طرف لوٹ آئیں لیکن

Marfat.com

دونوں نے یہ مار پیٹ بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کی اور اسلام کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔

مکہ میں قریش کا ایک سردار نوفل بن خویلد تھا یہ شخص ''قریش کا شیر'' کہلاتا تھا۔ وہ مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ اس نے بھی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت سختی کی کہ وہ اسلام کو چھوڑ دیں لیکن دونوں چٹان کی طرح اپنے دین پر قائم رہے۔ آخر اس نے تھک ہار کر ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ صعبہ بھی شروع میں اسلام کے خلاف تھیں۔ ان کو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئیں۔ اسی زمانے میں مسعود بن خراش نامی ایک صاحب کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ باہر سے مکہ آئے وہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگا رہے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ بہت سے آدمی ایک نوجوان کو کھینچتے ہوئے لے جا رہے ہیں اور ایک عورت نوجوان کے پیچھے پیچھے غصے کی حالت میں جا رہی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس نوجوان کو کیوں گھسیٹا جا رہا ہے اور یہ عورت کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ نوجوان طلحہ بن عبیداللہ ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔ (یعنی انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے) اور یہ عورت اس کی ماں صعبہ بنت عبداللہ حضرمی ہے''۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے بھی اسلام سے پھیرنے کے لئے انؓ پر بہت سختی کی تھی لیکن بیٹے نے ان کی بات نہ مانی اور اسلام سے منہ موڑنا کسی صورت میں گوارا نہ کیا۔ اللہ کی شان بعد میں ان کی والدہ خود بھی ایمان لے آئیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی صحابیہ بننے کی عزت حاصل کی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر رشتہ دار اور قریش کے بعض دوسرے کافران پر کچھ عرصہ تک تو بہت ظلم ڈھاتے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کسی صورت میں بھی اپنے باپ دادا کے مذہب کی طرف نہیں لوٹیں گے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اب حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے کی طرح اپنے تجارتی کاروبار میں

Marfat.com

مشغول ہو گئے، ساتھ ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی باقاعدگی سے حاضر ہونے لگے۔ مکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھائی چارا اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرا دیا۔

نبوت کے تیرھویں سال رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ان دنوں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلے میں شام گئے ہوئے تھے۔ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ اِدھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا سفر شروع کیا اُدھر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ اور مدینہ کے راستے میں ان کی ملاقات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گئی۔ انہوں نے کچھ شامی کپڑے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ مدینہ کے لوگ بڑی بے تابی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔ پھر وہ اپنے قافلے کے ساتھ مکہ کی طرف اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ پہنچ کر چند دن کے اندر اندر اپنے کاروبار کو سمیٹ دیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس وقت ان کی والدہ حضرت صعبہؓ بھی اسلام لا چکی تھیں۔ جب سفر کی تیاری مکمل ہو گئی تو انہوں نے اپنی والدہ کو ساتھ لیا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت اسعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اپنا مہمان بنایا اور اس وقت تک اپنے پاس رکھا جب تک انہوں نے اپنا الگ مکان نہ بنا لیا۔ ہجرت کے بعد دوسرے مہاجرین کی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ ہی کو اپنا وطن بنا لیا۔

ہجرت کے چند ماہ بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو

Marfat.com

حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں جمع کیا اور ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ انصار نے یہ بھائی چارا سگے بھائیوں سے بڑھ کر نبھایا اور مہاجرین کی تمام ضرورتیں پوری کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی بنایا۔ وہ بڑے عالم اور بہت اونچے رتبے کے صحابی تھے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ کے دوسرے مسلمان اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر مدینہ آ گئے لیکن مکہ کے کافروں کا کلیجا ٹھنڈا نہ ہوا۔ ان کو اس بات کا بڑا دُکھ تھا کہ اب ان کے ظلم کا ہاتھ مسلمانوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ اب وہ مدینہ کے یہودیوں اور اسلام کے دشمن دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور شرارتیں کرنے لگے۔ اِدھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کی طرف سے کافروں کی شرارتوں کے جواب میں ان کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت مل گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستے اِدھر اُدھر بھیجنے لگے تا کہ مکہ والے کوئی شرارت نہ کر سکیں۔ ہجرت کے دوسرے سال رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا ہے۔ قریش نے یہ قافلہ اس خیال سے شام بھیجا تھا کہ وہاں سے اپنے سامان کے بدلے میں جو سامان اور منافع ملے اس سے لڑائی کی خوب تیاری کریں اور پھر مدینہ پر بھرپور حملہ کریں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے بُرے ارادوں کا علم تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثاروں کے ساتھ اس قافلے کو روکنے کے لیے نکلے۔ مکہ والوں کو خبر ملی تو ان کے ایک ہزار آدمی بڑے ساز و سامان کے ساتھ قافلے کی مدد کے لیے روانہ ہوئے۔ ادھر قافلہ مسلمانوں کے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اتنا دُور نکل گیا کہ پیچھا کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ قریش کے کافروں کی نیت خراب نہ ہوتی تو وہ قافلے کے بچ نکلنے کے بعد واپس مکہ چلے جاتے مگر وہ مدینہ کی طرف بڑھتے ہی چلے گئے۔

مدینہ منورہ سے تقریباً اسی پچاسی میل جنوب مغرب کی طرف بدر کے مقام پر کافروں اور مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا، ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ایک ہزار کافروں

Marfat.com

کے مقابلے میں مسلمان صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے اور ان کے پاس پورے ہتھیار بھی نہیں تھے لیکن وہ اللہ کے بھروسے پر اس شان سے لڑے کہ کافروں نے بُری طرح شکست کھائی۔ ان کے ستر آدمی لڑائی میں مارے گئے اور اتنے ہی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ مارے جانے والوں اور قیدیوں میں ان کے کئی بڑے بڑے سردار بھی شامل تھے۔ لڑائی سے پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں کی ٹوہ لینے کے لیے شام بھیجا تھا۔ جب وہ واپس آئے تو لڑائی ختم ہو چکی تھی مگر ان کو لڑائی میں شریک سمجھا گیا کیونکہ وہ کافروں کی خبریں لانے کے لیے بھیجے گئے تھے اور ایسا کام بھی لڑائی ہی کا حصہ ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کے مال سے انہیں بھی حصہ دیا اور یہ بھی فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی خالی نہیں رہو گے۔

شوال 3 ہجری میں اُحد کی لڑائی پیش آئی۔ اس میں تین ہزار کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو (۷۰۰) تھی لیکن ان کے جوش اور جذبے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ان سات سو جانبازوں میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ اس لڑائی میں انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی۔ زخموں سے چُور چُور ہو گئے لیکن پیچھے قدم نہیں ہٹایا، اسی لیے ان کو اس لڑائی کا خاص ہیرو یا مردِ میدان سمجھا گیا اور وہ ''صاحبِ اُحد'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان اس بہادری سے لڑے کہ کافروں کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمان غنیمت کا مال سمیٹنے میں مشغول ہو گئے۔ لڑائی سے پہلے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کے قریبی دَرّے پر پچاس (۵۰) تیر اندازوں کو اس ہدایت کے ساتھ مقرر فرمایا تھا کہ وہ کسی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں کیونکہ ڈر تھا کہ کافر کہیں اس دَرّے سے گزر کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر دیں۔ ان تیر اندازوں نے کافروں کو بھاگتے اور مسلمانوں کو غنیمت کا مال جمع کرتے دیکھا تو ان میں سے دس (۱۰) کے سوا باقی سب نے یہ سمجھ کر کہ ہمیں فتح ہو گئی ہے، اپنی جگہ چھوڑ دی اور میدان میں پہنچ کر غنیمت کا مال جمع کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر کافروں کے گھڑ سوار دستے نے پہاڑ کا چکر کاٹ

Marfat.com

کر اس دَرّے کے راستے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ وہ دس (۱۰) تیر انداز جنہوں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی، انہوں نے اس دستے کو روکنے کے لیے جان کی بازی لگا دی اور سب اسی کوشش میں ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ گھڑسوار دستے کے اچانک حملے سے مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی اور وہ ادھر اُدھر بکھر گئے۔ اس کے ساتھ ہی یہ غلط خبر مشہور ہو گئی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر مسلمانوں کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ کے لوگ تو صدمے سے نڈھال ہو کر وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے کہ اب لڑنے سے کیا حاصل۔ دوسرے گروہ کے لوگ تلواریں سونت کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جینے سے کیا حاصل۔ تیسرے گروہ میں وہ صحابہ تھے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حملوں سے بچا رہے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انہی بہادروں میں شامل تھے۔ کافر بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار سر دھڑ کی بازی لگا کر ان کو پیچھے دھکیل دیتے اور بعض اس کوشش میں اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے۔ تین چار موقعے ایسے آئے کہ کافروں نے بہت زور کے حملے کیے۔ ہر ایسے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی ہے جوان کو روکے؟ ہر بار حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں، لیکن کچھ دوسرے بہادر پہل کر گئے اور آگے بڑھ کر اپنی جانیں قربان کر دیں مگر کافروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ آنے دیا۔ پھر ایک ایسا موقع آیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا دوسرے تمام بہادر کافروں کے گھیرے میں آ گئے۔ اب صرف حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہ گئے۔ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت خطرے میں دیکھ کر انہوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اپنے جیتے جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ اب وہ آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے آنے والے تیروں تلواروں نیزوں اور پتھروں کو اپنے جسم پر روکنے لگے۔ خون میں نہا گئے اور بیسیوں زخموں نے جسم کو چھلنی کر دیا لیکن رسول

Marfat.com

پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنے کی تڑپ نے ان کے اندر ایسی طاقت بھر دی تھی جو انہیں گرنے نہیں دیتی تھی اور وہ برابر تلوار چلائے جا رہے تھے۔ غرض وہ بہت دیر تک اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا فرض ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ کچھ دوسرے صحابہ بھی ان کی مدد کے لیے آ پہنچے اور سب نے مل کر کافروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اُدھر دوسرے مسلمانوں کو بھی پتہ چل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر غلط تھی چنانچہ وہ دوبارہ جمع ہو کر لڑائی کے لیے تیار ہو گئے، اتنی دیر میں کافر میدان چھوڑ کر واپس مکہ کی طرف چل پڑے تھے۔ کافروں کے بار بار کے حملوں میں ایک کافر کے پتھر پھینکنے اور ایک کے تلوار کے وار سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے تھے۔ جب کافروں کے حملے کچھ کم ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جانثاروں نے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کا فیصلہ کیا۔ آپؐ کے جسم مبارک پر دوہری زرہ تھی اور آپؐ زخمی بھی تھے اس لیے پہاڑ پر چڑھنے میں تکلیف محسوس فرما رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زخموں کو بھول گئے اور آپؐ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اس موقع پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''طلحہ کے لیے جنت واجب ہو گئی''۔

کافروں کے بھاگنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیر کے ستر سے زیادہ زخم شمار کیے۔ ایک ہاتھ پر ایسا سخت زخم آیا کہ اس کا اثر عمر بھر رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ پورا ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا اور بعض کا بیان ہے کہ دو انگلیاں ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گئیں۔ اُحد کی لڑائی میں انہوں نے جس جوش اور جذبے کے ساتھ کافروں کا مقابلہ کیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی، اس کو دیکھتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ طلحہ نہیں، خیر ہے''۔ مطلب یہ کہ طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھلائی اور نیکی کا مجسمہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے، اُحد کا دن، سچ پوچھو تو طلحہ کا دن تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے: ''اے

Marfat.com

طلحہ، اے اُحد والے، اے صاحبِ اُحد (اے اُحد کے مردِ میدان)۔

اُحد کی لڑائی کے بعد بھی کافروں کے خلاف جو لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ہر لڑائی میں بڑی بہادری سے لڑے۔ ہجرت کے چھٹے سال بیعتِ رضوان کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بیعت رضوان کرنے والوں میں شامل تھے۔ یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئے تھی اس لیے بیعت کرنے والوں کو ''اصحاب شجرہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اصحابِ شجرہ کو بہت اونچے رتبے والے صحابہ مانا جاتا ہے۔

غزوۂ حنین میں تقریباً ساری اسلامی فوج بے ترتیب ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گئی۔ صرف رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چند بہادروں کے ساتھ میدان میں کھڑے رہے۔ ان بہادروں میں ایک حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

غزوۂ تبوک میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتنی بڑی رقم پیش کی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''فیاض'' کا لقب عطا فرمایا۔

رجب 9 ہجری میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تیس (۳۰) ہزار مجاہدوں کے ساتھ مدینہ سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ ان مجاہدوں میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ بیس دن تبوک میں قیام کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔

ہجرت کے دسویں سال رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان آپؐ کے ساتھ تھے۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا سوائے آپؐ کے اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے۔

ہجرت کے گیارہویں سال ربیع الاوّل کے مہینے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ تھا۔ اس صدمے کی وجہ سے وہ کئی دن تک دنیا کا کوئی دوسرا کام نہ کر سکے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑنے کے بعد مسلمانوں نے

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا امیر یا رسول اللہ کا خلیفہ چُن لیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ان کی بیعت کر لی اور جب کبھی ضرورت پڑی ملک کے انتظامی معاملوں میں ان کو مناسب مشور دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے اور بڑے بڑے معاملوں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ انہوں نے ان کو اپنی مجلسِ شوریٰ میں شامل کر لیا اور ہمیشہ ان کے مشوروں کی بہت قدر کرتے رہے۔ دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو وصیت کی اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتنی عزت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ خلافت تقریباً ساڑھے دس برس ہے۔ اس سارے عرصے میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ ہی میں رہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے بعد امیرالمومنین کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس نازک حالت میں لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ اپنے جانشین کے بارے میں وصیت کر جائیں۔ انہوں نے فرمایا:

"میں علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص سے بڑھ کر خلافت کا حقدار کسی کو نہیں سمجھتا۔ میرے بعد مسلمان ان میں سے جس کو خلیفہ چُن لیں، اُس کی بات سننا اور اطاعت کرنا"۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن صحابہ کو خلافت کا حقدار قرار دیا تھا، ان کی شہادت کے بعد وہ سب ایک جگہ جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ شروع کیا کہ خلافت کی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے۔ دو دن تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تیسرے دن ان میں سے تین بزرگوں نے تین دوسرے بزرگوں کے لیے اپنا خلیفہ بننے کا حق چھوڑ دیا۔ حق چھوڑنے والے بزرگ تھے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ

Marfat.com

تعالیٰ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اپنا حق چھوڑا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنانے کی تجویز پیش کی گئی۔ سب لوگوں نے اس سے اتفاق کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر لی۔ بیعت کرنے والوں میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ چُنے گئے۔ مدینہ میں موجود تقریباً سبھی صحابہؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، ان میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف شورش میں حصہ لیا تھا ان میں سے اکثر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ صرف بیعت کر لی ہے بلکہ ان کے لشکر میں بھی شامل ہو گئے ہیں تو وہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہؓ کو ساتھ لے کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور ان سے درخواست کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں کو پکڑ کر شریعت کے مطابق سزا دی جائے کیونکہ ہم نے اسی شرط پر آپؓ کی بیعت کی تھی کہ آپؓ مجرموں پر حد جاری کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ موجودہ حالات میں ان میں سے اصل قاتلوں کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے۔ ذرا امن ہو لے تو پھر تحقیق کر کے قاتلوں کو پکڑنے اور ان سے قصاص لینے کی پوری کوشش کی جائے گی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب سن کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں اُمت کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا حال سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سخت دُکھ ہوا اور وہ واپس مکہ چلی گئیں اتنے میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کے پاس مکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے بھی بتایا کہ مدینہ کے لوگ فسادیوں کے ہاتھوں سخت پریشان ہیں، وہ نہ اپنی حفاظت کر سکتے ہیں اور نہ ان میں حضرت عثمان

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ کے خون کا بدلہ لینے کی طاقت ہے۔ اس وقت حالات کو سدھارنے کی سخت ضرورت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان دونوں بزرگوں کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے تیار ہو جائیں۔ ان کی دعوت پر مکہ کے ہزاروں لوگ ان کے ساتھ ہو گئے اس طرح ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لشکر کو لے کر بصرہ کی طرف بڑھے تو راستے میں اور ہزاروں آدمی بھی ان کے ساتھ ہو لیے اس لشکر نے آگے بڑھ کر بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

ادھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان حالات کی اطلاع ملی تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کے قریب پہنچ گئے اور دونوں فریقوں کے درمیان قاصدوں کے ذریعے گفت و شنید شروع ہو گئی۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے آنے کی وجہ بیان فرمائی اور دوسری طرف سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مجبوری اور مشکلات بیان فرمائیں۔ قریب تھا کہ دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہو جاتی لیکن دونوں طرف ہی کچھ ضرورت سے زیادہ جوشیلے لوگ موجود تھے وہ لڑائی پر تلے ہوئے تھے اور صلح کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے رات کے اندھیرے میں ایسی شرارت کی کہ دونوں فوجیں تیار ہو کر ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آئے اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی۔ اس پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا اور وہ میدان جنگ سے شہر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُن کو دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی لڑائی سے بچنا چاہا چنانچہ وہ اگلی صفوں سے نکل کر پچھلی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر اپنے ہی لشکر کی ایک جانب سے ایک زہریلا تیر آیا جو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں میں لگا۔ اسی کے صدمہ سے انہوں نے شہادت پائی۔ کہا جاتا ہے کہ جمل کی لڑائی میں سب سے پہلے وہی شہید ہوئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے

Marfat.com

کہ یہ تیر مروان بن حکم نے چلایا تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ ۱۰ جمادی الآخر ۳۶ ہجری کو پیش آیا۔ اس وقت ان کی عمر چونسٹھ (۶۴) برس کی تھی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لڑائی کے میدان ہی کے ایک گوشے میں دفن کیا گیا لیکن میدان کے اِردگرد کی زمین قدرے اونچی تھی اس لیے آئے دن قبر کے پاس پانی جمع ہو جاتا تھا۔ ایک آدمی نے متواتر تین بار حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے کسی دوسری جگہ لے جانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ ان صاحب نے اپنا خواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کی تو انہوں نے ایک صحابی حضرت ابوبکرہ بن مسروح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر اس میں قبر کھدوائی اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میت کو پہلی قبر سے نکال کر یہاں دفن کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اتنے مہینوں کے بعد بھی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم بالکل صحیح سالم تھا یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی موجود تھا۔

Marfat.com

جانثارانِ خیر الانام ﷺ،

جنت کی خوشخبری پانے والے دس عظیم صحابہ کرامؓ

کے حیرت انگیز واقعات

عشرہ مبشرہ

پروفیسر خالد پرویز

حق پبلی کیشنز

2-A سید پلازہ، فسٹ فلور چیٹر جی روڈ اُردو بازار لاہور

فون: 042-7220631، موبائل: 0300-9422434

Marfat.com